



www.KitaboSunnat.com

ترجمہ جمع و ترتیب
فیضیہ اشرفیہ اہل حق و عبد الغفار مدنی
فیضیہ اشرفیہ عمر و عبد الغفور مدنی



معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب و سنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مَجْلِسُ التَّحْقِيقِ الْإِسْلَامِيِّ کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق و اجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے
کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی
کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے
درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

✉ KitaboSunnat@gmail.com

🌐 www.KitaboSunnat.com



www.kitabosunnat.com

تالیف

فضیلہ شیخ محمد ناصر الدین البانی رحمہ اللہ

سلفیت

تعارف و حقیقت



ترجمہ: فضیلہ شیخ ابو حامد عبد الغفار مدنی رحمہ اللہ

جمع و ترتیب: فضیلہ شیخ عمرو عبد المنعم رحمہ اللہ

الفرقان ٹرسٹ، خان گڑھ ضلع مظفر گڑھ، پاکستان

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب



تعارف و حقیقت

تأليف فضيلة شيخ محمد ناصر الدين الباني رحمته الله

ترجمہ: فضیل الشیخ ابو حامد عبدالغفار مدنی رحمۃ اللہ علیہ جمع و ترتیب: فضیل الشیخ عمر عبدالغفور سلیم رحمۃ اللہ علیہ

پستہندی تکراب

دارالعلوم الفديه للنشر والتوزيع

سر ت: ۱۰۱۰۲۰۴۸۷۶

فرع : مركز الجامع التجاري شارع باخشب جده

معرض: ۰۲۶۳۳۶۶۴۰ فاكس: ۰۲۶۸۷۴۵۵۷

المكتب الرئيسي الرياض، حي الفيصلية

• ١٢٤٢٣١٢٦ : هاتف

مکتبه دار الفرقان، الرياض

هاتف: ۰۵۷۴۱۹۹۲۱، ۰۵۶۳۰۶۴۷۳۶، ۰۱-۴۳۵۸۶۴۶

مكتبه بيت السلام، الرياض

هاتف: ٠١-٤٤٦,١٣٩ ٠٥٠٥٤٤,١٤٧ ٠٥٠٢٠٣٣٢٦

پاکستان

مکتبہ الکتاب: حق سٹریٹ، اردو بازار لاہور فون: 0321-4210145

ڈیلوز

اسلامی اکیڈمی: الفضل مارکیٹ، اردو بازار لاہور فون: 042-37357587

042-37320318: فون: 042-37320318

نعمانی کتب خانہ: حق سٹریٹ، اردو بازار لاہور فون: 042-37321865

مکتبہ اسلامیہ : غزنی سٹریٹ، اُردو بازار لاہور فون: 042-37244973

دار الكتب السلفية: اقراسينفر، غزني سٹریٹ اردو بازار، لاہور۔ فون: 042-37361505

مکتبہ قدوسیہ غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور۔ فون: 0321-4460487

مکتبہ آل ابراہیم غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور۔ فون: 0322-4005775

ملنے کے لیے

0321-5336844 ■ دارالتور ■ 051-32261356 ■ المسعود اسلامک بکس

تجلیات طبیبہ 051-35535168 ■ الحرم (اسلامک بکس) 0300-322-4814274

۰۲۱-۳۲۲۱۲۹۹۱: فضل بکس ■ ۰۲۱-۳۲۶۲۸۹۳۹: علمی کتاب گھر

052-34591911: مکتبہ رحمانیہ

■ مکتبہ اسلامیہ: 041-32631204 ■ مکتبہ اہل حدیث: 041-32629292



فہرست مضامین

www.KitaboSunnat.com

9----- * سخن ہائے مترجم

اے داعیانِ اسلام! سب سے پہلے توحید

(ترجمہ:..... طارق علی بروہی)

13----- * مقدمہ

14----- * اے داعیانِ اسلام سب سے پہلے توحید

15----- * جواب از علامہ محمد ناصر الدین البانی رحمہ اللہ

15----- * انبیاء و رسل علیہم السلام کا منہج سب سے پہلے توحید پر عنایت اور اس کا اہتمام

19----- * مسلمانوں کی غالب اکثریت آج ”لا الہ الا اللہ“ کے معنی کا صحیح فہم نہیں رکھتی

* عقیدہ کا اہتمام کرنے کے وجوب کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ باقی شرعی عبادات، سلوک،

معاملات اور اخلاق سے لاپرواہی برتی جائے

26----- * بہت سے لوگوں کے ذہنوں میں صحیح عقیدے اور اس کے لوازم کا واضح نہ ہونا

29----- * صحیح عقیدے کی جانب دعوت عظیم جہد مسلسل کی متقاضی ہے

31----- * تبدیلی یا انقلاب کی بنیاد منہج تصفیہ و تربیہ

31----- * سیاسی عمل میں کون حصہ لے، اور کب؟

36----- * حکم الہی اپنی زندگی پر حسب استطاعت نافذ کرنا تمام مسلمانوں پر واجب ہے

فلاح و نشاۃ ثانیہ کا واحد راستہ ”سلفی منہج“

(مترجم:..... طارق علی بروہی)

- 39 ----- ❀ مسلمانوں کی فلاح و نشاۃ ثانیہ کا واحد راستہ ”سلفی منہج“
- 39 ----- ❀ امت کی حالت زار فرقہ بندی اور حزبیت
- 42 ----- ❀ فرقہ ناجیہ کی علامت
- 44 ----- ❀ سلفی منہج
- 46 ----- ❀ مسلم امہ کے زوال کے اسباب
- 47 ----- ❀ محارم الہی کو حلال کرنا
- 50 ----- ❀ امت مسلمہ کو لاحق ہونے والے مہلک امراض
- 52 ----- ❀ ان مہلک امراض سے سبیل نجات
- 55 ----- ❀ فہم سلف یا فہم خلف
- 60 ----- ❀ التصفیہ و التریبہ
- 65 ----- ❀ بیع عینہ
- 66 ----- ❀ یہود کی روش

سلفی دعوت کے اصول و مبادی

- 72 ----- ❀ سلفی دعوت کی اصطلاح کب سے رائج ہوئی؟
- 72 ----- ❀ مذہب بندی کے بارے میں سلفی موقف
- 76 ----- ❀ کتاب و سنت کی طرف محض نسبت اور ان دونوں پر عمل کے درمیان بہت بڑا فرق ہے
- 78 ----- ❀ سلفی کی حقیقت
- 85 ----- ❀ سلف صالحین کی اقتداء واجب ہے
- 86 ----- ❀ حق کا معیار

- 88 ----- سنت کی اقسام اور اس تک رسائی کا بہترین طریقہ
- 90 ----- موجودہ صورت حال پر ایک نظر
- 91 ----- دین میں فرقہ بندی کا سبب
- 91 ----- اتباع
- 92 ----- ایک غلط فہمی کا ازالہ
- 95 ----- منج خلف کی پیروی کی چند مثالیں
- 95 ----- احادیث آحاد اور احادیث متواتر کے درمیان تفرق کرنا
- 97 ----- حدیث واحد کے حجت ہونے پر دلائل
- 99 ----- کتاب و سنت کے علم کے ساتھ سلف صالحین کے عمل کی معرفت بھی ضروری
- 100 ----- متاخرین کے خلاف ایک حجت
- 104 ----- اس مسئلہ میں سلف صالحین اور ائمہ اربعہ کا موقف
- 105 ----- صفات کے باب میں خلف کا مذہب سلف کی مخالفت کرنا ہے
- 109 ----- تشبیہ و تعطیل پر کلام
- 110 ----- صفات کے اثبات میں سلفی اصول
- 112 ----- نزدیک تعطیل
- 114 ----- صفات کے باب میں اشاعرہ اور ماتریدیہ کا اضطراب
- 115 ----- آج بہت سے دعاۃ مذہب سلف کی مخالفت کرتے ہیں
- 119 ----- مذہب سلف کے طلباء اور مذہب خلف کے طلباء کے درمیان فرق
- 121 ----- اس حدیث کے بارے میں خلیفوں کا موقف

سلفیت اور دیگر مذاہب

- 125 ----- کفرانہ حرکت کے باوجود مسلمان کو کافر نہیں کہا جاسکتا

- 126 ----- * اہل فترہ اور جنہیں دعوت نہیں پہنچی ان کا حکم
- 127 ----- * قادیانیوں سے متاثر نئے مسلمانوں کا حکم
- 129 ----- * اللہ کے نزدیک کافر کون؟
- 129 ----- * لوگوں تک دعوتِ توحید کی تبلیغ
- 132 ----- * مذہب کے پیروکاروں کے بارے میں ہمارا موقف
- 133 ----- * حق کی معرفت ضروری ہے
- 134 ----- * ”عالم“ سبب ہے مقصد نہیں
- 135 ----- * علماء کی اطاعت، اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت کے ساتھ مشروط ہے
- 136 ----- * تقلید کی مذمت اور اس میں اہل کتاب کی مشابہت
- 137 ----- * اہل کتاب کی پیروی اور ان کی مشابہت سے ممانعت
- 139 ----- * خبر کی تصدیق کرنا ضروری ہے
- 140 ----- * اصل کتاب و سنت کی پیروی ہے

سلفی دعوت کے متعلق شکوک و شبہات

- 143 ----- * شکوک و شبہات کا ازالہ

سلفی دعوت کی حقیقت

- 161 ----- * فضیلۃ الشیخ محمد عبدالعباسی کے تمہیدی کلمات
- 161 ----- * لفظ ”سلفی“ کا لغوی مفہوم
- 132 ----- * متاخرین میں انحراف کے آثار
- 164 ----- * غیر مسلموں کے دنیوی علوم سے استفادہ کی شروط
- 166 ----- * سلفی دعوت کی تاریخ
- 168 ----- * علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے زمانہ میں سلفی دعوت کی تجدید

- 169 ----- شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کے دور میں سلفی دعوت کی تجدید ❀
- 170 ----- سلفی دعوت کے اصول و مبادی ❀
- 171 ----- صحیح دین کی ضرورت ❀
- 172 ----- توحید کی اقسام ❀
- 174 ----- بعض مشرکانہ اعمال کی مثالیں ❀
- 176 ----- توحید اسماء و صفات ❀
- 179 ----- توحید کی اہمیت اور شرک کے ہولناک خطرات ❀
- 180 ----- اتباع کے باب میں سلفیت اور دوسرے مذاہب کا موقف ❀
- 182 ----- متعلم غیر مجتہد ❀
- 183 ----- جھوٹے الزامات سے بری ❀
- 183 ----- تربیت، تزکیہ اور صفائی قلب ❀
- 186 ----- نظریہ کشف ❀
- 187 ----- بدعت سے اجتناب ❀
- 188 ----- سلفی احادیث ضعیفہ اور موضوعہ سے بھی اجتناب کرتے ہیں ❀
- 189 ----- محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کے منہج دعوت کا سرسری جائزہ ❀
- 192 ----- شیخ عبدالعباسی کے کلام پر ایک تنبیہ ❀
- 194 ----- اشاعرہ کے تناقضات ❀
- 195 ----- اہل سنت کا طریقہ استدلال ❀
- 196 ----- دوسری دعوتوں کے مقابلے میں سلفی دعوت کی خصوصیت ❀
- سلفی منہج (تالیف: محمد بن عمر بن سالم بازمول)
- 199 ----- سلفی منہج کی تعریف ❀

- 199 ----- سلفی کا لغوی مفہوم *
 202 ----- سلفی اصول و ضوابط *
 205 ----- کتاب و سنت کی اتباع سلف صالحین کی فہم کے مطابق *
 207 ----- جماعت کو لازم پکڑنا اور حاکم وقت کی سمع و طاعت ضروری ہے *
 218 ----- مسلمان حاکم کے ظلم و زیادتی پر صبر کرنا ضروری ہے *
 223 ----- بدعت اور بدعتی سے اجتناب *
 226 ----- سلفی منہج کی پیروی کا حکم *
 227 ----- سلفی منہج کی پیروی کی فضیلت *
 228 ----- سلفی کی علامات *
 229 ----- پہلی علامت *
 232 ----- دوسری علامت *
 235 ----- تیسری علامت *
 241 ----- چوتھی علامت *
 249 ----- پانچویں علامت *
 260 ----- اہل سنت والجماعت کے نزدیک اصلاح کا طریقہ *
 270 ----- خاتمہ کلام *

سخن ہائے مترجم

علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ کی ہمہ گیر شخصیت محتاج تعارف نہیں۔ آپ کے علمی ورثے، تحقیقات، تعلیمات، آپ کے تعارف کے لیے کافی ہیں۔ تعارف تو اس شخص کا کرایا جاتا ہے جو گمنام ہو، مگر آپ تو بفضلہ تعالیٰ علم و ہدایت کا آفتاب و ماہتاب تھے۔ کتاب و سنت سے شغف رکھنے والا کون سا ایسا طالب علم ہوگا جو آپ کی شخصیت سے ناواقف ہو۔ آپ عصر حاضر کے محدث کبیر، مفسر، کتاب و سنت کے داعی، منہج سلف کے علمبردار تھے۔ از ابتداء تا دم حیات حدیث کی تحقیق و تخریج آپ کا محبوب مشغلہ تھا۔ جاتے جاتے صحیح احادیث و ضعیف اور موضوع روایتوں کا الگ الگ کئی جلدوں پر مشتمل ایسا عمدہ مجموعہ اُمت کو دیے گئے کہ اُمت کا کوئی صاحب علم و تحقیق ان سے مستغنی نہیں ہو سکتا، اور جس لائبریری میں علامہ ابن تیمیہ، علامہ ابن القیم، علامہ ابن باز اور علامہ ناصر الدین البانی رحمہم کی تالیفات نہ ہوں۔ وہ لائبریری ناقص اور ادھوری سمجھی جاتی ہے۔ یقیناً آپ ہی جیسی مخلص اور منیب الی اللہ شخصیت محدث کہلانے کی مستحق تھی۔ آپ کی حیات مبارکہ صرف تحقیق و تخریج تک ہی محصور نہیں تھی بلکہ عوامی سطح پر ان کی دینی و علمی پیاس بجھانے کے لیے دروس کا سلسلہ بھی جاری کیا جس سے نہ صرف عوام الناس کا طبقہ مستفید ہوتا بلکہ جامعات کے بڑے بڑے طلباء، اساتذہ اور اصحاب فکر و نظر استفادہ کرتے تھے۔ آپ کے دروس اور محاضرات لغو اور بے جا قیل و قال سے بعید تر تحقیق کا مرقع اور دلائل سے پر ہوتے تھے۔

آپ نے ہمیشہ منہج سلف کو اُجاگر کرنے کی کوشش کی۔ تقلید شخصی، مذہبی تعصب، فکری جمود، بے جا اور رکیک تاویلات، باطل افکار و نظریات نے مل کر مسلمانوں کو اسلام کی حقیقی

حلاوت اور چاشنی سے کافی دُور کر دیا تھا، قال اللہ اور قال الرسول صلی اللہ علیہ وسلم جو اسلاف کرام کا طرہ امتیاز تھا، آج ان کی پر کیف صدا اور سماعت سے کان گویا بہرے ہو گئے اور زبان گوئی ہو گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ غریقِ رحمت کرے علامہ البانی رحمہ اللہ کو آپ نے اُمت کو بیدار کیا اور انہیں قال اللہ اور قال الرسول ﷺ کی پر کیف اور جاں گزین صداؤں سے مانوس کرنے کی بھرپور کوشش کی۔ اور اس میں کامیاب بھی رہے۔ (فجزاه اللہ خیر الجزاء، و غفرلہ و ادخلہ جنة الفردوس زمہ الانبیاء، والصديقين والصالحين.)

چونکہ اس وقت برصغیر میں بالخصوص اور پورے عالم میں بالعموم اسلام کے نام پر مختلف تنظیمیں اور تحریکیں وجود میں آ چکی ہیں اور وقتاً فوقتاً نئی تحریکیں جنم بھی لیتی رہتی ہیں، سب کا دعویٰ یہی ہوتا ہے کہ وہ دوسری اسلامی تحریکوں سے اعلیٰ و افضل ہیں اور وہ خالص اسلام کی خدمت اور لوگوں کو خالص اسلام کی دعوت بھی دے رہی ہیں۔ ان کی دعوت اتنی خالص ہوتی ہے کہ کتاب و سنت کی واضح تعلیمات سے یکسر خالی ہوتی ہے۔ سیدھے سادے مسلمان جو صرف اتنا جانتے ہیں کہ وہ مسلمان ہیں لیکن ان کو یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ مسلمان کیوں ہیں؟ اسلامی تعلیمات کیا ہیں؟ قرآن و سنت کیا ہے؟ ان کی واضح اور روشن تعلیمات کیا ہیں؟ رسول اللہ ﷺ نے اسلام اور اس کی تعلیمات کی یہ صفت بیان کی تھی کہ ”لیلھا کنھارھا“ اس کی رات اس کے دن کی مانند ہے۔

لیکن آج نفس پرستوں نے معاملہ بالکل الٹ دیا ہے، اس کے دن کو رات بنا دیا ہے اور ان تمام معلومات سے عوام بالکل ناواقف ہوتے ہیں نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اس قسم کے لوگ لا علمی اور ناواقفیت کی بنا پر ان تحریکوں کے بہکاوے میں آ جاتے ہیں اور اپنی دنیا و آخرت دونوں کو گنوا بیٹھتے ہیں۔ آخر وہ دنیا اور آخرت کیوں گنوا بیٹھتے ہیں اس لیے کہ جس تحریک یا تنظیم سے ان کا واسطہ ہوتا ہے وہ خود کتاب و سنت کے منہج پر نہیں ہوتی، بلکہ وہ کتاب و سنت

کی آڑ میں اپنی خود ساختہ فکر کی نشر و اشاعت کرتی ہے۔

ایسے ناگفتہ بہ حالات میں ضرورت اس بات کی تھی کہ کوئی شخص اٹھے اور مسلمانوں کے سامنے قرآن و سنت کی روشن تعلیمات کو دلائل کی روشنی میں واضح کرے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جو اس اُمت کے سب سے اعلیٰ و افضل جماعت تھے، جن کے تقویٰ و طہارت، عبادت و قناعت، ایمان و یقین، پر کتاب و سنت کے نصوص شاہد ہیں جن سے اللہ تعالیٰ صرف راضی ہی نہیں ہوا تھا بلکہ اپنی رضا مندی کی آیت قرآن مجید میں نازل فرما کر قیامت تک مسلمانوں کے لیے مقام عبرت بنا دیا کہ آخر وہ بھی مسلمان تھے اور ہم بھی مسلمان ہیں لیکن اللہ ان سے راضی ہو گیا، ان کی دعاؤں پر آسمان کے فرشتے مدد کے لیے نازل کیے۔ پھر ہم سے راضی کیوں نہیں؟ یہی صحابہ کرام ہمارے بہترین اسلاف ہیں جن کو ہم سلف صالحین کے نام سے تعبیر کرتے ہیں، آخر ان کا طریقہ و منہج کیا تھا، وہ قرآن و سنت کو کیا سمجھتے تھے؟ ان کا طریقہ و منہج واضح کرنے کے لیے علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ نے دروس کا بہترین سلسلہ شروع کیا تھا۔ سلف کسے کہتے ہیں؟ موجودہ سلفی تحریک کا ان سے کیا تعلق ہے؟ اس تحریک کا منہج دعوت و تبلیغ کیا ہے؟ شیخ موصوف نے اپنے دروس میں دلائل کی روشنی میں اسی مفہوم کو واضح کیا ہے، اسلام کے نام پر باطل تحریکوں اور تنظیموں کا قلع قمع کرتے ہوئے اسلام کا صحیح مفہوم پیش کیا ہے۔

یہ دروس کافی مفید تھے اور عربی زبان میں تھے، پھر کیسٹوں میں ریکارڈ تھے۔ اس لیے اس کے فائدے کو عام کرنے کے لیے فضیلۃ الشیخ عمرو عبدالمعظم سلیم حفظہ اللہ نے کیسٹوں سے کتابی شکل دیا، پھر چونکہ کتاب بھی عربی زبان میں تھی اور کافی مفید تھی، لیکن اُردو طبقہ کا ہر فرد اس سے استفادہ نہیں کر سکتا تھا اس لیے الفرقان ٹرسٹ نے اس کو اُردو جامہ پہنانے کے لیے مجھ جیسے طالب علم شخص کو یہ کام سونپا اور میں نے بھی اپنی ہزار کمزوریوں کے باوجود بطور سعادت اس ذمہ داری کو قبول کر لیا۔ چونکہ تحریر و تقریر میں بڑا فرق ہوتا ہے وہ فرق یہاں

موجود تھا۔ پھر بھی میں نے کوشش کی ہے کہ ترجمہ میں سلاست و روانی موجود رہے۔

اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ مولائے کریم فضیلۃ الشیخ پر اپنا فضل و کرم نازل فرمائے، ان کی لغزشوں سے پردہ پوشی کر کے انہیں جنت الفردوس عطا کرے اور اس کے ناشر کو سعادت دارین نصیب فرمائے۔ آمین

ابو حماد عبدالغفار مدنی

جدہ۔ سعودی عرب



مقدمہ

إِنَّ الْحَمْدَ لِلَّهِ، نَحْمَدُهُ وَنَسْتَعِينُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا. مَنْ يَهْدِهِ اللَّهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ يَضِلَّ فَلَا هَادِيَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ. ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَاعْبُدُوهُ﴾ (آل عمران: ۱۰۲) ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا﴾ (النساء: ۱) ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ۝ يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا﴾ (الاحزاب: ۷۰-۷۱)

یہ انتہائی عظیم نفع بخش اور فائدہ مند رسالہ ہے جو کہ ایک سوال کا جواب ہے جو اس دور کے علماء میں سے ایک عالم دین فضیلۃ الشیخ محمد ناصر الدین البانی رحمۃ اللہ علیہ نے دیا ہے اور (امت کو) نفع پہنچایا ہے، اس میں ایک ایسے سوال کا جواب دیا گیا ہے جو اس دین کی غیرت رکھنے والوں، اسے اپنے دل میں بسالینے والوں اور اپنی فکر کو اس کے مطابق ڈھالنے کی شب و روز کوشش کرنے والوں کی زبان زد عام ہے اور وہ سوال مجمل طور پر مندرجہ ذیل ہے:

سوال: وہ کیا طریقہ کار ہے جو مسلمانوں کو عروج کی جانب لے جائے اور وہ کیا

① اس رسالے کی اصل ایک کیسٹ ہے، جسے کتابی صورت میں لکھنے کے بعد محلة السلفية چوتھے ایڈیشن ۱۴۱۹ھ میں طبع کیا گیا۔

راستہ ہے کہ جسے اختیار کرنے پر اللہ تعالیٰ انہیں زمین پر غلبہ عطا فرمائے گا اور دیگر امتوں کے درمیان جو ان کے شایان شان مقام ہے اس پر فائز کرے گا؟

پس علامہ البانی (نفع اللہ بہ) نے اس سوال کا نہایت ہی مفصل اور واضح جواب ارشاد فرمایا۔ ہم نے اس جواب کی افادیت کے پیش نظر اسے نشر کرنے کا عزم کیا۔ آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس کے ذریعے لوگوں کو فائدہ پہنچائے اور مسلمانوں کو اس چیز کی طرف ہدایت دے جس سے وہ محبت کرتا اور راضی ہوتا ہے، بیشک وہ جواد و کریم ہے۔

اے داعیان اسلام! سب سے پہلے توحید

سوال:..... فضیلۃ الشیخ بلاشبہ آپ جانتے ہیں کہ امت مسلمہ کی دینی حالت نہایت

اتر ہے عقیدہ اور اعتقادی مسائل سے جہالت کے اعتبار سے اور اپنے مناج میں افتراق کے اعتبار سے بھی کہ پوری دنیا میں اکثر دعوت اسلام پہنچانے میں اس عقیدہ اول اور منہج اول سے غفلت برتی جاتی ہے جس کے ذریعہ امت کے پہلے لوگوں کی اصلاح ہوئی تھی۔ یہ المناک حالت یقیناً مخلص مسلمانوں کے اندر غیرت کو ابھارتی ہے اور اس کو بدل دینے اور اس خلل کی اصلاح کرنے کی جانب رغبت دلاتی ہے مگر جیسا کہ فضیلۃ الشیخ آپ جانتے ہیں کہ اس اصلاح کی خاطر وہ اپنے میلانات عقیدہ منہج میں اختلاف کی وجہ سے اپنے طریقہ کار میں اختلاف کا شکار ہیں۔ ان مختلف تحریکوں اور اسلامی حزبی جماعتوں کو آپ جانتے ہیں جو برسوں دہائیوں سے امت کی اصلاح کو ڈنڈھورا پیٹتے تو رہی ہیں مگر اس کے باوجود ان کے لیے آج تک کوئی نجات یا فلاح رقم نہیں ہوئی بلکہ اس کے برعکس ان تحریکوں کی وجہ سے فتنے ابھرے، آفتوں کا نزول ہوا اور عظیم مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ جس کی وجہ ان کی اپنے عقیدہ و منہج میں رسول اللہ ﷺ کے حکم اور جو کچھ آپ ﷺ لے کر آئے کی مخالفت کرنا ہے۔ اس بات نے مسلمانوں خصوصاً شباب امت میں اس صورت حال کے علاج کی کیفیت کے بارے میں ایسا گہرا اثر چھوڑا ہے کہ سب حیران و پریشان ہیں۔ ایک مسلمان داعی جو منہج نبوت سے تمسک کرتا ہے اور سبیل المؤمنین کی اتباع کرتا ہے، فہم صحابہ اور جنہوں نے بطریقہ احسن ان کی

پیروی کی بجائے آوری کرتا ہے، وہ یہ محسوس کرتا ہے کہ اس صورتحال کی اصلاح یا اس کے علاج میں مشارکت کے سلسلے میں اس نے ایک عظیم امانت کا بیڑا اٹھایا ہے۔

آپ کی کیا نصیحت ہے ایسی تحریکوں یا جماعتوں کی اتباع کرنے والوں کے لیے؟

اس صورتحال کے علاج کا کون سا نفع بخش اور مفید طریقہ ہے؟

ایک مسلمان کس طرح بروز قیامت اللہ تعالیٰ کے لیے سامنے بری الذمہ ہوگا؟

جواب : انبیاء و رسل ﷺ کے منہج کے مطابق سب سے پہلے توحید پر خصوصی عنایت

اور اس کا اہتمام واجب ہے۔

مسلمانوں کی جو زبوں حالی ابھی سوال میں بیان ہوئی ہم اس پر کچھ اضافہ کریں گے وہ یہ کہ یہ المناک صورتحال اس سے بدتر نہیں جو صورتحال جاہلیت میں عرب کی ہوا کرتی تھی کہ جب ان میں ہمارے نبی محمد رسول اللہ ﷺ مبعوث ہوئے کیونکہ ہمارے پاس تو رسالت موجود ہے اور اس کی تکمیل بھی اور ایسا گروہ بھی جو حق پر قائم ہے، جن کے ذریعہ ہدایت آتی ہے اور یہ لوگوں کو عقیدہ، عبادت سلوک اور منہج کے اعتبار سے صحیح اسلام کی طرف بلاتے ہیں۔ بلاشبہ مسلمانوں کے بہت سے گروہوں کی جو حالت ہے وہ دور جاہلیت کے عرب کی مانند ہے۔

اس بنا پر ہم یہ کہتے ہیں: ان کا علاج بھی وہی علاج ہے اور ان کی دواء بھی وہی دوا ہے چنانچہ جیسے نبی اکرم ﷺ نے اس جاہلیت اول کا علاج کیا تھا، اسی طرح تمام موجودہ داعیان اسلام کو کلمہ توحید ”لا الہ الا اللہ“ (اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود حقیقی نہیں) کے سوا فہم کا علاج کرنا ہوگا اور انہیں چاہیے کہ اپنی اس المناک حالت کا اسی علاج و دواء سے معالجہ کریں۔ اس کا معنی بالکل واضح ہے اگر ہم اللہ تعالیٰ کے اس فرمان پر غور و تدبر کریں:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُوا اللَّهَ
وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا ۝﴾ (الاحزاب: ۲۱)

”یقیناً تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ میں عمدہ نمونہ (موجود) ہے، ہر اس شخص

کے لیے جو اللہ تعالیٰ کی اور قیامت کے دن کی توقع رکھتا ہے اور بکثرت اللہ تعالیٰ

کو یاد کرتا ہے۔“

پس ہم مسلمانوں کی موجودہ صورتحال کے معالجہ کے لیے اور ہر دور کے لیے بھی رسول اللہ ﷺ ہی بہترین نمونہ ہیں۔ اس کا تقاضا یہ ہے کہ ہم اسی چیز سے ابتداء کریں جس سے ہمارے نبی ﷺ نے ابتداء کی تھی یعنی سب سے پہلے مسلمانوں کے فاسد عقائد کی اصلاح کرنا، پھر اس کے بعد ان کی عبادتوں کی اور پھر ان کے سلوک کی۔ میری اس ترتیب سے کہ سب سے پہلے اہم ترین چیز سے شروع کرنا چاہیے پھر اس کے بعد جو اہم ہو پھر جو اس کے بعد۔ اس سے مراد یہ نہیں کہ میں ان میں تفریق کرنا چاہتا ہوں بلکہ میں تو یہی چاہتا ہوں کہ مسلمان اس کا بہت زیادہ اہتمام کریں۔ یہاں مسلمانوں سے میری مراد طبعاً داعیان ہیں۔ بلکہ زیادہ صحیح یہ ہوگا کہ میں کہوں مسلمانوں کے علماء کیونکہ صد افسوس آج داعیان کے اندر ہر مسلمان داخل ہے خواہ وہ علمی طور پر بالکل کنگال ہی کیوں نہ ہو۔ پس وہ اپنے آپ کو داعیان اسلام شمار کرنے لگتے ہیں۔ اگر ہم اس معروف قاعدے کو یاد رکھیں جو صرف علمائے کرام کے نزدیک ہی نہیں بلکہ ہر ذی عقل شخص کے نزدیک بھی جانا بچپانا ہے ((فأقد الشيء لا يعطيه)) ”جو کسی چیز کا خود حامل نہیں وہ دوسروں کو نہیں دے سکتا“ ہم جانتے ہیں آج ایک بہت بڑا گروہ ہے جو لاکھوں مسلمانوں پر مشتمل ہے جس کی طرف نظریں اٹھتی ہیں جب دعاۃ (داعیوں) کے لفظ کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ میری اس سے مراد تبلیغی جماعت ہے، اس کے باوجود اکثر لوگ اللہ تعالیٰ کے فرمان کے بموجب:

﴿وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ﴾ (الاعراف: ۱۸۷)

”اور اکثر لوگ نہیں جانتے۔“

ان کے طریقہ دعوت کے بارے میں یہ بات معلوم ہے کہ جن امور کا میں نے ابھی ذکر کیا یعنی عقیدہ، عبادت اور سلوک ان میں سے پہلی بنیاد یا اہم ترین بات کے اہتمام سے وہ مکمل طور پر اعراض برتتے ہیں۔ اس اصلاح سے جس سے نہ صرف رسول اللہ ﷺ نے بلکہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام نے آغاز فرمایا جسے اللہ تعالیٰ نے اس طرح بیان فرمایا:

﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا
الطَّاغُوتَ﴾ (النحل: ۳۶)

”ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا جس نے یہی دعوت دی کہ ایک اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور طاغوت کی بندگی سے بچو۔“

پس یہ لوگ اس بنیادی اساس اور ارکان اسلام میں سے رکن اول کی قطعاً پرواہ نہیں کرتے جیسا کہ تمام مسلمان اس بات کو اچھی طرح جانتے ہیں۔ یہ وہی بنیادی اساس ہے جس کی دعوت تمام رسولوں میں سے پہلے رسول نوح علیہ السلام تقریباً ہزار سال دعوت دیتے رہے۔ سب جانتے ہیں کہ کچھلی شریعتوں میں ان احکام عبادات و معاملات کی تفصیل موجود نہ تھی جو ہمارے دین میں معروف ہیں کیونکہ یہ دین تمام سابقہ شریعتوں اور ادیان کو ختم کرنے والا ہے، اس کے باوجود نوح علیہ السلام اپنی قوم میں پچاس کم ہزار سال رہے اور اپنا تمام تر وقت اور اہتمام اسی دعوت توحید پر صرف فرمایا لیکن ان کی قوم نے ان کی دعوت سے اعراض برتا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی محکم کتاب میں بیان فرمایا:

﴿وَقَالُوا لَا تَذَرُنْ آلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنْ وَدًّا وَلَا سُوَاعًا وَلَا يَغُوثَ
وَيَعُوقَ وَنَسْرًا﴾ (نوح: ۲۳)

”اور انہوں نے کہا ہرگز نہ چھوڑنا اپنے معبودات کو اور نہ چھوڑنا ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر کو۔“

پس یہ دلائل اس بات پر قطعی دلالت کرتے ہیں کہ وہ داعیان کو جو ”صحیح و برحق اسلام“ کی جانب دعوت دینا چاہتے ہیں ان کے نزدیک سب سے اہم چیز اور جس کی دعوت کا ہمیشہ اہتمام خاص کرنا چاہیے وہ دعوت توحید ہے اور یہی معنی ہے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا:

﴿فَاعْلَمُوا أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ﴾ (محمد: ۱۹)

”جان لو! اس بات کا علم حاصل کرو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود حقیقی نہیں۔“

اور یہی تھی سنت نبوی (ﷺ) عملاً و تعلیماً۔

جہاں تک ان کے فعل کا تعلق ہے تو اس کو زیادہ ڈھونڈنے یا ریسرچ کی ضرورت نہیں کیونکہ نبی ﷺ کریم کے مکی دور میں آپ ﷺ کے افعال اور دعوت غالباً محصور تھی اپنی قوم کو اس بات کی دعوت دینے پر کہ ایک اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو جس کا کوئی شریک نہیں۔

جہاں تک تعلیم کا معاملہ ہے تو انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے جو صحیح بخاری و مسلم میں وارد ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن روانہ فرمایا تو حکم ارشاد فرمایا: ((لیکن اول ماتدعهم الیه: شهادة ان لا اله الا الله، فان هم اطاعوك لذلك..... الخ الحديث.)) ① ”سب سے پہلی چیز جس کی طرف تم انہیں دعوت دو وہ اس بات کی گواہی ہو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود حقیقی نہیں، اگر وہ تمہاری یہ بات مان لیں تو پھر..... آخر تک جو حدیث ہے۔“ ② یہ حدیث لوگوں کو معلوم ہے اور بہت مشہور ہے۔ ان شاء اللہ

چنانچہ نبی اکرم ﷺ نے اپنے صحابہ (رضی اللہ عنہم) کو اسی چیز سے ابتداء کرنے کا حکم فرمایا جس سے خود آپ ﷺ نے ابتداء فرمائی تھی اور وہ توحید کی جانب دعوت تھی۔ بلاشبہ وہ مشرکین عرب جو اس بات کو خوب اچھی طرح سے سمجھتے تھے جو ان کی زبانی میں کہا جاتا تھا، ان میں اور عرب مسلمانوں کی آج کل ایک غالب اکثریت میں بہت بڑا فرق ہے، جنہیں اس بات کی آج دعوت نہیں دینی پڑتی کہ وہ زبان سے ”لا اله الا الله“ کہیں کیونکہ یہ سب تو پہلے ہی اپنے مذاہب، طریقوں اور عقائد کے اختلافات کے باوجود اس کے قائل ہیں۔ یہ سب کہتے ہیں کہ ”لا اله الا الله“، لیکن درحقیقت یہ اس بات کے زیادہ ضرورت مند ہیں کہ وہ اس کلمہ طیبہ کا فہم حاصل کریں۔ یہ ایک بالکل بنیادی فرق ہے ان اولین عرب میں جنہیں

① حدیث صحیح: رواہ البخاری: ۱۳۹۵ وفی غیر موضع، ومسلم ۱۹، وابوداؤد: ۱۵۸۴، والترمذی: ۶۲۵، کلمہ من حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما۔

② حدیث میں آگے یہ بیان ہوا ہے کہ ”اگر وہ یہ شہادتیں تسلیم کر لیں تو پھر انہیں خبر دینا بیچ وقتہ نماز کی فرضیت کی اگر وہ بھی مان لیں تو پھر خبر دینا زکوٰۃ کی فرضیت کے بارے میں۔ (مترجم)

رسول اللہ ﷺ نے جب اس بات کی طرف دعوت دی کہ وہ ”لا الہ الا اللہ“ کہیں تو وہ تکبر کرتے تھے جیسا کہ قرآن کریم میں صریحاً بیان ہوا۔^① وہ کیوں تکبر کرتے تھے؟ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اس کلمے کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو برابر والا نہ بناؤ اور نہ ہی اس کے سوا کسی کی عبادت کرو جبکہ وہ اس کے سوا اوروں کی بھی عبادت کرتے تھے۔ پس وہ غیر اللہ کی نذر و نیاز، غیر اللہ سے توسل، غیر اللہ کے لیے ذبح اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے سوا دوسرے احکام پر چلتے یہاں تک کہ وہ غیر اللہ سے استغاثہ (فریاد) کرتے تھے۔

یہ وہ مشہور شرکیہ اور وثنیہ (بت پرستی، قبر پرستی) وغیرہ کے وسائل ہیں جن میں وہ مبتلا تھے، اس کے باوجود وہ اس کلمہ طیبہ ”لا الہ الا اللہ“ کے لوازم کو عربی لغت کے اعتبار سے جانتے تھے۔ کہ ان تمام امور کو چھوڑنا پڑے گا، کیونکہ یہ ”لا الہ الا اللہ“ کے معنی کے منافی امور ہیں۔

مسلمانوں کی غالب اکثریت

آج ”لا الہ الا اللہ“ کے معنی کا صحیح فہم نہیں رکھتی

جبکہ آج کے مسلمان جو ”لا الہ الا اللہ“ کی گواہی دیتے ہیں وہ اس کے معنی اچھی طرح نہیں سمجھتے بلکہ وہ اس کا مکمل طور پر برعکس معنی سمجھتے ہیں۔ میں آپ کے سامنے ایک مثال پیش کرتا ہوں: ان میں سے بعض نے ”لا الہ الا اللہ“ کے معنی پر ایک رسالہ تالیف کیا^② تو اس میں ”لا الہ الا اللہ“ کا معنی ”لارب الا اللہ“ (اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی رب نہیں) کیا۔ یہ تو وہ معنی ہے جس پر مشرکین ایمان رکھتے تھے اور اسی پر وہ گامزن تھے، مگر ان کے اس ایمان نے انہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچایا، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

① اللہ کے اس فرمان کی طرف اشارہ ہے: ﴿إِنَّهُمْ كَانُوا إِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ يَسْتَكْبِرُونَ﴾ وَيَقُولُونَ إِنَّا لَنَرَاكَ لَتَّارِكًا آلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُونٍ ﴿﴾ (الصافات: ۳۵-۳۶) ”ان مشرکوں سے جب یہ کہا جاتا تھا ”لا الہ الا اللہ“ ”اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں“ تو وہ کہا کرتے تھے، اور کہتے تھے کہ کیا ہم اپنے معبودات کو ایک شاعر و مجنون کے کہنے پر چھوڑ دیں گے۔

② یہ شیخ محمد ہاشمی ہیں جو صوفی طریقہ ”شاذلیہ“ کے ملک شام میں تقریباً پچاس سال سے شیخ یا پیر صاحب ہیں۔

﴿وَلَيْنُ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمُوتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ﴾

(لقمان: ۲۵)

”اور (اے نبی ﷺ) اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کا خالق

کون ہے تو وہ ضرور بالضرور کہیں گے کہ: اللہ (ہی ان کا خالق ہے)۔“

پس مشرکین اس بات پر ایمان رکھتے تھے کہ اس کائنات کا کوئی خالق ہے جس کا کوئی شریک نہیں، لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں اس کے برابر والے اور شریک مقرر کرتے تھے۔ وہ اس بات پر ایمان رکھتے تھے کہ رب واحد ہے مگر معبودات بہت سے ہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس عقیدہ کا رد فرمایا اور اپنے اس فرمان سے اسے اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کی عبادت کرنا قرار دیا۔

﴿وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى

اللَّهِ زُلْفَىٰ.....﴾ (الزمر: ۳)

”جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا اور اولیاء بنا رکھے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہم ان کی

عبادت نہیں کرتے مگر صرف اسی لیے کہ یہ ہمیں اللہ تعالیٰ سے قربت اور نزدیکی

دلا سکیں۔“

مشرکین یہ بات جانتے تھے کہ ”لا الہ الا اللہ“ کا اقرار اس بات کا متقاضی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر ایک کی عبادت کو چھوڑنا ہوگا۔ جبکہ آج مسلمانوں کی غالب اکثریت اس کلمہ طیبہ ”لا الہ الا اللہ“ (اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود حقیقی نہیں) کی تفسیر ”لا الہ الا رب“ (اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں) کرتی ہے اگر کوئی مسلمان لا الہ الا اللہ کہے مگر وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کی بھی عبادت کرے تو وہ عقیدۂ مشرک ہی ہے اگرچہ ظاہری اعتبار سے وہ مسلمان ہے کیونکہ اس نے کلمے ”لا الہ الا اللہ“ کو زبان سے پڑھا ہے تو وہ اس زبانی اقرار کس سبب لفظی اعتبار سے ظاہراً مسلمان ہے۔ اسی وجہ سے ہم پر داعیان اسلام ہونے کے ناطے سے توحید کی جانب دعوت اور جو ”لا الہ الا اللہ“ کے معنی سے جا مل ہے اور اس کی عملی مخالف کرتا ہے اس پر

جنت تمام کرنا واجب ہے۔ ان کا معاملے مشرکوں سے اس طور پر الگ ہے کہ وہ ”لا الہ الا اللہ“ کہنے سے ہی انکاری ہے تو وہ مسلمان نہیں نہ ظاہراً نہ باطناً جبکہ مسلمانوں کی آج یہ بہت کثیر تعداد (جن میں عقائد کا بگاڑ پایا جاتا ہے ظاہراً) مسلمان ہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ((فاذا قالوها عصموا مني دماءهم واموالهم الا بحقها وحسابهم على الله تعالى)) ❶ ”اگر وہ اس کلمے کو پڑھ لیں تو وہ مجھ سے اپنی جان اور مال محفوظ کر لیں گے سوائے اسلامی اعتبار سے ان کی جان و مال لینے کا کوئی حق بنتا ہو اور ان کے باقی اعمال کا حساب اللہ پر ہے۔“

اسی لیے میں ایک بات کرتا ہوں اور اس قسم کی بات شاذ و نادر ہی مجھ سے صادر ہوتی ہے کہ: کلمے کے غلط فہم کے اعتبار سے موجودہ دور کے بہت سے مسلمانوں کی حالت جاہلیت کے دور کے عام عربوں سے بھی گئی گزری ہے، کیونکہ مشرکین عرب اس کا فہم تو رکھتے تھے مگر اس پر ایمان نہ لاتے تھے جبکہ آج مسلمانوں کی غالب اکثریت وہ بات کہتے ہیں (یعنی لا الہ الا اللہ) جس کا وہ اعتقاد نہیں رکھتے۔ کہتے تو ہیں ”لا الہ الا اللہ“ مگر کما حقہ اس کے معنی پر ایمان نہیں رکھتے۔ ❷ اسی وجہ سے میرا یہی اعتقاد ہے کہ جو حقیقی داعیان اسلام ہیں ان پر واجب ہے کہ وہ اس کلمے ہی کے گرد اپنی دعوت کو قائم کریں اور سب سے پہلے اس کے حقیقی معنی اختصار سے بیان کریں پھر اس کلمہ طیبہ کے لوازم کا تفصیلی بیان کریں کہ عبادات میں اس کی تمام تر صورتوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے لیے اخلاص ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جب مشرکین کا یہ قول ذکر فرمایا کہ:

﴿وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَىٰ

❶ حدیث صحیح: رواہ البخاری ۲۵، وفی غیر موضع، ومسلم ۲۲ وغیرہم، من حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما.

❷ قبروں کی عبادت، غیر اللہ کے لیے ذبح، مردوں کو پکارنا جیسے شرکیہ اعمال جو ایک حقیقت ہے اور ہمارے معاشرہ میں موجود ہے جو اعتقاد رافضہ (شیعہ)، صوفی اور طریقت پر چلنے والے رکھتے ہیں۔ پس قبروں کا حج کرنا، شرکیہ مزارات و قبر پوں کا قیام اور ان کا طواف اور صالحین اولیاء سے فریادیں کرنا اور ان کی قسمیں کھانا جیسے عقائد ان کے یہاں ثابت شدہ ہیں۔

اللّٰهُ زُلْفَىٰ.....﴾ (الزمر: ۳)

”جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا اور اولیاء بنا رکھے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہم ان کی عبادت نہیں کرتے مگر صرف اسی لیے کہ یہ ہمیں اللہ تعالیٰ سے قربت اور نزدیکی دلا سکیں۔“

تو اللہ تعالیٰ نے ہر عبادت کو جو غیر اللہ کے لیے کی جائے کلمہ طیبہ ”لا الہ الا اللہ“ سے کفر قرار دیا۔ اسی لیے میں آج یہ کہتا ہوں: مسلمان کا اجتماع بنانے اور انہیں جمع کرنے سے مطلقاً کوئی فائدہ نہیں اگر ہم انہیں گمراہی میں ہی پڑا رہنے دیں اور اس کلمہ طیبہ کا صحیح فہم انہیں بیان نہ کریں۔ یہ (جمع کرنا) انہیں اس دنیا تک میں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا چہ جائیکہ آخرت میں کوئی فائدہ پہنچا پائے! ہم نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان جانتے ہیں: ((من مات وهو يشهد ان لا اله الا الله مخلصا من قلبه حرم الله بدنه على النار)) ”جو فوت ہوا اس حال میں کہ وہ لا الہ الا اللہ کی گواہی دیتا تھا اپنے دل کے اخلاص کے ساتھ تو اللہ تعالیٰ نے اس کے بدن کو جہنم کی آگ پر حرام قرار دیا ہے) اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ ((دخل الجنة)) ❶ ”جنت میں داخل میں ہوگا۔“ پس جنت میں دخول کی ضمانت دینا ممکن ہے چاہے اس کے کہنے والے کو جہنم میں کسی بھی قسم کا عذاب ملنے کے بعد ہی کیوں نہ ہو۔ جو کوئی اس کلمے کا صحیح اعتقاد رکھتا ہے ہو سکتا ہے کہ وہ عذاب سے دو چار ہو اپنے ان گناہوں کی پاداش میں جن کا وہ مرتکب ہوا۔ مگر اس کا آخری ٹھکانہ تو جنت ہی ہے۔ اس کے برعکس جس نے زبان سے تو اس کلمے کو ادا کیا مگر دل سے صحیح ایمان نہ رکھتا تھا تو اسے یہ آخرت میں کوئی بھی نفع نہ پہنچا سکے گا، ہاں البتہ دنیا میں کچھ فائدہ پہنچا دے جیسا کہ اگر مسلمانوں کی قوت و سلطنت ہو تو اس سے قتال یا اس کا قتل نہیں کیا جائے گا لیکن آخرت میں وہ اسے کچھ بھی فائدہ نہ پہنچا سکے گا الا یہ کہ اس نے اولاً اس کے معنی سمجھ کر پڑھا ہو اور ثانیاً اس معنی کا اعتقاد بھی رکھتا ہو کیونکہ صرف فہم کا ہونا کافی نہیں جب تک کہ اس فہم کا اعتقاد بھی ساتھ

❶ حدیث صحیح: رواہ احمد: ۵/۲۳۶، وان حبان: ۴، زوائد، وصححه الالبانی فی الصحیحۃ ۳۳۵۔

نہ ہو۔ میرے خیال میں اکثر لوگ اس نقطے میں غافل ہیں۔ وہ یہ کہ ایمان کا فہم ہونا کافی نہیں جب تک دونوں امور یکجا نہ ہوں تاکہ وہ مومن کہلائے کیونکہ یہود و نصاریٰ میں سے بہت سے اہل کتاب جانتے تھے کہ محمد (ﷺ) سچے رسول ہیں اپنی رسالت اور نبوت کے دعوے میں صادق ہیں لیکن اس معرفت کے ہوتے ہوئے کہ جس کی گواہی ہمارے رب تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمائی:

﴿يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ آبْنَاءَهُمْ﴾ (البقرة: ۱۴۶)

”وہ اس (نبی محمد ﷺ) کو ایسے ہی جانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کا جانتے ہیں۔“

اس کے باوجود اس معرفت نے انہیں اللہ تعالیٰ کے یہاں کوئی فائدہ نہ پہنچایا، کیوں؟ کیونکہ انہوں نے آپ ﷺ کی اس رسالت و نبوت کی تصدیق نہ کی جس کا آپ ﷺ دعویٰ فرماتے تھے۔ اسی لیے معرفت ایمان سے پہلے ہے مگر اکیلی معرفت کافی نہیں بلکہ معرفت کے ساتھ ساتھ ایمان و تسلیم لازم ہے کیونکہ مولا کریم (عزوجل) کا قرآن حکیم میں ارشاد ہے:

﴿فَاعْلَمُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ....﴾ (محمد: ۱۹)

”جان لو اور اس بات کا علم حاصل کرو کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود حقیقی نہیں

اور اپنے گناہوں کی معافی طلب کرو۔“

اس بنا پر جب ایک مسلمان اپنی زبان سے ”لا الہ الا اللہ“ کہتا ہے تو اسے چاہیے کہ اس اقرار کے ساتھ اس کلمے کی مختصر پھر تفصیلی معرفت کو بھی شامل کرے۔ جب وہ اسے جان جاتا ہے اور اس کی تصدیق کر کے اس پر ایمان لے آتا ہے تو ایسے شخص پر ہی وہ احادیث صادق آتی ہیں جو ہم نے ابھی بیان کی۔ جن میں سے رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان بھی ہے کہ جو میری بیان کردہ بات کی کسی قدر تفصیل کرتا ہے: ((قال: لا اله الا الله، نفعته يوم ما من دهره .)) ❶ ”جس نے لا الہ الا اللہ کہا، وہ اسے کبھی نہ کبھی ضرور فائدہ پہنچائے گا۔“

❶ حدیث صحیح: صحیحہ الابانی فی السلسلۃ الصحیحۃ ۱۹۳۲ وعزاه لابی سعید الاعرابی فی معجمہ وابی نعیم فی الحلیۃ ۵/۴۶ والطبرانی فی الاوسط ۶۴۳۳ وهو من حدیث ابی ہریرۃ ؓ.

یعنی یہ کلمہ طیبہ اس کی معنی کی معرفت حاصل کر لینے کے بعد جہنم میں ہمیشہ رہنے سے نجات کا سبب ہے۔ اسے میں اسے لیے دوہراتا ہوں تاکہ یہ بات اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے۔ (یہ کلمہ نجات کا سبب بنے گا) اگر اس کا قائل جس بات کا یہ کلمہ متقاضی ہے انہیں بروئے کار لایا اور جو شرائط ایمان اس سے لازم آتی ہیں اعمال قلبیہ ہوں یا ظاہری اعمال کے انہیں بجا لایا۔ ① اگرچہ اس کا قائل اس کے کمال کے تقاضوں جیسے عمل صالح اور برائیوں سے اجتناب پر کاربند نہ بھی ہو سکا ہو لیکن شرک اکبر سے محفوظ رہا، تو وہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تحت ہے، ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے گناہوں کے ارتکاب یا بعض واجبات کی ادائیگی میں کوتاہی کے مشیت کے تحت ہے، ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے گناہوں کے ارتکاب یا بعض واجبات کی ادائیگی میں کوتاہی کے سبب جہنم میں داخل ہو، پھر اسے یہ کلمہ طیبہ نجات دلائے یا اللہ تعالیٰ اس سے اپنے فضل و کرم سے درگزر فرمادے۔ ② یہ معنی ہے نبی اکرم ﷺ کی اس حدیث کا جس کا ذکر پہلے گذر چکا ہے: ((من قال: لا الہ الا اللہ، نفعته یوما من دھرہ)) ”جس نے لا الہ الا اللہ کہا، وہ اسے کبھی نہ کبھی ضرور فائدہ پہنچائے گا۔“ البتہ جو محض زبان سے اسے ادا کرے مگر اس کا معنی نہ سمجھتا ہو یا پھر معنی تو سمجھتا ہو مگر اس معنی پر ایمان نہ رکھتا ہو تو ایسے کو اس کا ”لا الہ الا اللہ“ کہنا کوئی فائدہ نہیں پہنچائے گا۔ اس نزدیک کی دنیاوی زندگی میں اگر وہ حکومت اسلامی کے تحت جی رہا ہے تو اسے یہ فائدہ پہنچا سکتا ہے لیکن بعد میں آنے والی ہمیشہ کی زندگی میں تو کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔

اسی لیے ضروری ہے کہ توحید کی جانب دعوت پر توجہ کو مرکوز رکھا جائے خواہ مسلمانوں کا کوئی بھی مجتمع یا گروہ ہو جو حقیقتاً اور جلد از جلد یہ چاہتا ہے جیسا کہ تمام جماعتیں دعویٰ کرتی ہیں کہ ایسی سرزمین پر جہاں اللہ تعالیٰ کا شرعی نظام قائم نہیں وہاں ایسے اسلامی معاشرے اور اسلامی ریاست کا قیام جہاں اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق فیصلے ہوں۔ یہ جماعتیں یا یہ

① جیسا کہ بعض علمائے کرام کا اجتہاد ہے جس کی کچھ تفصیل ہے جس کا یہ موقع محل نہیں۔

② یہی وہ عقیدہ سلف صالحین ہے جو حد فاضل ہے ہمارے اور خوارج و مرجہ کے درمیان۔

تنظیمیں ممکن نہیں کہ اس غایت کو پاسکیں جسے حاصل کرنے کے لیے یہ سب جمع ہیں اور اسے جلد از جلد حقیقت کا روپ دینے کے لیے کوشاں ہیں الا یہ کہ وہ اس چیز سے ابتداء کریں کہ جس سے رسول اللہ ﷺ نے ابتداء فرمائی تھی۔

عقیدہ کا اہتمام کرنے کے وجوب کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ باقی شرعی

عبادات، سلوک، معاملات اور اخلاق سے لاپرواہی برتی جائے

میں اس بات پر دوبارہ تنبیہ کروں گا کہ میرا یہ کہنا کہ ”سب سے اہم ترین چیز سے شروع کیا جائے پھر جو اس کے بعد اہم ہو پھر جو اس سے کم تر۔“ سے مراد یہ نہیں کہ داعیان اپنی دعوت کو محض اس کلمہ طیبہ اور اس کے معنی کے فہم تک محصور کر دیں جبکہ اللہ تعالیٰ نے تو اس نعمت کو اپنا دین مکمل کر کے تمام کر دیا ہے بلکہ ان داعیان کو چاہیے کہ اسلام کو بطور ایک ایسی اکائی کے لیں جو ٹکڑے ٹکڑے نہیں ہوتی۔ میرے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ حقیقتاً جو داعیان اسلام ہیں انہیں چاہیے کہ اس چیز کا اہتمام خاص کریں جو سب سے اہم ترین چیز اسلام لے کر آیا ہے یعنی مسلمانوں کو صحیح عقیدے کا فہم دینا جو کلمہ طیبہ ”لا الہ الا اللہ“ سے ماخوذ ہوتا ہے۔ اس خلاصے کے بعد میں آپ کی توجہ اس جانب مبذول کروانا چاہوں گا کہ ایک مسلمان ”لا الہ الا اللہ“ کا معنی فقط یہ نہ سمجھے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی حقیقی معبود موجود نہیں بلکہ اس سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ وہ ان عبادات کو سمجھیں جن کے ذریعہ ہم اپنے رب کی عبادت کر سکیں اور اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے کسی بندے کیلئے ان عبادتوں کو ادا نہ کریں۔ لازم ہے کہ اس تفصیل کا بیان بھی کلمہ طیبہ کے اس کے اس مختصر معنی کے ساتھ منسلک ہو۔ بہتر ہوگا کہ اس بارے میں جس قدر مناسب ہو میں ایک یا اس سے زیادہ مثالیں بیان کروں گا، کیونکہ اجمالی بیان کافی نہیں۔

میں یہ کہتا ہوں: بلاشبہ بہت سے مسلمانوں جو حقیقی موحدین ہیں اور عبادتوں میں سے کوئی بھی عبادت غیر اللہ کے لیے ادا تو نہیں کرتے لیکن ان کا ذہن بھی خالی ہوتا ہے، بہت

سے ایسے صحیح افکار و عقائد سے جن کا ذکر کتاب و سنت میں موجود ہے۔ پس ان موحدین میں سے بہت سے کئی آیات قرآنی اور بعض احادیث مبارکہ پر سے گزر جاتے ہیں جو کسی عقیدے پر مشتمل ہوتی ہیں مگر وہ اس عقیدے سے غیر متنبہ ہوئے اس پر سے گذرتے ہیں حالانکہ یہ اللہ تعالیٰ پر ایمان کے اتمام میں سے ہے۔ آپ لے لیں مثلاً یہ عقیدہ کہ اللہ تعالیٰ کی اپنی مخلوق پر علو و بلندی پر ایمان لانا۔ میں یہ بات تجربہ سے جانتا ہوں کہ ہمارے بہت سے موحدین سلفی بھائی ہمارے ساتھ یہ کہتے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہے اور بنا تاویل و تکیف کے اس کا اعتقاد رکھتے ہیں۔ لیکن جب ان کے پاس موجودہ دور کے معتزلی یا موجودہ دور کے جہمی یا ماتریدی یا اشعری آکر اس آیت کے ظاہر کو بنیاد بنا کر کوئی شبہ ان کے دلوں میں ڈالتے ہیں جس کا معنی نہ خود و سوسہ گر جانتا ہے اور نہ ہی وسوسے کا شکار، تو وہ اپنے عقیدے کے بارے میں حیران و پریشان ہو جاتا ہے اور اس سے بہت دور کی گمراہی میں جا پڑتا ہے، کیوں؟ کیونکہ اس نے صحیح عقیدے کو جس کا بیان و وضاحت ہمارے رب کی کتاب اور ہمارے نبی محمد ﷺ کی حدیث میں پیش کیا گیا ہے تمام جوانب سے اچھی طرح حاصل نہیں کیا۔ پس جب موجودہ دور کا کوئی معتزلی یہ کہتا ہے: اللہ تعالیٰ تو یہ فرماتے ہیں:

﴿أَمِنْتُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ﴾ (الملك: ۱۶) ”کیا تم اس ذات سے بے خوف ہو گئے ہو جو آسمان پر ہے۔“ اور تم لوگ یہ کہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ آسمان میں ہے اس کا مطلب تو یہ ہے کہ تم نے اپنے معبود کو ایک مکان و جہت یعنی آسمان جو اسی کی مخلوق ہے میں متعین کر دیا: چنانچہ وہ یہ شبہ اپنے مخاطب کے دل میں ڈالتا ہے۔

بہت سے لوگوں کے ذہنوں میں

صحیح عقیدے اور اس کے لوازم کا واضح نہ ہونا

اس مثال سے میری مراد یہ بیان کرنا تھا کہ افسوس کی بات ہے عقیدہ توحید اپنے تمام تر لوازم اور مطالبات کے ساتھ بہت سے ان لوگوں تک کے ذہنوں میں واضح نہیں جو خود سلفی

عقیدے پر ایمان لائے ہیں، ان لوگوں کی تو دور کی بات رہی جو اس قسم کے مسائل میں اشاعرہ، ماتریدیہ اور جہمیہ کے عقائد کی پیروی کرتے ہیں۔ میں نے یہ مثال اس لیے پیش کی کیونکہ یہ مسئلہ اتنا آسان نہیں جیسا کہ آج کچھ داعیان جو قرآن و سنت کی جانب دعوت میں ہمارے ہمنا ہیں تصور کرتے ہیں، یہ معاملہ اس لیے اتنا سہل نہیں جیسا کہ ان میں سے بعض دعویٰ کرتے ہیں کیونکہ اس کا سبب وہی فرق ہے جو پہلے بیان ہوا اولین جاہلیت کے مشرکین (جنہیں جب دعوت دی جاتی کہ وہ ”لا الہ الا اللہ“ کہیں تو وہ انکار کرتے کیونکہ وہ اس کلمہ طیبہ کا معنی جانتے تھے) اور موجودہ دور کے اکثر مسلمانوں میں کہ جب یہ کلمہ پڑھتے ہیں تو اس کا صحیح معنی نہیں جانتے۔ یہی وہ بنیادی فرق ہے جو اللہ تعالیٰ کی بلندی کے عقیدے کے بارے میں بھی اب پایا جاتا ہے، یہ بھی وضاحت کا متقاضی ہے اور یہی کافی نہیں کہ ایک مسلمان یہ عقیدہ رکھے۔ ﴿الرَّحْمَنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰی﴾ (طہ: ۵) ”وہ رحمن ہے جو عرش پر مستوی ہوا۔“ ((ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السماء))

”جو زمین میں ہیں ان پر مہربانی کرو جو آسمان پر ہے وہ تم پر رحم فرمائے گا۔“ بنایا جانے کہ کلمہ (فی) ”میں“ جو اس حدیث میں بیان ہوا ظریف نہیں، اس کی مثال اس (فی) کی سی ہے جو اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں وارد ہوا ﴿اٰمَنَّا بِمَنْ فِی السَّمَاءِ...﴾ (الملک: ۱۶)

”کیا تم اس ذات سے بے خوف ہو گئے ہو جو آسمان پر ہے۔“ کیونکہ ”فی“ یہاں بمعنی ”علی“ (پر/ کے اوپر) ہے اور اس کی بہت سی دلیلیں موجود ہیں۔ جن میں سے سابقہ حدیث جو لوگوں کی زبان زد عام ہے اور یہ اپنے مجموعی طرق کے اعتبار سے الحمد للہ صحیح حدیث ہے، نبی اکرم ﷺ کے اس قول: ((ارحموا من فی الارض)) ”جو زمین میں ہیں ان پر رحم کرو۔“ سے حشرات الارض یا کیچڑے مراد نہیں جو زمین کے اندر ہوتے ہیں بلکہ اس سے مراد جو ((علی الارض)) زمین پر انسان و حیوان ہیں۔ اور یہ رسول اللہ ﷺ کے اس قول کے مطابق ہے: ((یرحمکم من فی السماء)) ”جو آسمان (پر) ہے۔“ یعنی:

((علی السما)) ”آسمان پر ہے۔“ چنانچہ دعوت حق کو قبول کرنے والوں کے لیے اس قسم کی تفصیل جاننا ضروری ہے تاکہ وہ مکمل طور پر دلیل پر قائم ہوں۔ سمجھنے میں اور زیادہ قریب اس لونڈی کے متعلق مشہور و معروف حدیث ہے جو بکریاں چرایا کرتی تھی، میں صرف اس حدیث میں سے شاہد بیان کروں گا جب رسول اللہ ﷺ نے اس سے دریافت فرمایا: ((این اللہ؟)) ”اللہ تعالیٰ کہاں ہے؟“ تو اس نے جواب دیا: ((فی السماء)) ①

”آسمان میں یعنی پر ہے۔“ اگر آج آپ جامعہ ازہر کے بڑے مشائخ سے پوچھیں مثلاً اللہ تعالیٰ کہاں ہے؟ تو وہ آپ کو جواب دیں گے: ہر جگہ! جبکہ اس لونڈی تک نے یہ جواب دیا تھا کہ اللہ تعالیٰ آسمان پر ہے اور نبی کریم ﷺ نے اس کی تصدیق فرمائی تھی، کیوں؟ کیونکہ اس نے فطرت کے مطابق جواب دیا۔ وہ ایسے ماحول میں رہتی تھی جسے ممکن ہے کہ ہم اپنی آج کل کی تعبیر کے مطابق ”سلفی ماحول“ کہہ سکتے ہیں، جس میں عام تعبیر کے مطابق کوئی برا ماحول اثر انداز نہیں ہوا تھا کیونکہ وہ جیسا کہ آج کل کہا جاتا ہے مدرسہ رسول ﷺ سے فارغ شدہ تھی۔ یہ مدرسہ بعض مردوں اور عورتوں کے لیے خاص نہیں تھا بلکہ یہ تمام لوگوں میں عام تھا جو مردوں اور عورتوں کو متضمن تھا اور اپنے تکمیل پر پورے معاشرے کے لیے عام ہوتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ بکریاں چرانے والی لونڈی یہ جانتی تھی کیونکہ کسی خراب ماحول کا اس پر اثر نہ ہوا تھا، وہ کتاب و سنت میں موجود اس صحیح عقیدے کو جانتی تھی جو آج بہت سے کتاب و سنت کے علم کے دعویداروں کو نہیں معلوم۔ وہ جانتے ہی نہیں کہ ان کا رب کہاں ہے! حالانکہ یہ کتاب و سنت میں مذکور ہے۔ میں کہتا ہوں کہ آج اس بیان اور وضاحت میں سے کوئی چیز مسلمانوں کے درمیان موجود نہیں اگر آپ آج بکریوں کی نگہبانی کرنے والی سے نہیں بلکہ امت اور جماعتوں کی نگہبانی کرنے والوں سے پوچھیں تو وہ اس کا جواب دینے کے بارے میں حیران و پریشان ہوں گے جیسا کہ آج بہت سے لوگ اس کا جواب دینے میں حیران

① حدیث صحیح: رواہ مسلم ۵۳۷، وابوداؤد ۹۳۰، والنسائی ۱۳/۱، من حدیث معاویہ بن الحکم السلمي ۷۷۷.

پریشان ہوتے ہیں سوائے جس پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے۔

صحیح عقیدے کی جانب دعوت عظیم جہد مسلسل کی متقاضی ہے

لہذا توحید کی جانب دعوت اور اسے لوگوں کے دلوں میں راسخ کرنا ہم سے اس بات کا متقاضی ہے کہ ہم آیات پر سے بنا تفصیل سے نہ گذر جائیں جیسا کہ عہد اول میں تھا کیونکہ اولاً تو وہ عربی عبارات کو بآسانی سمجھ لیتے تھے اور ثانیاً وہ اس چیز پر قائم تھے جو صحیح عقیدے کے ہرگز مخالف نہ تھی کیونکہ ان کے یہاں عقیدے کا وہ انحراف و ٹیڑھ پن نہ تھا جو فلسفہ اور علم الکلام کی پیداوار ہے۔ پس ہماری موجودہ صورتحال بالکل مختلف ہے اس سے جو اول دور کے مسلمانوں کی تھی۔ اسی لیے ہم اس وہم میں مبتلا نہ ہوں کہ آج صحیح عقیدے کی جانب دعوت دینا اتنا آسان ہے جیسا کہ عہد اول میں تھا، اس پر مزید روشنی میں ایسی مثال کے ذریعہ ڈالتا ہوں جس کے بارے میں کوئی دورائے نہ ہوگی۔ ان شاء اللہ

ان کے دور میں جو آسانی معروف تھی وہ یہ کہ ایک صحابی رسول (ﷺ) سے براہ راست ایک حدیث سنتا پھر ایک تابعی وہ حدیث ایک صحابی سے براہ راست سنتا..... اور اسی طرح ہم ان تین زمانوں یا نسلوں تک چلتے ہیں جن کے راہ راست پر ہونے کی گواہی دی گئی ہے اور ہم پوچھتے ہیں: کیا ان کے یہاں کوئی چیز علم حدیث کے نام سے تھی؟ جواب: نہیں، کیا ان کے یہاں کوئی چیز جرح و تعدیل کے نام سے موجود تھی؟ جواب: نہیں جبکہ آج یہ دونوں علوم ایک طالب علم کے لیے لازم ہیں اور یہ فرض کفایہ میں سے ہے اور یہ اس لیے کہ آج ایک عالم حدیث کی معرفت حاصل کر سکے کہ آیا صحیح یا ضعیف پس یہ کام اتنا آسان و سہل شمار نہیں جاسکتا جیسا کہ ایک صحابی کے لیے تھا کیونکہ ایک صحابی حدیث کو دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم سے حاصل کیا کرتا تھا جن کا تزیہ اللہ تعالیٰ کی ان کے بارے میں گواہی تھی، جو ان دنوں میں آسان تھا وہ آج آسان نہیں کیونکہ ان کے یہاں صاف ستھرا علم تھا اور علم حاصل کرنے کے مصادر ثقہ تھے۔ اسی لیے اس بات کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس کا اہتمام کرنا اسی طرح ضروری ہے جیسا کہ

مسلمان ہونے کے ناطے سے آج ہمیں بہت سے ان مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے جن کا سامنا اولین مسلمانوں کو نہیں کرنا پڑا تھا کیونکہ ہمارے یہاں مختلف ناموں کے تحت صحیح عقیدے اور منہج حق سے منحرف اہل بدعت کے اشکالات اور شبہات کے سبب عقیدے کا بہت بگاڑ موجود ہے۔ ان مختلف ناموں یا دعوتوں میں سے یہ بھی ہے کہ ہم صرف کتاب و سنت کی طرف دعوت دیتے ہیں، جیسا کہ علم الکلام کی جانب منسوب لوگ یہ زعم رکھتے اور دعویٰ کرتے ہیں۔ ہمارے لیے یہاں بہتر رہے گا کہ ہم اس بارے میں آئی کچھ صحیح احادیث ذکر کریں، جن میں سے یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے جب ان احادیث میں سے بعض میں غرباء (معاشرے میں اجنبی لوگوں) کا ذکر فرمایا، تو یہ فرمایا: ((للسواحد منهم خمسون من الاجر))، قالوا: من ایا رسول اللہ او منهم؟ قال: "منکم"..... (("ان میں سے ایک شخص کا ثواب پچاس کے ثواب کے برابر ہوگا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ پچاس ان میں سے یا ہم میں سے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "تم میں سے۔" لہذا یہ نتیجہ ہے آج اسلام میں اس شدید غربت (اجنبیت) کا جو دور اول میں نہ تھی، بلا شبہ دور اول میں اجنبیت صریح شرک اور ہر شبہ سے خالی خالص توحید کے درمیان تھی، کھلم کھلا کفر اور ایمان صداق کے درمیان تھی جبکہ آج خود مسلمانوں کے اندر ہی مشکلات پائی جاتی ہیں کہ ان میں سے اکثر کی توحید ہی ملاوٹوں سے اٹی ہوئی ہے، یہ اپنی عبادات غیر اللہ کے لیے ادا کرتے ہیں پھر بھی دعویٰ ایمان کا ہے۔ اولاً اس مسئلے پر متنبہ ہونا ضروری ہے، ثانیاً یہ جائز نہیں کہ بعض لوگ یہ کہیں کہ ہمارے لیے لازم ہے کہ ہم اب توحید کے مرحلے سے آگے نکل کر دوسرے مرحلے میں منتقل ہو جائیں یعنی سیاسی عمل کا مرحلہ! کیونکہ اسلام کی دعوت سب سے پہلے دعوت حق ہے، جائز نہیں کہ ہم یہ کہیں ہم عرب ہیں اور قرآن مجید ہماری زبان میں نازل

① حدیث صحیح: رواہ الطبرانی فی الکبیر ۱۰/۲۵۵، رقم: ۱۰۳۹۴، من حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہما ولہ شاهد من حدیث عقبہ بن غزوٰان الصحابی رضی اللہ عنہ رواہ البزار کما فی الزوائد ۲۸۲/۷ ولہ شاهد آخر من حدیث ابی ثعلبہ الخشنی رضی اللہ عنہ رواہ ابوداؤد ۴۳۴۱ وصححه الالبانی فی الصحیحۃ ۴۹۴.

ہوا ہے حالانکہ یاد رکھیں کہ آج کے عربوں کا معاملہ عربی زبان سے دوری کے سبب ان عجمیوں سے بالکل برعکس ہو گیا ہے جو عربی سیکھتے ہیں، پس اس بات نے انہیں ان کے رب کی کتاب اور ان کے نبی ﷺ کی سنت سے دور کر دیا۔ بالفرض ہم عربوں نے صحیح طور پر اسلام کا فہم حاصل اگر کر بھی لیا ہے تب بھی ہم پر واجب نہیں کہ ہم سیاسی عمل میں حصہ لینا شروع کر دیں اور لوگوں کو سیاسی تحریکوں سے وابستہ کریں اور انہیں جس چیز میں مشغول ہونا چاہیے یعنی اسلام کے عقیدے، عبادت، معاملات اور سلوک کا فہم حاصل کرنا سے ہٹا کر سیاست میں مشغول رکھیں۔ مجھے نہیں یقین کے کہیں ایسے لاکھوں کی تعداد میں لوگ ہوں جنہوں نے اسلام کا صحیح فہم یعنی عقیدے، عبادت اور سلوک میں حاصل کیا اور ہوا سی پر تربیت پائی ہو۔

تبدیلی یا انقلاب کی بنیاد منہج تصفیہ و تربیہ

اسی وجہ سے ہم ہمیشہ یہ کہتے چلے آئے ہیں اور انہی دو اساسی نقطوں پر جو تبدیلی و انقلاب کا قاعدہ ہیں پر ہمیشہ توجہ مرکوز رکھتے ہیں اور وہ دو نقاط تصفیہ (دین کو غلط باتوں سے پاک کرنا) اور تربیہ (اس پاک شدہ دین پر لوگوں کی تربیت کرنا) ہیں۔ ان دونوں امور کو یکجا کرنا ضروری ہے تصفیہ اور تربیہ کیونکہ اگر کسی ملک میں کسی طرح کا تصفیہ کا عمل ہوا جو کہ عقیدے میں ہے تو یہ اپنی حد تک واقعی ایک بہت بڑا اور عظیم کارنامہ ہے جو اتنے بڑے اسلامی معاشرے کے ایک حصہ میں رونما ہوا، لیکن جہاں تک عبادت کا معاملہ ہے تو اسے بھی مذہبی تنگ نظری سے پاک کر کے سنت صحیحہ کی جانب رجوع کا عمل ہونا چاہیے۔ ایسے بڑے جید علمائے کرام ہو سکتا ہے موجود ہوں جو اسلام کا ہر زوایے سے صحیح فہم رکھتے ہوں مگر میں یہ یقین نہیں رکھتا کہ ایک فرد یا دو، تین یا دس بیس افراد اس تصفیہ کے واجب کو ادا کر پائیں۔ تصفیہ کرنا (پاک کرنا) اسلام کو ہر اس چیز سے جو اس میں در آئی ہے خواہ وہ عقیدے میں ہو یا عبادت و سلوک میں۔ محض کچھ افراد کی یہ استطاعت نہیں کہ وہ اسلام سے جڑی ہر غلط چیز کا تصفیہ کر کے اور اپنے ارد گرد کے لوگوں کی اس پر صحیح و سلیم تربیت کر کے سرفراز ہو سکیں۔ اسی لیے تصفیہ و تربیہ کا عمل آج مفقود ہے۔

اسی لیے ان دو اہم باتوں و نقاط کو متحقق کرنے سے پہلے کسی بھی اسلامی معاشرے میں جہاں شریعت کا نفاذ نہ ہو وہاں کسی سیاسی تحریک میں حصہ لینا بڑے اثرات مرتب کرنے کا پیش خیمہ ہوگا۔ ہاں! نصیحت و خیر خواہی کرنا سیاسی تحریک کی جگہ لے سکتا ہے کسی بھی ایسے ملک میں جہاں شریعت کی تحکیم ہو (خفیہ) مشورہ دینے کے ذریعہ یا پھر الزامی و تشہیری زبان استعمال کرنے سے پرہیز کرتے ہوئے شرعی ضوابط کے تحت بطور احسن ظاہر کرنے کے ذریعہ، پس حق بات کو پہنچا دینا حجت کو تمام کرتا ہے اور پہنچا دینے والے کو بری الذمہ کرتا ہے۔

نصیحت و خیر خواہی میں سے یہ بھی ہے کہ ہم لوگوں کو اس چیز میں مشغول کریں جو انہیں فائدہ پہنچائے جیسے عقائد، عبادت، سلوک اور معاملات کی تصحیح، ہو سکتا ہے بعض لوگ یہ گمان کرتے ہوں کہ ہم تصفیہ و تربیہ کو تمام کے تمام اسلامی معاشروں میں نافذ ہو جانے کی امید رکھتے ہیں! ہم تو یہ بات نہ سوچتے ہیں اور نہ ہی ایسی خام خیالی میں مبتلا ہیں کیونکہ ایسا ہو جانا تو محال ہے اس لیے بھی کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں یہ ارشاد فرمایا ہے کہ:

﴿وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَا يَزَالُونَ مُخْتَلِفِينَ ۝﴾ (ہود: ۱۱۸)

”اگر آپ کا رب چاہتا تو تمام انسانوں کو ایک ہی امت بنا دیتا مگر یہ لوگ ہمیشہ اختلافات میں ہی رہیں گے۔“

البتہ ان لوگوں پر ہمارے رب تعالیٰ کا یہ فرمان لاگو نہیں ہوگا اگر یہ اسلام کا صحیح فہم حاصل کریں اور اس صحیح اسلام پر خود اپنی، اپنے اہل و عیال اور گرد و نواح کے لوگوں کی تربیت کریں۔

سیاسی عمل میں کون حصہ لے، اور کب؟

آج کل سیاسی عمل یا سرگرمی میں حصہ لینا ایک مشغلہ بن گیا ہے حالانکہ ہم اس کے منکر نہیں مگر ہم بیک وقت ایک شرعی و منطقی تسلسل یہ ایمان رکھتے ہیں کہ ہم تصحیح و تربیت کے اعتبار سے عقیدے سے شروع کریں، پھر عبادت پھر سلوک پھر اس کے بعد ایک دن آئے گا جب ہم سیاسی مرحلے میں داخل ہوں گے مگر اس کے شرعی مفہوم کے مطابق کیونکہ سیاست کا معنی

ہے: امت کے معاملات کا انتظام کرنا انہیں چلانا، پس امت کے معاملات کون چلاتا ہے؟ نہ زید، نہ بکر، نہ عمرو اور نہ ہی وہ جو کسی پارٹی کی بنیاد رکھے یا کسی تحریک کی سربراہی کرتا ہو یا کسی جماعت کو چلاتا ہو۔ یہ معاملہ تو خاص ولی امر (حکمران) سے تعلق رکھتا ہے، جس کی مسلمانوں نے بیعت کی ہے۔ یہی ہے وہ جس پر واجب ہے کہ وہ موجودہ سیاسی حالات اور ان سے نمٹنے کی معرفت حاصل کرے لیکن اگر مسلمان متحد نہ ہوں جیسا کہ ہماری موجودہ حالت ہے تو ہر حاکم اپنی سلطنت کی حدود میں ذمہ دار ہے لیکن اگر ہم اپنے آپ کو ان امور میں مشغول رکھیں جن کے بارے میں بالفرض ہم مان بھی لیں کہ ہمیں اس کی کما حقہ معرفت حاصل کہو گئی ہے تب بھی ہمیں یہ معرفت کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتی، کیونکہ ہمارے لیے اسے نافذ کرنے کا امکان ہی نہیں کیونکہ ہم امت کے امور چلانے کے بارے میں فیصلوں کا اختیار ہی نہیں رکھتے۔ تو محض یہ معرفت بیکار ہے جس کا کوئی فائدہ ہی نہیں۔ میں آپ کو ایک مثال بیان کرتا ہوں وہ جنگیں جو مسلمانوں کے خلاف بہت سے اسلامی ممالک میں پھیلی ہیں، کیا اس بات کا کوئی فائدہ ہے کہ ہم مسلمانوں کے جذبات ابھاریں اور انہیں اس جانب براہیختہ کریں جبکہ ہم اس جہاد کا کوئی اختیار ہی نہیں رکھتے جس کا انتظام ایک ایسے مسول امام کے ذمہ ہے جس کی بیعت ہو چکی ہو؟ اس عمل کا کوئی فائدہ نہیں۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ یہ واجب نہیں۔ لیکن ہم صرف یہ کہہ رہے ہیں کہ یہ کام اپنے مقررہ وقت سے پہلے ہے۔ اسی لیے ہم پر واجب ہے کہ ہم آپ کو اور دوسروں کو جنہیں ہم اپنی دعوت پہنچا رہے ہیں اس بات میں مشغول رکھیں کہ وہ صحیح اسلام کا فہم حاصل کر کے اس پر صحیح تربیت حاصل کریں لیکن اگر ہم محض انہیں جذباتی اور دلولہ انگیز باتوں میں مشغول رکھیں گے تو یہ انہیں اس بات سے پھیر دیں گی کہ وہ اس دعوت کے فہم میں مضبوطی حاصل کر پائے جو ہر مکلف مسلمان پر واجب ہے جیسے عقائد، عبادت اور سلوک کی تصحیح یہ ان فرائض عینہ میں سے ہے جس میں تقصیر کا عذر قابل قبول نہیں جبکہ جو دوسرے امور ہیں ان میں سے تو بعض فرض کفایہ ہیں جیسا کہ آج کل جو کہا جاتا ہے ”فقہ الواقع“ (حالات حاضرہ کا علم) اور سیاسی سرگرمیوں میں حصہ لینا جو کہ ان لوگوں کی

ذمہ داری ہے جو اہل حل و عقد ہیں، جن کے لیے یہ ممکن بھی ہے کہ اس معرفت سے وہ عملی استفادہ حاصل کر پائیں۔ جہاں تک معاملہ ہے ان لوگوں کا جن کے ہاتھ میں نہ حل ہے نہ ہی عقد اور وہ لوگوں کو ان باتوں میں مشغول کر رہے ہیں جو اہم تو ہیں مگر اہم ترین نہیں، تو یہ بات انہیں صحیح معرفت سے دور لے جاتی ہے۔ یہ بات تو ہم آج بہت سے اسلامی گروپوں اور جماعتوں کے مناہج میں باقاعدہ ہاتھوں سے چھو کر محسوس کر سکتے ہیں کہ ہم جانتے ہیں کہ بعض ایسے داعیان جو نو جوانوں کو جوان کے گرد اس لیے جمع ہوتے ہیں کہ وہ انہیں صحیح عقیدہ، عبادت اور سلوک کی تعلیم دیں اور سمجھائیں تو وہ انہیں اس سے پھیر دیتے ہیں۔ پھر اس کے بعد یہ داعیان سیاسی سرگرمیوں میں حصہ لیتے ہیں اور ان پارلیمنٹ میں داخل ہونے کی کوشش کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی شریعت کے خلاف فیصلے کرتی ہے پس وہ انہیں اس اہم ترین چیز سے پھیر دیتے ہیں اس چیز کی طرف جو ان موجودہ حالات میں اہم نہیں ہے۔

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے جو سوال میں پوچھی گئی تھی کہ کیسے ایک مسلمان ان پرالم حالات میں اپنا کردار ادا کر کے بری الذمہ ہو سکتا ہے تو ہم کہتے ہیں: ہر مسلمان اپنی استطاعت کے مطابق کام کرے، ان میں سے ایک عالم کی جو ذمہ داری ہے وہ غیر عالم کی نہیں جیسا کہ میں اس قسم کی مناسبت میں بیان کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمت اپنی کتاب کے ذریعہ مکمل فرمادی ہے اور اسے مسلمانوں کے لیے ایک دستور بنا دیا ہے۔ اسی دستور میں سے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی ہے کہ:

﴿فَسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ﴾ (الانبیاء: ۷)

”اہل ذکر (علمائے کرام) سے سوال کرو اگر تمہیں علم نہ ہو۔“

اللہ تعالیٰ نے اسلامی معاشرے کو دو اقسام میں تقسیم فرمایا ایک عالم اور دوسرے غیر عالم اور ان میں سے ہر ایک پر وہ واجب قرار دیا جو دوسرے پر واجب نہیں، پس جو علماء نہیں ان پر واجب ہے کہ وہ اہل علم سے دریافت کریں اور علمائے کرام پر یہ واجب ہے کہ وہ جس چیز کی بابت دریافت کیا جا رہا ہے اس کا جواب دیں، اسی طریقہ پر شخصیات مختلف ہونے پر واجبات

بھی مختلف ہوتے ہیں۔ چنانچہ آج کے اس دور میں ایک عالم پر واجب ہے کہ وہ بقدر استطاعت حق بات کی جانب دعوت دے اور جو عالم نہیں ہے اسے چاہیے کہ جو بات اس سے یا اس کے زیر کفالت لوگوں جیسے بیوی بچے وغیرہ سے تعلق رکھتی ہے اس کا سوال علمائے کرام سے کرے۔ اگر مسلمانوں کے یہ دونوں فریق اپنی استطاعت بھر ذمہ داری نبھاتے رہیں تو یقیناً نجات پا جائیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿لَا يَكْلِفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا﴾ (البقرة: ۲۸۶)

”اللہ تعالیٰ کسی جان کو اس کی طاقت سے زیادہ کا مکلف نہیں کرتا۔“

ہم صد افسوس مسلمانوں کے ایسے پرالم دور سے گزر رہے ہیں جس کی تاریخ میں مثال نہیں ملتی، یہ کہ کفار چاروں طرف سے مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے ہیں، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک صحیح و معروف حدیث میں اس کی خبر دی کہ: ((تداعى عليكم الامم كما تداعى الاكلة الى قصعتها، قالوا: امن قلة نحن يومئذ يا رسول الله؟ قال: ”لا اتم يومئذ كثير، ولكنكم غثاء كغثاء السبيل، ولينزعن الله الرهبة من صدور عدوكم لكم، وليقذفن في قلوبكم الوهن“، قالوا: وما الوهن يا رسول الله؟ قال: ”حب الدنيا وكرهية الموت“)) ❶ ”تم پر چاروں طرف سے قومیں ٹوٹ پڑیں گی جیسا کہ کھانے والے ایک دوسرے کو پلیٹ کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ کیا اس زمانے میں ہماری قلت تعداد کی بنا پر وہ ایسا کریں گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”نہیں، تم اس زمانے میں بہت کثیر تعداد میں ہو گے لیکن تمہاری حیثیت سیلابی ریلے میں بہہ جانے والے خس و خاشاک کی سی ہوگی، اللہ تعالیٰ تمہارا رعب و ہیبت کافروں کے دلوں سے نکال دے گا۔ اور تمہارے دلوں میں ”وہن“ ڈال دے گا انہوں نے دریافت کیا: یا رسول اللہ ﷺ یہ ”وہن“ کیا ہے؟

❶ حدیث صحیح: رواہ ابو داؤد ۴۲۹۷، و احمد ۵/۲۸۷، من حدیث ثوبان رحمہ اللہ و صححہ بطریقہ

آپ ﷺ نے فرمایا: دنیا کی محبت اور موت سے کراہیت۔“

پس علمائے کرام پر جو واجب ہے وہ تصفیہ و تربیہ کا جہاد کریں، وہ اس طرح کے مسلمانوں کو صحیح توحید، صحیح عقائد، عبادت اور سلوک کی تعلیم دیں۔ ہر کوئی اپنی طاقت بھر اپنے اس ملک میں جس میں وہ رہتا ہے۔ کیونکہ اپنی اس موجودہ حالت میں کہ وہ متفرق ہیں، نہ ہمیں کوئی ایک ملک جمع کر سکتا ہے اور نہ ہی کوئی ایک صف، اس حالت میں ہم یہودیوں کے خلاف جہاد کی استطاعت نہیں رکھتے۔ ان دشمنوں کے خلاف جو چاروں طرف سے ہم پر یلغار کر رہے ہیں اس قسم کے جہاد کی استطاعت نہیں رکھتے لیکن ان پر واجب ہے کہ ہر اس قسم کا شرعی وسیلہ اختیار کریں جو ان کے بس میں ہو، کیونکہ ہمارے پاس مادی قوت تو نہیں ہے اور اگر ہو بھی، تو ہم عملی اعتبار سے متحرک نہیں ہو سکتے کیونکہ نہایت افسوس کی بات ہے کہ بہت سے اسلامی ممالک میں ایسی حکومتیں، قیادتیں اور حکام ہیں جن کی سیاسیات شرعی سیاست پر مبنی نہیں لیکن باذن اللہ ہم ان دو عظیم امور پر کام کرنے کی استطاعت ضرور رکھتے ہیں جو میں نے ابھی بیان کیے۔ پس جب مسلمان داعیان اس اہم ترین واجب کو لے کر کھڑے ہوں گے ایسے ملک میں جہاں کی سیاست شرعی سیاست کے موافق اور اس پر مبنی نہیں اور اس اساس پر وہ سب جمع ہو جائیں گے، تو میں یہ یقین رکھتا ہوں کہ اس دن ان پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان صادق آئے گا۔

﴿وَيَوْمَئِذٍ يَفْرَحُ الْمُؤْمِنُونَ ۝ بَنَصْرِ اللَّهِ﴾ (الروم: ۴-۵)

”اس دن مومنین خوشیاں منائیں گے اللہ تعالیٰ کی نصرت پر۔“

ہر مسلمان پر واجب ہے کہ وہ حکم الہی اپنی زندگی کے تمام شعبوں پر

حسب استطاعت نافذ کرے

چنانچہ ہر مسلمان پر واجب ہے کہ وہ بقدر استطاعت کام کرے، اللہ تعالیٰ کسی جان کو اس کی طاقت سے زیادہ کا مکلف نہیں بناتا۔ صحیح توحید اور صحیح عبادت کے قیام سے لازم نہیں

کہ کسی ایسے ملک میں جہاں اللہ تعالیٰ کی شریعت کے مطابق فیصلے نہیں ہوتے وہاں اسلامی ریاست قائم ہو جائے کیونکہ وہ پہلی بات جس میں اللہ تعالیٰ کی شریعت کے مطابق حکم ہونا چاہیے وہ اقامت توحید ہے اور اس کے علاوہ بھی بیشک کچھ ایسے خاص امور ہیں جو بعض دور کی پیداوار ہیں جن سے الگ تھلک رہنا اختلاط سے بہتر ہے یعنی ایک مسلمان معاشرے سے الگ ہو کر اپنے رب کی عبادت میں لگا رہے اور خود کو لوگوں کے شر سے بچائے اور لوگوں کو اپنے شر سے محفوظ رکھے، اس بارے میں بہت سی احادیث وارد ہوئی ہیں۔ اگرچہ جو اصل اصول ہے وہ تو یہی ہے جیسا کہ ابن عمر (رضی اللہ عنہما) کی حدیث میں بیان ہوا: ((المومن الذی یخالط الناس ویصبر علی اذاهم خیر من المومن الذی لا یخالط الناس ولا یصبر علی اذاهم)) ❶ ”وہ مومن جو لوگوں سے مل ملاپ کرتا ہے اور ان کی جانب سے پہنچنے والی اذیتوں پر صبر کرتا ہے اس مومن سے بہتر ہے جو نہ لوگوں کے ساتھ مل کر رہتا ہے اور نہ ہی ان کی جانب سے ملنے والی اذیتوں پر صبر کرتا ہے۔“ پس ایک اسلامی ریاست بلاشبہ ایک وسیلہ ہے اللہ تعالیٰ کا حکم زمین پر قائم کرنے کا مگر یہ بذات خود کوئی غرض و غایت نہیں۔

بہت عجیب بات ہے کہ بعض داعیان اس بات کا اہتمام تو کرتے ہیں جو حقیقتاً ان کے بس میں نہیں اور اس بات کو چھوڑ دیتے ہیں جو ان پر واجب ہے اور آسان بھی اور وہ اپنے نفس کا مجاہدہ کرنا ہے جیسا کہ ایک مسلمان داعی کا قول ہے جس قول کی وصیت میں اس داعی کے پیروکاروں کو کرتا ہوں: ((اقیموا دولة الاسلام فی نفوسکم تقم لکم فی ارضکم)) ”اپنے دلوں پر اسلامی حکومت قائم کر لو وہ تمہارے لیے تمہاری زمینوں پر بھی قائم کر دی جائے گی۔“

اس کے باوجود ہم بہت سے ان کے پیروکاروں کو پاتے ہیں کہ وہ اس بات کی مخالفت کرتے ہیں، اپنی دعوت کا ایک غالب حصہ اللہ تعالیٰ کو اس کی حاکمیت میں اکیلے ماننے پر زور

❶ حدیث صحیح: رواہ الترمذی ۲۵۰۷ وابن ماجہ ۴۰۳۲، والبخاری فی الادب المفرد ۳۸۸،

واحمد ۳۶۵/۵، من حدیث شیخ من اصحاب رسول اللہ ﷺ وصحاح الالبانی فی الصحیحة ۹۳۹.

دینے میں صرف کرتے ہیں، جسے وہ اس مشہور و معروف عبادت سے تعبیر کرتے ہیں کہ: ((الحاکمۃ للہ)) ”حاکمیت کا حق صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے۔“ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ حاکمیت اعلیٰ صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہی ہے کہ اس میں اور نہ کسی اور چیز میں اس کا کوئی شریک ہے۔ لیکن ان میں سے کوئی مذاہب اربعہ میں سے کسی مذہب کا مقلد ہوتا ہے اور جب اس کے پاس کوئی بالکل صریح و صحیح سنت آتی ہے تو کہتا ہے یہ میرے مذہب کے خلاف ہے تو کہاں گیا اللہ تعالیٰ کا حکم اتباع سنت کے بارے میں؟

ان میں سے آپ کسی کو پائیں گے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت صوفیوں کی طریقت پر کر رہا ہوگا تو کہاں گیا اللہ تعالیٰ کا حکم توحید کے بارے میں؟ تو وہ دوسروں سے وہ مطالبہ کرتے ہیں جو اپنے آپ سے نہیں کرتے، یہ تو بہت آسان کام ہے کہ اپنے عقیدے، عبادت، سلوک اور اپنے گھر، بچوں کو تربیت، خرید و فروخت میں اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق حکم کرو جبکہ اس کے برعکس یہ بہت مشکل اور کٹھن ہے کہ تم کسی حاکم کو جبراً کہو یا ایسے حاکم کو معزول کرو کہ جو اپنے بہت سے احکامات میں اللہ تعالیٰ کی شریعت کے خلاف فیصلے کرتا ہے، تو کیا وجہ ہے کہ آسان کو چھوڑ کر مشکل راہ کو اپنایا جا رہا ہے؟

یہ دو میں سے ایک بات کی طرف اشارہ کناں ہے یا تو یہ بری تربیت و بری توجیہ کا نتیجہ ہے یا پھر ان کا وہ برا عقیدہ ہے جس نے انہیں اس بات سے روک کر اور پھیر کر جس کو اپنانا ان کی استطاعت میں ہے اس بات کی طرف مائل کر دیا ہے جس کی وہ استطاعت نہیں رکھتے۔ آج کے اس دور میں تمام تر مشغولیت کا محور تصفیہ و تربیہ کے عمل کو بنا دینے اور صحیح عقیدے و عبادت کی جانب دعوت دینے کے سوا اور کوئی نظریہ نہیں رکھتا۔ ہر کوئی یہ کام اپنی استطاعت بھر انجام دے، اللہ تعالیٰ کسی جان کو اس کی وسعت سے زیادہ کا مکلف نہیں بناتا اور تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لیے ہیں۔

اور درود و سلام ہو ہمارے نبی محمد ﷺ اور آپ (ﷺ) کی آل پر۔

فلاح و نشاۃ ثانیہ کا واحد راستہ^①

سوال:..... مسلمانوں کی موجودہ حالت پر بصیرت افروز تبصرہ اور ان کے زوال کو عروج میں بدلنے کے لیے اپنے بیش قیمت نصائح سے مستفید فرمائیں، جزاک اللہ خیرا؟

إِنَّ الْحَمْدَ لِلَّهِ، نَحْمَدُهُ وَنَسْتَعِينُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا. مَنْ يَهْدِهِ اللَّهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ يَضِلَّ فَلَا هَادِيَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ.

امت کی حالت زار فرقہ بندی اور حرز بیت:

مسلمانوں کی جو موجودہ حالت ہے وہ کسی بھی باشعور انسان پر مخفی نہیں۔ جس دور میں ہم زندگی بسر کر رہے ہیں مسلمانوں کی حالت اتنی ابتر ہے کہ تاریخ میں پہلے کبھی نہ تھی، جسے آپ خود بہتر طور پر جانتے ہیں کیونکہ آپ اسی دور میں زندگی گزار رہے ہیں۔ ہر قسم کا فسق و فجور اپنی بدترین حالت میں مسلم معاشروں میں پھیلا ہوا ہے، جن کے اثرات سے شاید ہی کوئی نفس محفوظ ہو جبکہ دوسری جانب حق بات کہنے والے اور کتاب و سنت سے تمسک اختیار کرنے والے بلحاظ تعداد انتہائی قلیل ہیں۔ اکثر لوگوں کی حالت تو ایسی ہی ہے جس طرح کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ﴾

① یہ مضمون دراصل ایک ٹیلی فونک خطاب ہے جو شیخ البانی (رحمۃ اللہ علیہ) کی نصیحت پر مشتمل ہے، جس میں آپ نے امت مسلمہ کے لیے اپنا کھویا ہوا دقار اور عروج حاصل کرنے کی صحیح ست متعین کی جو کہ آپ کی علمی بصیرت اور امت کے لیے پر خلوص خیر خواہی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں ان قیمتی نصیحتوں پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عنایت فرمائے۔ آمین یا رب العالمین

”اور اکثر لوگ نہیں جانتے۔“

اور دوسری آیت میں فرمایا:

﴿وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللَّهِ إِلَّا وَهُمْ مُشْرِكُونَ﴾ (یوسف: ۱۰۶)

”اور اکثر لوگ اللہ پر ایمان لانے کے باوجود شرک میں مبتلا ہوتے ہیں۔“

مسلم امہ کی اس حالت زار کی نشاندہی رسول اللہ (ﷺ) پہلے ہی فرما چکے تھے جس کا آج ہم اور ہم سے پہلے ہمارے آباء و اجداد مشاہدہ و سامنا کر چکے ہیں۔ دین میں تفرقہ بازی، گروہ بندی اور دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دینا عام ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان مبارک کے سراسر خلاف:

﴿وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝ مِنَ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيعًا

كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ﴾ (الروم: ۳۱-۳۲)

”اور ان مشرکوں میں سے نہ ہونا جنہوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور

خود بھی گروہ گروہ ہو گئے، ہر گروہ اس چیز پر جو اس کے پاس ہے مگن ہے۔“

اور اس فرمان کی بھی نافرمانی کرتے ہوئے:

﴿وَإِنَّ هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ

بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ ۖ﴾ (الانعام: ۱۵۳)

”اور یہ کہ دین میرا سیدھا راستہ ہے جو مستقیم ہے، سو اس راہ پر چلو اور دوسری

راہوں پر مت چلو کہ وہ راہیں تم کو اللہ کی راہ سے جدا کر دیں گی۔“

مزید برآں خود نبی اکرم (ﷺ) نے ان ”مختلف راہوں“ کی وضاحت فرمائی چنانچہ ایک صحیح حدیث میں اس کا مکمل نقشہ کھینچا گیا ہے کہ کس طرح مسلمانوں کی اکثریت صراط مستقیم سے ہٹ جائے گی۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

”ایک دن رسول اللہ (ﷺ) نے ہمارے لیے زمین پر ایک سیدھی خط کھینچی اور

اس پر دست مبارک رکھ کر فرمایا ”یہ اللہ کی راہ ہے“ پھر آپ ﷺ نے اس سیدھی خط کے ارد گرد مزید خطوط کھینچے اور فرمایا: ”یہ وہ مختلف راہیں ہیں جن میں سے ہر ایک کے سر پر ایک شیطان بیٹھا لوگوں کو اپنی طرف دعوت دے رہا ہے۔“ پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿وَإِنَّ هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ...﴾ ①

پس نبی اکرم ﷺ نے اس حدیث میں واضح کر دیا کہ صراط مستقیم ایک راہ ہے بہت سی راہیں نہیں جیسا کہ چند صوفیاء کہتے اور دعویٰ کرتے ہیں کہ ”اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کے اتنے ہی راستے میں جتنی تمام مخلوقات کی سانس لینے کی مقدار ہے“ کم از کم یہ ان کا ایک قدیم مقولہ ہے مگر آج واقعتاً اتنی راہیں گروہوں اور جماعتوں کی صورت میں نمودار ہو گئی ہیں، اور ہر ایک اس چیز پر خوش اور مگن ہے، جو اس کے پاس ہے جبکہ یہ تمام مسلمان اللہ تعالیٰ کے اس حکم سے بخوبی آگاہ ہیں:

﴿وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝ مِنَ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ ۝﴾ (الروم: ۳۱-۳۲)

”اور ان مشرکوں میں سے نہ ہونا جنہوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور خود بھی گروہ گروہ ہو گئے، ہر گروہ اس چیز پر جو اس کے پاس ہے مگن ہے۔“

اور وہ رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان سے بھی بخوبی واقف ہیں:

”یہودیوں نے تفرقہ کیا حتیٰ کہ وہ اکہتر (۷۱) فرقے بن گئے اور نصاریٰ تفرقہ کے سبب بہتر (۷۲) فرقے بن گئے اور میری یہ امت تہتر (۷۳) فرقوں میں بٹ جائے گی اور وہ تمام کے تمام فرقے آگ میں جائیں گے۔ سوائے ایک

① احمد: ۱/ ۴۳۵، ۴۳۶، نسائی: ۱۸۴، الدارمی: ۱/ ۶۷-۶۸، قال الالبانی صحیح، دیکھئے شرح

عقیدہ طحاویہ: ۸۱۰۔

فرقے کے۔“ فرمایا کہ: ”وہ ایک فرقہ کونسا ہوگا؟“ آپ ﷺ نے فرمایا:
 ”الجماعۃ“ (جماعت)۔“ ❶

یہ اس حدیث کی سب سے مشہور روایت ہے اور یہ صحیح ہے ایک اور روایت میں (جو اس حدیث کی تشریح کرتی ہے) جب رسول اللہ ﷺ سے اس فرقہ ناجیہ (نجات پانے والے فرقے) کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:
 ((ما انا علیہ واصحابی الیوم)) ❷

”جس چیز پر آج میں اور میرے صحابہ (رضی اللہ عنہم) ہیں۔“

یہ دوسری روایت حسن درجہ کی روایت ہے جس کی تفصیل میں نے اپنی بعض کتب میں بیان کی ہے۔ اس میں جو الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ یعنی ما انا علیہ واصحابی الیوم اس منہج کی وضاحت کرتے ہیں جس پر وہ وادھ فرقہ ناجیہ اور طائفہ منصورہ (مدیافتہ گروہ) کار بند ہوگا۔ یہ وہ جماعت ہوگی جو اپنا منہج رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے لیتی ہوگی۔
فرقہ ناجیہ کی علامت:

یہاں پر قابل غور نقطہ یہ ہے کہ آپ نے فرمایا: ”وَاصْحَابِی“ (اور میرے صحابہ رضی اللہ عنہم) جبکہ اگر رسول اللہ ﷺ محض یہ کہہ دیتے کہ میرے راستے پر ہو تو یہ بطور جواب کافی تھا لیکن ایک عظیم حکمت کے تحت آپ ﷺ نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کا بھی ذکر کیا۔ اس کے پس پردہ جو حکمت پوشیدہ ہے وہ یہ ہے کہ تمام کے تمام صحابہ رضی اللہ عنہم اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر تھے۔ انہوں نے اپنی تعلیم و تربیت اس وحی کے ذریعے سے حاصل کی جو رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوتی۔ وہ براہ راست اس وحی سے مستفید ہوئے جو کہ اپنی خالص حالت میں کسی قسم کی بیرونی ملاوٹ سے پاک ان تک پہنچی، اس بیرونی ملاوٹ سے کہ جس نے ان کے بعد میں آنے والے لوگوں کے دل و دماغ کو پراگندہ کیا۔ اس فساد کا اندازہ

❶ الترمذی: ۲۶۴۱، قال الالبانی صحیح، سلسلة الاحادیث الصحیحة: ۱۳۴۸۔

❷ ہیثمی مجمع الزوائد: ۱/۱۸۹، صحیحہ الالبانی، صحیح الجامع: ۹/۵۲۔

آپ ان آراء و افکار کو دیکھ کر لگا سکتے ہیں جو صحابہ رضی اللہ عنہم کے منہج سے متصادم ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ آپ ﷺ نے اپنے راستے کے ساتھ ساتھ صحابہ رضی اللہ عنہم کے طریقے کی پیروی کا بھی حکم دیا کیونکہ آپ ﷺ جانتے تھے کہ صحابہ ہی آپ ﷺ کے سچے تابعدار و پیروکار ہیں۔

مزید کہ آپ ﷺ نے انتہائی واشگاف الفاظ میں ان لوگوں کا بھی ذکر کیا جو صحابہ کے فوراً بعد آئے۔ چنانچہ ایک صحیح حدیث میں بلکہ میں تحقیق و مطالعہ کے بعد اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ یہ حدیث متواتر ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((خیر الناس قرنی.....)) ”بہترین لوگ میرے زمانے کے لوگ ہیں۔“

بعض افراد اس حدیث کو کچھ اس طرح بیان کرتے ہیں ((خیرون القرون قرنی.....)) ”بہترین زمانہ میرا زمانہ ہے.....“ یہاں میں ایک چیز کی وضاحت ضروری سمجھتا ہوں۔ ﴿فَإِنَّ الذِّكْرَ تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِينَ﴾ ”اور یقیناً نصیحت ایمان داروں کو فائدہ دیتی ہے۔“ وہ یہ کہ اس حدیث کے صحیح الفاظ کچھ اس طرح ہیں کہ ((خیر الناس)) ”بہترین لوگ“، یعنی آپ ﷺ نے فرمایا:

((خَيْرُ النَّاسِ قَرْنِي ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ .)) ❶

”بہترین لوگ میرے دور کے لوگ ہیں پھر جو ان کے بعد آئیں، پھر جو ان کے بعد آئیں۔“

یہ وہ قرون ثلاثہ (تین نسلیں) ہیں کہ جن کے صراط مستقیم پر ہونے کی گواہی خود رسول اللہ ﷺ نے دی اور قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیت کے مصداق بھی یہی لوگ ہیں:

﴿وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ ۖ وَسَاءَتْ مَصِيرًا﴾

(النساء: ۱۱۵)

”جو شخص باوجود راہ ہدایت واضح ہو جانے کے بھی رسول اللہ ﷺ کا خلاف

کرے اور تمام مومنوں کی راہ چھوڑ کر چلے، ہم اسے ادھر ہی متوجہ کر دیں گے
جدھر وہ خود متوجہ ہو اور اسے دوزخ میں ڈال دیں گے، وہ پہنچنے کی بہت ہی بری
جگہ ہے۔“

آپ ﷺ نے قرآن کریم کے انہیں الفاظ ﴿وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُوْمِنِيْنَ﴾
یعنی ”اور تمام مومنوں کی راہ چھوڑ کر چلے“ سے وہ الفاظ اخذ کیے جو سابقہ حدیث میں بیان
ہوئے ((واصحابی)) ”اور میرے صحابہ رضی اللہ عنہم“

اس قرآنی آیت کا جو اساسی نقطہ ہے وہ وہی ہے جو کہ اس حدیث میں بیان ہوا۔ اس
سے بھی یہ بات واضح ہوتی ہے کہ بعد میں آنے والے اور موجودہ دور کے مسلمانوں کے لیے
یہ جائز نہیں کہ وہ مومنوں کی راہ ﴿سَبِيلِ الْمُوْمِنِيْنَ﴾ کے علاوہ کوئی اور منہج اختیار کریں
کیونکہ وہ لوگ اپنے رب کی جانب سے واضح ہدایت پر تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے
اپنے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کا درجہ بعض سے زیادہ بیان کیا۔ میرا اشارہ خلفائے راشدین کی
طرف ہے جیسا کہ حدیث عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ میں بیان ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”میں تمہیں اللہ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں (حاکم کی) سمع و طاعت (سننے)

اور فرمانبرداری کرنے) کی اگرچہ وہ (حاکم) حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو۔ پس

بیشک تم میں سے جو (میرے بعد) لمبی عمر پائے وہ بہت اختلاف دیکھے گا۔ پس

تمہیں چاہیے کہ میری سنت اور میرے بعد میرے ہدایت یافتہ خلفائے راشدین

کی سنت کو اپنے جبرڑوں کے ساتھ مضبوطی سے تھامے رہو اور دین میں نئے

کاموں سے بچو کیونکہ دین میں ہر نیا کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔“

یہاں بھی آپ ﷺ نے اپنی سنت کے ساتھ خلفائے راشدین کی سنت کو بیان کیا اور

اس کی بھی وہی حکمت ہے جو اس سے پہلے فرقہ ناجیہ کے متعلق آیت و حدیث کے تحت ذکر کی گئی۔

سلفی منہج:

مذکورہ بالا تینوں حوالہ جات سے ایک منہج و نظام اخذ کیا جاسکتا ہے۔ ایک ایسا نظام کہ

جس سے ہر مسلمان کا منسلک ہونا ضروری ہے اور اس سے اعراض کی کوئی گنجائش نہیں جیسا کہ ہم مشاہدہ کرتے رہتے ہیں ان داعیوں کے منہاج جو قرآن و سنت کی طرف دعوت دیتے ہیں لیکن ان کا طریقہ کار ہمارے اس بیان کردہ نظام سے متصادم ہے اور وہ ہم سے اس منہج میں اختلاف کرتے ہیں کہ ہم سلف صالحین کے (صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور جو ان کے اصولوں پر کاربند رہے) کہ منہج سے تمسک کی دعوت دیتے ہیں یعنی قرآن و سنت پر عمل پیرا ہونا مگر سلف صالحین کے طریقے کے مطابق۔ یہ درحقیقت وہ منہج ہے کہ جس سے ہر مسلمان کو تمسک اختیار کرنا لازم ہے تاکہ وہ ﴿سَبِيلَ الْمُؤْمِنِينَ﴾ مومنوں کی راہ سے نہ بھٹک جائے۔ یہی وجہ ہے کہ آج کل محض یہ کہہ دینا کافی نہیں ہے کہ ہم صرف قرآن و سنت پر عمل پیرا ہیں اور اس کی طرف دعوت دیتے ہیں۔

بلکہ فہم سلف صالحین کی طرف رجوع کرنا ہی اس بات کی ضمانت دے سکتا ہے کہ مسلمان اس طرح سے گمراہ نہ ہوں جس طرح سے سلف صالحین کے بعد آنے والے مسلمان گمراہ ہوئے۔ ان مسلمانوں نے آپس میں انتہائی شدید اختلاف کیا تھا کیونکہ انہیں اس سنت صحیحہ تک سہولت رسائی حاصل نہ تھی جو کہ قرآن کریم کی اصل تفسیر ہے۔ اللہ رب العالمین کا فرمان پاک ہے:

﴿بِالْبَيِّنَاتِ وَالزُّبُرِ وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ...﴾ (النحل: ۴۴)

”یہ ذکر ہم نے آپ کی طرف اتارا ہے کہ لوگوں کی جانب جو نازل فرمایا گیا ہے آپ اسے کھول کھول کر بیان کر دیں۔“

یہ وہ بنیادی وجہ اختلاف تھی ان لوگوں کے درمیان جو گزر چکے، حتیٰ کہ ان میں بڑے بڑے علماء فقہاء و صالحین سب شامل ہیں لیکن اس بنیادی وجہ کے ساتھ ساتھ اور اسباب بھی ہیں جنہوں نے ان اختلافات کو جنم دیا۔ جن میں سرفہرست نفسانی خواہشات کا غلبہ اور کچھ ان افراد کی آراء و افکار جن کے پاس کسی قدر تقویٰ و اخلاص تو تھا لیکن علمی میدان میں وہ بہت

کمزور تھے۔

اس لیے ہم یہ کہتے ہیں کہ اس بات کی ضمانت نہیں دی جاسکتی کہ مسلمان قرآن و حدیث کی مخالفت نہ کریں الا یہ کہ وہ اس منہج کی طرف رجوع کریں جس پر ہمارے سلف صالحین تھے۔ اور ہم مخلصانہ طور پر یہ یقین رکھتے ہیں کہ مسلمانوں کی موجودہ حالت کی ذمہ داری ان اختلافات پر ہے جن میں وہ قرآن و حدیث فہمی کے لیے اس منہج پر عدم انحصار کرتے ہیں، جسے ہم ”سلفی منہج“ کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ یہ وہ ضروری امر ہے جسے ہمیں مسلمانوں کی موجودہ حالت کے حوالے سے مد نظر رکھنا چاہیے تاکہ ہم اس منہج کی طرف لوٹ سکیں جس پر سلف صالحین گامزن تھے۔ جنہیں بطور فخر یاد کرتے ہیں کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے انہیں قوت، شان و شوکت اور زمین پر غلبہ عطا کیا، جس کا مشاہدہ اسلام کی شاندار تاریخ کے ذریعے بخوبی کیا جاسکتا ہے۔ یہ وہ چند باتیں تھیں جو مسلمانوں کی موجودہ صورتحال کے حوالے سے ذہن میں آئیں کہ جن کے متعلق مجھ سے سوال کیا گیا تھا اور اب ہم مسلمانوں کے اس زوال کے اسباب کا جائزہ لیں گے۔ (ان شاء اللہ)

مسلم امہ کے زوال کے اسباب:

علمائے کرام نے مسلمانوں کے زوال کے اسباب کے تحت بہت سی وجوہات کا ذکر کیا ہے۔ جبکہ ان میں سے ہر ایک یا کم از کم ان میں سے کچھ اس بات کا بخوبی شعور رکھتے ہیں کہ پیغمبر ﷺ نے ان تمام اسباب کو اپنی ایک صحیح حدیث میں جمع فرمادیا، جب آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”عنقریب تمام قومیں جمع ہوں گی اور تمہارے خلاف ایک دوسرے کو دعوت دیں گی، جس طرح کہ کھانے کی پلیٹ کی طرف دعوت دی جاتی ہے۔“ کسی نے پوچھا: ”کیا ہم اس وقت تعداد میں کم ہوں گے؟“ فرمایا: ”ہرگز نہیں، بلکہ حقیقت میں تم لوگ اس وقت تعداد میں بہت زیادہ ہو گے، لیکن تمہاری حیثیت سمندر کی جھاگ کی مانند ہوگی اور یقیناً اللہ تعالیٰ تمہارا رعب تمہارے دشمنوں کے

دلوں سے نکال دے گا اور تمہارے دلوں میں ”وہن“ ڈال دے گا۔“ کسی نے دریافت کیا: ”یہ وہن کیا ہے؟“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”حب الدنیا وکراہیۃ الموت“ (دنیا کی محبت اور موت سے نفرت)۔“^①

بے شک نبی کریم ﷺ نے درست فرمایا کیونکہ ہر باشعور مسلمان اس بات کا مشاہدہ کر سکتا ہے کہ ہر برائی کی جڑ اس دنیا کی محبت ہے اور ہر فتنے کے پس پشت اسی کا ہاتھ کار فرما ہوتا ہے اور کیوں نہ ہو؟ یہی وہ شے ہے کہ جو انسان کو اپنی دولت اور اپنی جان کے بارے میں کنجوس، خود غرض اور بخیل بناتی ہے اور یہی جان و مال ہی تو ہے کہ جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کیا جاتا ہے۔ یعنی اپنی دولت خرچ کی جاتی ہے جو ہمیں بہت عزیز ہے اور اس سے بھی عزیز ترین چیز یعنی اپنی جان بھی اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربان کرنی پڑتی ہے۔ اسی لیے نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

”شخ (حرص نفس) سے بچو، اس حرص نفس نے ہی تم سے پہلے لوگوں کو ہلاک کیا، اسی نے انہیں خورنریزی پر آمادہ کیا اور انہوں نے محارم کو حلال کر لیا۔“^②

جیسا کہ بہت سی کتب احادیث میں مروی ہے جن میں سے ایک صحیح مسلم بھی ہے۔
محارم الہی کو حلال کرنا:

یہاں اس موقع پر میں ایک چیز کی نشاندہی ضروری سمجھتا ہوں، وہ یہ کہ محارم کو حلال کرنا دو طرح سے ہے۔

اول یہ کہ انسان حرام کام میں ملوث ہو مگر اس بات کے مکمل شعور کے ساتھ کہ یہ کام حرام ہے۔ یہ واضح طور پر مسلمانوں میں اپنی تمام تر صورتوں اور اقسام کے ساتھ موجود ہے۔ حتیٰ کہ اکبر الکبائر یعنی شرک بھی ہمارے بعض معاشروں اور شخصیات میں عام ہے۔ جیسے آلام

① ابو داؤد: ۴۲۹۷، مشکوٰۃ: ۱۷۵/۳، صحیحہ الالبانی فی سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ:

۹۵۷ وصحیح الجامع: ۸۱۸۳۔

② صحیح مسلم، کتاب البر/ باب تحریم الظلم: ۱۸/۸۔

ومصائب میں غیر اللہ کو پکارنا، مشکلات میں غیر اللہ سے استعانت واستمداد چاہنا اور غیر اللہ کے نام پر ذبح اور قربانی کرنا اور ان میں کچھ ایسے بھی ہیں، جو غیر اللہ کے نام کی قسمیں کھاتے ہیں۔ مذکورہ بالا تمام امور شرک کے زمرے میں آتے ہیں لیکن یہ مسلم معاشروں میں عام ہیں۔ لوگوں کی اکثریت، میں صرف عوام ہی کو مورد الزام نہیں ٹھہراتا بلکہ علماء بھی اس بات پر کوئی توجہ نہیں دیتے کہ لوگوں کو اس شرک و بت پرستی سے خبردار کریں۔ یہ اکبر الکبائر یعنی سب سے بڑا گناہ ہے بعض احادیث میں اس کا ذکر آیا ہے جیسا کہ ایک صحیح حدیث میں ہے کہ:

”کبیرہ گناہ یہ ہیں: شرک، قتل، والدین کی نافرمانی اور رباء (سود) کھانا وغیرہ“^①

اگر ان میں سے آپ صرف سود ہی کو لے لیں تو وہ بھی ان اداروں کے مرہون منت بہت عام ہو چکا ہے جنہیں ہم ”بینک“ کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ مزید کبیرہ گناہوں میں سے شراب نوشی، عورتوں کا بے پردہ ہونا، قبروں پر مساجد کی تعمیر اور ان کے علاوہ بھی بہت سے ہیں۔

دوم اللہ تعالیٰ کے محارم کو حلال کرنے کا جو دوسرا طریقہ ہے اس کی مزید دو اقسام ہیں:

ایک یہ کہ لاشعور طور پر کسی حرام کام کا ارتکاب کرنا یعنی ایک شخص کو یہ علم ہی نہ ہو کہ میرا یہ فعل حرام ہے یا شریعت میں اس کا کیا حکم ہے۔ یہ بلاشبہ ایک بہت بڑی برائی ہے اور یہ بھی مسلم معاشروں میں بہت عام ہے۔

دوسری قسم یہ کہ انسان اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ اشیاء کو حلال کرنے کے لیے حیلے اختیار کرے۔ جیسا کہ یہودیوں نے فریب کاری اور دھوکہ بازی کے ذریعہ مچھلیاں پکڑنے کی جسارت کی، جن کا واقعہ قرآن کریم میں مذکور ہے اور ان شاء اللہ تمام لوگ اس سے بخوبی واقف ہیں۔ اور اسی طرح انہوں نے حیلہ اختیار کرتے ہوئے چربی کو بھی اپنے لیے حلال کرنے کی کوشش کی جو کہ ان پر حرام کر دی گئی تھی۔

جس کا اندازہ رسول اللہ ﷺ کی مندرجہ ذیل حدیث سے لگایا جاسکتا ہے:

”اللہ تعالیٰ نے یہودیوں پر لعنت کی اس سبب سے کہ ان پر چربی حرام کی گئی تھی

① بخاری: ۷/۸، مسلم: ۶۴/۱ الہیثمی مجمع الزوائد: ۴/۱۳۰.

مگر انہوں نے اسے پگھلا کر اس کی خرید و فروخت شروع کر دی۔ پس خبردار! اللہ تعالیٰ جب کسی چیز کا کھانا لوگوں پر حرام کر دیتا ہے تو اس کی تجارت اور کمائی بھی حرام کر دیتا ہے۔“^①

یہ حدیث باوجود اپنی انتہائی اہمیت کے خطباء، مقررین و واعظین کی زبانوں پر بہت کم ہی آتی ہے۔ یہ حدیث مسلمانوں کو اس عمل کا مرتکب ہونے سے خبردار کرتی ہے۔ جس کا ارتکاب یہودیوں نے کیا۔ مزید برآں نبی اکرم ﷺ نے ایسے کاموں کے انجام دینے سے روکا ہے اور سختی سے منع فرمایا ہے کہ جو یہودیوں کا شیوا تھے۔ دیگر احادیث کے ساتھ ساتھ صحیح بخاری میں سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”تم لوگ یقیناً ان لوگوں کے نقش قدم پر چلو گے جو تم سے پہلے ہو گزرے جیسا کہ بالشت بالشت کے برابر ہوتا ہے اور ہاتھ ہاتھ کے، یہاں تک کہ اگر وہ کسی گاوے کے بل میں داخل ہوئے تھے تو تم بھی اس میں جا داخل ہو گے۔“ ہم نے عرض کی: ”یا رسول اللہ ﷺ! کیا اس سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں؟“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”ان کے علاوہ اور کون ہو سکتا ہے۔“ (یعنی یقیناً انہی کی پیروی کرو گے)“^②

چنانچہ میں مسلمانوں کو اس بات سے خبردار کرنا چاہوں گا کہ وہ معمولی حیلہ اور مکر و فریب اختیار کر کے اس قسم کے حرام کاموں میں ملوث نہ ہوں جیسا کہ انہوں نے اپنے روزمرہ کے معاملات اور کاروباری معاہدوں میں اسے روا رکھا ہوا ہے۔ اس کی ایک بہت نمایاں مثال ”نکاح التحلیل“ (حلالہ کا نکاح) ہے۔ جس کے مرتکب کو صحیح حدیث میں ملعون کہا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”اللہ تعالیٰ نے حلالہ کرنے والے پر اور جس کے لیے عورت سے حلالہ کیا گیا

① بخاری، مسلم، ابوداؤد و صحیحہ الالبانی فی صحیح الجامع: ۵۱۰۷۔

② صحیح بخاری: ۹/۴۲۲۔

دونوں پر لعنت کی ہے۔“ ❶

اس قدر شدید وعید نبوی (ﷺ) کے باوجود ہمارے یہاں ایسے ”ماہرین فقہ“ پائے جاتے ہیں جو اسے جائز قرار دیتے ہیں جبکہ رسول اللہ ﷺ نے اس کے مرتکب کو اور جو بھی اس میں ملوث ہو پر لعنت فرمائی ہے، جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔

انہیں باتوں میں سے ایک بات جو ہمارے معاشروں میں عام ہے وہ اقساط پر اشیاء کی فروخت ہے جبکہ اقساط میں لینے کی صورت میں قیمت نقد سے زیادہ ہو۔ انہیں میں سے ایک ”بیع عینہ“ بھی ہے جو مسلم ممالک میں عام ہے۔ مجھے صد افسوس کے ساتھ سے یہ کہنا پڑ رہا ہے کہ وقت اس بات کی اجازت نہیں دے رہا کہ میں فرداً فرداً اور تفصیل کے ساتھ ان نقاط کو بیان کروں۔

امت مسلمہ کو لاحق ہونے والے مہلک امراض:

میں صرف آپ بھائیوں کی توجہ اس حدیث کی جانب مبذول کروانا چاہوں گا جو کہ موقع محل کے لحاظ سے مناسب حال ہے اور وہ رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان ہے کہ:

”اگر تم اپنی تجارت میں بیع عینہ میں لگ جاؤ گے اور بیلوں کی دموں کو تھام لو گے اور محض اس بات سے راضی ہو جاؤ گے کہ تم اپنی کھیتی باڑی پر توجہ دو اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد ترک کر دو گے تو پھر اللہ تعالیٰ تم پر ایسی ذلت مسلط کرے گا جو تم پر سے نہ ٹلے گی یہاں تک کہ تم اپنے دین کی طرف رجوع کرو۔“ ❷

اس حدیث میں اس زہر ہلاہل اور ان موزی امراض کی بڑی واضح انداز میں منظر کشی کی گئی ہے جو اس دنیا فانی کی گھڑ دوڑ میں شامل ہونے اور اپنی تمام تر توجہ اسی دنیا کو کمانے میں مرکوز کرنے اسی طرح صرف ایسے اقدامات کرنے کے کسی طرح اس دولت میں زیادہ سے زیادہ اضافہ ہو کا شاخسانہ ہے اور مسلمانوں کے موجودہ حالات کے ذمہ دار عوامل بھی یہی ہیں۔

❶ ابوداؤد: ۵۵۵/۲ وصححه الالبانی فی صحیح الجامع: ۵۱۰۱۔

❷ ابوداؤد: ۳۴۶۲، وصححه الالبانی فی الصحیح: ۱۱۔

رسول اکرم ﷺ نے بیع عینہ، بیلوں کی دموں کو تھام لینے اور کھیتی باڑی پر اکتفا کرنے کے ساتھ ساتھ ترک جہاد کو بھی ایک سبب گردانا ہے اور یہ ترک جہاد بھی ایک عام جرم کی حیثیت اختیار کر گیا ہے۔ بڑے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ بلا استثناء عرب و غیر عرب سب نے ہی جہاد کو خیر باد کہہ دیا ہے۔ جبکہ امر واقعی یہ ہے کہ ان تمام ریاستوں کے قبضہ میں وہ تمام وسائل میسر ہیں جو کہ جہاد کے لیے لازمی ہیں اور دوسری جانب ان پر جوش نوجوانوں کے پاس یہ وسائل میسر نہیں کہ جس سے وہ نہ صرف اپنے ملکوں، زمینوں بلکہ اپنی عزت و حریت ہی کا دفاع کر سکیں۔

آخر کار ان تمام مخالف شریعت کاموں میں مصروف عمل ہونے اور اللہ کے محارم کو حلال کرنے کا منطقی و قدرتی نتیجہ یہی نکلتا تھا:

﴿تَجَدَّ لِسُنَّتِ اللَّهِ تَبْدِيلًا﴾

”اور تم اللہ تعالیٰ کی سنت و طریقے کو کبھی بدلتا ہوا نہیں پاؤ گے۔“

پس اللہ تعالیٰ پر یہ حق بنتا تھا کہ وہ ان پر ذلت و رسوائی مسلط کر دے۔

یہ ذلت و پستی ہر مسلم ملک پر اپنے پنجے گاڑ چکی ہے حالانکہ وہ بظاہر اس دنیا کے نقشے پر آزاد ممالک کی حیثیت سے اپنا وجود رکھتے ہیں مگر درحقیقت وہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کے مطابق اپنے ممالک میں بھی عمل نہیں کر سکتے۔ انہیں ایک صحیح حدیث کے مطابق اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ:

((جاهدوا المشركين بانفسكم واموالكم والستنكم))^①

”مشرکین سے اپنی جانوں، مالوں اور زبانوں کے ذریعہ جہاد کرو۔“

اب ہم نے اپنی جانوں کے ساتھ جہاد کو تو بالکل ہی ترک کر دیا ہے اور اسے صرف محدود کر دیا ہے اپنے مال تک اس کی فراوانی کے باعث اور زبانی تک اس کی آسانی کے باعث حتیٰ کہ اس دور میں جان کے ساتھ جہاد بد قسمتی سے ایک گزری ہوئی داستان کی مانند

① ابوداؤد: ۲/ ۶۹۵، وصححه الالبانی فی المشکوۃ: ۳۸۲۱، وفی الصحیح الجامع: ۳۰۹۰۔

بن کر رہ گیا ہے۔ اسی لیے نبی کریم ﷺ نے اس حدیث میں ان امراض کی نشاندہی و تشخیص کے ساتھ اس کا علاج بھی تجویز فرمایا جیسا کہ حدیث کی ابتداء میں ان امراض کا ذکر ہے جو امت مسلمہ کو لاحق ہوں گے اور اس کے آخری حصہ میں ان کا علاج بھی ذکر کیا گیا ہے کہ کس طرح ان سے گلو خلاصی حاصل کی جاسکتی ہے۔

ان مہلک امراض سے سبیل نجات:

آپ ﷺ نے فرمایا:

”اللہ تعالیٰ تم پر سے اس ذلت کو رفع نہیں کرے گا یہاں تک کہ تم اپنے دین کی جانب رجوع کرو۔“

یہی وہ واحد حل ہے مسلم امہ کے لیے اگر وہ اپنے کھویا ہوا وقار، غلبہ، عزت اور شان و شوکت کی بحالی چاہتی ہے اور چاہتی ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں دنیا پر اسی طرح غلبہ و تسلط عطا کرے جس طرح کہ ان سے پہلے لوگوں کو عطا کیا گیا تھا۔ اسی سلسلے میں نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

”اس امت کو بشارتیں دے دو کہ اللہ تعالیٰ انہیں عروج بخشنے گا اور انہیں دنیا میں غلبہ عطا فرمائے گا۔ پس جو شخص بھی حصول آخرت والاعمل دنیاوی مقاصد و مفادات کے لیے سرانجام دے گا اس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔“^①

آپ ﷺ کا یہ فرمانا کہ ”یہاں تک کہ وہ اپنے دین کی جانب رجوع کریں“ مجھے اس بات کا موقع فراہم کرتا ہے کہ میں آپ کے سامنے کیے گئے سوال کے آخری حصہ کو متعارف کرواؤں۔ وہ یہ کہ امت مسلمہ پر جو کچھ بیت رہی ہے اور جس ذلت و پستی کا وہ شکار ہے کہ ماضی میں جس کی مثال نہیں ملتی اس سے نجات کی کیا سبیل ہے؟

تو اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا مَا بِأَنْفُسِهِمْ وَإِذَا أَرَادَ اللَّهُ

① البیہقی، وقال حاکم صحیح، وصححه الالبانی فی احکام الجنائز: ۵۲ وصحیح الجامع: ۲۸۲۵.

بَقَوْمٍ سَوَّاءٍ فَلَا مَرَدَّ لَهُ ﴿ (الرعد: ۱۱)

”اللہ تعالیٰ اس قوم کی حالت نہیں بدلا کرتا نہ ہو جسے خود اپنی حالت کو بدلنے کا خیال اور اللہ تعالیٰ جب کسی قوم کی سزا کا ارادہ کرتا ہے تو وہ ٹلا نہیں کرتا۔“

﴿ذَلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً أَنْعَمَهَا عَلَىٰ قَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُ مَا بِأَنفُسِهِمْ...﴾ (الأنفال: ۵۳)

”یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کہ کسی قوم پر کوئی نعمت انعام فرما کر پھر بدل دے جب تک کہ قوم خود اپنی حالت کو نہ بدل دیں۔“

پھر کیا وجہ ہے کہ مسلمانوں کی وہ قوتیں جو اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا فرمائی تھیں اور وہ غلبہ و شان و شوکت جو کہ انہیں دنیا میں حاصل تھے، اس عظیم نعمت کی تبدیلی کا کیا سبب ہے؟

سبب یہ ہے کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کو بدل ڈالا، ہم اس نعمت کو چھوڑ کر دنیا کی دوڑ دھوپ میں جت گئے اور ہم نے اللہ کی راہ میں جہاد بھی ترک کر دیا۔ بالآخر ان تمام باتوں کا شرعی و فطری نتیجہ یہ نکلا کہ اگر مسلمان اللہ کے دین کی مدد نہیں کریں گے تو انہیں بھی اس کے بدلے میں اللہ کی طرف سے کوئی مدد حاصل نہیں ہوگی جس طرح کہ کلام اللہ میں آیا ہے کہ:

﴿إِنْ تَنْصُرُوا اللَّهَ يَنْصُرْكُمْ﴾ (محمد: ۷)

”اگر تم اللہ (کے دین) کی مدد کرو گے تو اللہ بھی تمہاری مدد کرے گا۔“

میں اس مقام پر آپ کی توجہ اس نقطہ کی طرف دلانا چاہوں گا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر ﷺ کی زبان پاک سے آج تمام اسلامی ممالک پر چھائی ہوئی اس مہلک و جان لیوا بیماری کا علاج تجویز فرما دیا اور وہ علاج ان کا اپنے دین کی طرف رجوع کرنا ہے جیسا کہ آپ سب پہلے سماعت فرما چکے ہیں۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَمَنْ يَتَّبِعْ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ

مِنَ الْخَسِرِينَ﴾ (آل عمران: ۸۵)

”اور جو کوئی اسلام کے سوا کسی اور دین کا طالب ہو تو وہ اس سے ہرگز قبول نہیں

کیا جائے گا اور وہ آخرت میں خسارہ پانے والوں میں سے ہوگا۔“

اسی طرح ایک اور آیت میں اس کی نشاندہی فرمائی:

﴿الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَاتَّمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا﴾ (المائدة: ۳)

”آج کے دن میں نے تمہارا دین تمہارے لیے مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام

کردی اور اسلام کا تمہارے لیے بطور دین ہونے پر راضی ہوا۔“

مجھے اس موقع پر اس بات کی وضاحت کرتے ہوئے انتہائی مسرت ہوگی جو کہ امام

شاطبی رحمہ اللہ نے اپنی مایہ ناز تصنیف ”الاعتصام“ میں امام مالک رحمہ اللہ سے نقل کی ہے:

”جو شخص اسلام میں کوئی بدعت متعارف کراتا ہے اور یہ گمان کرتا ہے کہ یہ بدعت

حسنہ ہے تو اس شخص کا یقیناً یہ عقیدہ ہے کہ محمد ﷺ نے اللہ کا پیغام پہنچانے میں

جو کہ ان کی ذمہ داری تھی خیانت کی ہے (اور یہ محال ہے) اور اگر تم دلیل چاہو تو

اللہ تعالیٰ کا یہ کلام پڑھو:

﴿الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَاتَّمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا﴾ (المائدة: ۳)

”آج کے دن میں نے تمہارا دین تمہارے لیے مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام

کردی اور اسلام کا تمہارے لیے بطور دین ہونے پر راضی ہوا۔“

اور اس امت کے آخری (لوگوں) کی اصلاح نہیں ہو سکتی مگر صرف اس طریقے

سے جس سے اس امت کے پہلے (لوگوں) کی اصلاح ہوئی تھی۔ پس جو چیز

اس وقت دین کا حصہ نہ تھی وہ آج بھی دین کا حصہ نہیں بن سکتی۔“ ①

پھر امام شاطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”ہم اس روایت کو جو کہ امام مالک رحمہ اللہ امام دار الجرحہ (مدینہ) سے صحیح سند کے

ساتھ ثابت ہے بطور دلیل پیش کرتے ہیں کہ کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ وہ دین میں کوئی بدعت ایجاد کرے چاہے وہ کتنی ہی چھوٹی اور معمولی کیوں نہ ہو اور چاہے وہ کردار و سلوک میں ہو یا عبادات و اعتقادات میں اور ہم اس روایت کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں قرآن کریم کی اس آیت پر اعتماد کرتے ہوئے کہ جس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہمارے دین یعنی ”اسلام کو تمام کر کے اس نے

ہم پر اپنی نعمت تمام کر دی۔“ (www.KitaboSunnat.com)

سو آج ہمارے متعلق کیا خیال ہے؟ ہم تو اسلام سے کوسوں دور جا چکے ہیں نہ صرف ان امور میں کہ جنہیں ہم ”سنت“ کہتے ہیں جو کہ بدعت کی ضد ہے بلکہ ہم تو اسلام سے مکمل طور پر دور ہو چکے یعنی ہم اسلام سے صرف ان امور میں دور نہیں ہوئے کہ جنہیں بعض لوگ ثانوی حیثیت کے یا غیر ضروری اعمال شمار کرتے ہیں بلکہ ہم تو اس اسلام سے ہی دور ہو گئے جو دین اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے پسند فرمایا تھا۔ ہم نہ صرف اپنے قانونی فیصلوں اور افکار میں گمراہ ہوئے بلکہ اپنے عقائد تک میں گمراہی کا شکار ہیں۔

اگر ہم واقعی اس علاج جو اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے نبی ﷺ کی زبانی تجویز فرمایا کہ نافذ کرنے میں مخلص ہیں یعنی اپنے دین کی طرف رجوع کرنے میں، تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ کیا طریقہ ہے کہ جس سے ہم دین کو سمجھیں اور اس کا فہم حاصل کریں؟

فہم سلف یا فہم خلف:

اس دین کے فہم کے دو طریقے ہیں جو کہ ان علماء میں معروف ہیں جو ماضی اور حال کے علماء میں پائے جانے والے اختلاف کا شعور رکھتے ہیں۔ یہاں دو مکتبہ فکر ہیں: ایک تو سلف کی طرف منسوب ہے اور دوسرا خلف کی طرف۔ جو لوگ خلف کی طرف منسوب ہیں وہ اس بات کے معترف ہیں کہ سلف کا راستہ محفوظ ترین ہے مگر اس کے باوجود ان کا یہ دعویٰ ہے کہ خلف کا راستہ علم و فہم کے اعتبار سے سلف سے بہتر ہے۔ تو آپ کی کیا رائے ہے؟ کیا ہمیں

سب سے پہلے اپنے عقائد سلف سے لینے چاہیے یا ان سے جو اس بات کا محض اقرار کرتے ہیں کہ سلف کا راستہ محفوظ ترین ہے مگر ان کا راستہ علم و فہم کے اعتبار سے ان سے بہتر ہے؟ بلاشبہ دلائل کی روشنی میں یہ بات واضح ہے جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اس دور میں ہم پر یہ لازم ہے کہ ہم سب سے پہلے اپنے عقائد کا موازنہ سلف صالحین کے عقائد سے کریں پھر اس کے بعد اپنے احکامات، اخلاقیات اور سلوک میں بھی ہمیں سلف کی جانب رجوع لازم ہے۔ وہ سلف جو اختلاف کے وقت قرآن و سنت پر انحصار کے علاوہ کوئی دوسرا ذریعہ نجات نہیں سمجھتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا قرآن کریم میں ارشاد ہے:

﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا

فِيْٓ أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾ (النساء: ۶۵)

”سو قسم ہے تیرے پروردگار کی یہ ایماندار نہیں ہو سکتے، جب تک کہ تمام آپس کے اختلاف میں آپ کو حاکم نہ مان لیں، پھر جو فیصلے آپ ان میں کر دیں ان سے اپنے دلوں میں کسی طرح کی تنگی اور ناخوشی نہ پائیں اور فرمانبرداری کے ساتھ قبول کر لیں۔“

آج بدقسمتی سے ہم ایسے گروہ اور جماعتیں نہیں پاتے جو ہمارے ساتھ اس علاج کو اپنانے کے لیے راضی اور متفق ہوں۔ مسلمانوں کو اپنی شان و شوکت اور قوت و غلبہ حاصل کرنے کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں کہ وہ اپنے دین کی طرف رجوع کریں۔ یہ ایک ایسا نقطہ ہے کہ جس پر مسلمانوں میں کوئی اختلاف نہیں، اس بات سے قطع نظر کہ ان کی وفاداریاں اور ان کی وابستگی کس مخصوص گروہ یا جماعت سے ہے اور اس بات سے بھی قطع نظر کہ ان کا تعلق کس مکتبہ فکر سے ہے۔ بہر حال اختلاف اس وقت ابھرتا ہے جب دین کے صحیح فہم کا معاملہ آتا ہے۔

جس طرح کہ میں نے پہلے اس بات کی نشاندہی کی کہ ہمارے سامنے دو مکتبہ فکر ہیں،

ایک سلف کا اور ایک خلف کا۔ سلف دین کے اصولوں میں کوئی تنازع نہیں برتتے تھے اور نہ اس میں کسی طرح کا کوئی اختلاف کرتے تھے۔

وہ اس بات میں کوئی دورائے نہیں رکھتے تھے کہ تمام باہمی اختلافات میں قرآن و سنت کی جانب رجوع کیا جائے۔ چنانچہ وہ اپنے معاملات کے فیصلے انہی دو ذرائع سے کرتے تھے اور وہ اس کے آگے مکمل سر تسلیم خم کر دیتے تھے، جیسا کہ ہم گذشتہ قرآنی آیت کے تحت بیان کر آئے ہیں۔ ان کے درمیان اختلاف کی بنیادی وجہ جس کی طرف میں پہلے بھی اشارہ کر چکا ہوں، وہ یہ تھی کہ ان میں کسی کے پاس پیغمبر ﷺ کی کوئی حدیث نہ پہنچی ہو، تو وہ پھر اپنے ذاتی اجتہاد کی بنیاد پر جو سب سے زیادہ مناسب اور بہتر رائے تصور کرتا تھا اس کے مطابق عمل کرتا۔ چنانچہ بسا اوقات وہ غیر ارادی طور پر اور بلا قصد غلطی میں مبتلا ہو جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک صحیح حدیث میں فرمایا:

”اگر حاکم/مجتہد اپنے ذاتی اجتہاد کی بنیاد پر فتویٰ دے اور وہ صحیح ہو تو اسے دوہرا اجر ملے گا اور اگر وہ غلطی کر جائے تو اسے اکہرا اجر ملے گا۔“^①

چنانچہ ہر مسلم پر یہ واجب ہے کہ وہ اس اصول کی طرف پلٹے جس کے متعلق کوئی اختلاف رائے نہیں کہ قرآن و سنت کی پیروی سلف صالحین کے فہم کے مطابق کرنا۔ پھر اگر ہم اس نظام پر متفق ہو جائیں اور اسے اپنا وظیفہ حیات اور اپنے عمل و منہج کی بنیاد بنائیں اور مزید یہ کہ ہم اس بات پر ایک دوسرے سے تعاون کرنے کے لیے راضی ہوں یعنی

اولاً: اس منہج کو سمجھنے میں۔

ثانیاً: اس کی عملی تطبیق یعنی تنفیذ پر۔

تو پھر اسکے بعد ایک انتہائی اہمیت کا حامل مرحلہ آئے گا جو کہ خلاصہ ہے میرے اس جواب کا جو مسلمانوں کے عروج و ترقی کی جانب سفر کے آغاز کے بارے میں سوال کیا گیا تھا۔ آج یہ ہر مسلمان پر واجب ہے کہ وہ سب سے پہلے اپنے دین کا صحیح فہم حاصل کرے،

① صحیح بخاری: ۱۳/۳۱۸ صحیح مسلم: ۱۷۱۶۔

پھر اسے ہر شخص اپنی استطاعت کے مطابق صحیح طور پر عملاً نافذ کرے۔ حکام کا معاملہ عوام یا محکومین سے الگ ہے۔ حکام کو سب سے زیادہ قوت حاصل ہوتی ہے جبکہ محکومین کی قوت محدود ہے اگر دونوں فریق یعنی حکام و محکومین اپنی اپنی ذمہ داریاں نبھائیں۔ یعنی اولاً: اسلام کا صحیح فہم حاصل کریں۔

ثانیاً: مکمل طور پر اس اسلام کا نفاذ ہر شخص اپنی استطاعت کے مطابق کرے۔ تو مجھے یقین ہے کہ ایک دن ضرور مومنین اللہ کی جانب سے فتح پر جشن منائیں گے۔ لیکن میں بہت سے داعیان اسلام کو دیکھتا ہوں کہ وہ حکومت پر مسلسل زور دیتے ہیں کہ وہ اللہ کی نازل کی ہوئی شریعت کے مطابق حکم کریں اور بلاشبہ یہ ایک عمدہ و بہترین حق بات کی دعوت ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكَمْ بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ﴾ (المائدة: ۴۴)

”اور جو کوئی اللہ کی نازل کی ہوئی شریعت کے مطابق حکم نہیں کرتے پس ایسے ہی

لوگ کافر ہیں۔“

دوسری آیت میں فرمایا:

﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكَمْ بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ﴾ (المائدة: ۴۷)

”اور جو کوئی اللہ کی نازل کی ہوئی شریعت کے مطابق حکم نہیں کرتے پس ایسے ہی

لوگ فاسق ہیں۔“

اور تیسری آیت میں فرمایا:

﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكَمْ بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ﴾ (المائدة: ۴۵)

”اور جو کوئی اللہ کی نازل کی ہوئی شریعت کے مطابق حکم نہیں کرتے پس ایسے ہی

لوگ ظالم ہیں۔“

یہ سچ ہے کہ حکومتوں کو اپنے آئین، قوانین اور رعایا پر تنفیذ اسلام کرنا چاہیے۔ یہ حق بات ہے اور واجب ہے۔ بہر حال میں ان داعیان کو جو اس بات کی طرف دعوت دیتے ہیں

یہ نصیحت کروں گا کہ وہ اپنی ذات کو نہ بھولیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنْفُسُكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَن ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ﴾ (المائدة: ۱۰۵)

”اے ایمان والو! اپنی فکر کرو، جب تم راہ راست پر چل رہے ہو تو جو شخص گمراہ رہے اس سے تمہارا کوئی نقصان نہیں۔“

سو یہ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ سچائی کے ساتھ اپنے دین کا فہم حاصل کرے پھر حسب صلاحیت اسے اپنے آپ پر اور ان پر جن کا وہ ذمہ دار ہے یا جن پر اسے دسترس حاصل ہے نافذ کرے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

”تم میں سے ہر ایک نگہبان ہے اور ہر ایک سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔“^①

پس آدمی اپنے زیر کفالت اور ماتحت پر نگہبان و ذمہ دار ہے۔ اسی طرح عورت بھی اپنے دست نگر اور ماتحت پر نگہبان و ذمہ دار ہے اور اسی طرح دیگر افراد بھی۔ کچھ داعی ذاتی اصلاح کے اس پروگرام کے حوالے کے طور پر ایک قول پیش کرتے ہیں جو انہیں میں سے ایک داعی کا ہے۔ ”اپنے دل پر اسلامی حکومت قائم کرو وہ تمہارے لیے زمینوں پر بھی قائم کر دی جائے گی۔“ میں دوہرائے دیتا ہوں: ”اپنے دل میں اسلامی حکومت قائم کرو وہ تمہارے لیے زمینوں پر بھی قائم کر دی جائے گی۔“

اس بات نے ہمیں انتہائی مسرت دی لیکن ہم ان لوگوں سے ناخوش و ناراض ہیں جو اس شخص کی جانب منسوب ہیں جس کا یہ قول ہے۔ وہ اس لیے کہ انہوں نے اس پر کوئی توجہ نہ دی اور نہ ہی اس کی تنفیذ کو خاطر میں لائے کیونکہ ایسا کرنے کے لیے ان کی جانب سے محنت شاقہ مطلوب ہے۔ اس کا تقاضا ہے کہ انہیں قرآن و حدیث فہم سلف صالحین کے مطابق والے منہج کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔ سو میں یہ کہوں گا کہ مسلمانوں کی ذلت و رسوائی کا علاج

① صحیح بخاری: ۷۳۰۔ صحیح مسلم: ۲۳۹۶۔

دین کی طرف رجوع ہے جو ہم سے دو چیزوں کا تقاضا کرتا ہے۔ میں نے انہیں ”التصفیہ“ اور ”التربیہ“ کا نام دیا ہے۔

التصفیہ و التربیہ:

”التصفیہ“ سے میری مراد ہے کہ تمام علماء و فضلاء جو یہ چاہتے ہیں کہ زندگیوں پر اسلام کا نفاذ سلف صالحین کے طریق پر ہو ان پر یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ وہ اس اسلام کو ان چیزوں سے پاک و صاف یعنی خالص کریں جو اس میں بعد میں در آئیں جو پہلے اس کا حصہ نہ تھیں۔ ایسے پاکیزہ کریں جیسے بھیڑ یا یوسف علیہ السلام کے خون سے پاک و بری تھا، یہ ایک پرانی عربی کہاوت ہے۔ پھر انہیں اس خالص و پاکیزہ ہونے والے اسلام کی دعوت دینی چاہیے، خواہ وہ عقیدہ کا معاملہ ہو یا ان احکام کا جن میں بہت اختلاف رائے پایا جاتا ہے یا پھر اخلاق، کردار و سلوک کا معاملہ ہو، الغرض دین کے خالص کرنے کا یہ عمل اسلام کے ہر شعبہ پر محیط ہوگا، وہ اسلام جسے اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے مکمل کیا۔ جس پر ہم مندرجہ ذیل حدیث کے ذریعے مزید روشنی ڈالیں گے۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ:

”میں نے کوئی ایسی چیز نہیں چھوڑی جو تمہیں اللہ سے قریب کرے اور جہنم سے دور مگر میں نے تمہیں اس کا حکم دے دیا ہے اور کوئی چیز جو تمہیں اللہ سے دور لے جائے اور جہنم سے قریب مگر میں نے تمہیں اس سے روک دیا ہے۔“^①

اور اب جو اس صراطِ مستقیم پر چلنا چاہتے ہیں ان پر ایک بات ضرور واضح ہونی چاہیے وہ یہ کہ بہت سے قدیم جدید علماء اس امر سے بخوبی آگاہ ہیں کہ سنت میں ایسی بہت سی اشیاء داخل ہو گئیں ہیں جو اس کا حصہ نہ تھیں اور یہ چیز تو پہلی صدی سے ہی وقوع پذیر ہونا شروع ہو گئی تھی جب چند فرقوں نے سرکشی کی اور اس چیز کی طرف دعوت دی جو قرآن و سنت سے متصادم تھی۔ مثال کے طور پر بعض خوارج کا ایک خارجی کا بیان ہے کہ جسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے سنت کی

① سنن امام شافعی: ۱/ ۱۴، بیہقی: ۷/ ۷۶، الفقیہ والمتفقہ للخطیب: ۱/ ۹۳، اس حدیث کی باقاعدہ تخریج کے لیے ملاحظہ کیجئے شیخ سلیم الہلالی کا مقدمہ جو انہوں نے کتاب ”هدایة السلطان“ کی نظر ثانی کے موقع پر لکھا ہے۔

جانب رہنمائی نصیب ہوگئی تھی، کہتا ہے کہ:

”ہمیں اس بارے میں انتہائی محتاط رہنا چاہیے کہ ہم اپنا دین کہاں سے حاصل کر

رہے ہیں کیونکہ ہمیں جو بات بھلی لگا کرتی تھی ہم اسے حدیث بنا لیا کرتے تھے۔“

اسی وجہ سے امام ابن سیرین رحمہ اللہ (جو کہ ایک جلیل القدر تابعی تھے اور جن کی حافظہ حدیث صحابی رسول ﷺ جناب ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بکثرت احادیث مروی ہیں) میں نے فرمایا: ”اس بات پر بھرپور توجہ دو کہ تم اپنا دین کہاں سے حاصل کر رہے ہو۔“^①

اس قول کو بطور حدیث رسول اللہ ﷺ پیش کیا جاتا ہے حالانکہ یہ حدیث رسول اللہ ﷺ تک نہیں پہنچتی کیونکہ اس کے راویوں کی سند ابن سیرین رحمہ اللہ تک موقوف ہے اور یہی وجہ ہے محدثین کرام کے اس قول کی کہ ”اسناد دین کا اہم جزء ہیں، اگر یہ اسناد نہ ہوتیں تو ہر شخص جو اس کا جی چاہتا دین کے تعلق سے کہہ جاتا۔“

یہ ایک ایسا معاملہ ہے کہ جس پر نظریاتی حد تک تو علماء کا اجماع ہے۔ جی ہاں! میں بخوبی آگاہ ہوں کہ جب میں نے کہا کہ ”نظریاتی حد تک“ یہ اس لیے کہ مجھے یہاں ایک تلخ حقیقت کی ضرورت نشاندہی کرنی پڑے گی وہ یہ کہ عملی طور پر جمہور علماء نے ان اسناد پر وہ توجہ نہیں دی جو اس پر دینی چاہیے تھی۔ البتہ علماء کا ایک مختصر گروہ ایسا تھا جنہوں نے یقیناً اس پر توجہ دی اور وہ محدثین کرام تھے جن میں کچھ مشہور یہ ہیں: امام احمد بن حنبل، امام یحییٰ بن معین، امام علی بن المدینی اور ان کے تلامذہ جیسے امام بخاری و امام مسلم اور دیگر محدثین اور آئمہ جرح و تعدیل رحمہم۔ ہمیں جس سنت پر اس کے تصیّف کے بعد پیش رفت کرنی ہے اس سنت کو خالص کرنے کے لیے ہمیں انہیں جیسے رجال پر اعتماد کرنا ہے۔

کتب سنت آج وسیع پیمانے پر دستیاب ہیں۔ یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے امت مسلمہ کے لیے ان کے دین کو مکمل محفوظ رکھا اپنے اس وعدے کے ذریعہ جس کا ذکر قرآن کریم میں ہے:

﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾ (الحجر: ۹)

”ہم نے ہی اس ذکر کو نازل فرمایا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت فرمائیں گے۔“

اس موقع پر میں ایک نقطہ ضرور بیان کرنا چاہوں گا وہ یہ کہ مندرجہ بالا آیت جب یہ بیان کرتی ہے (ہم نے ہی اس ذکر کو نازل فرمایا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت فرمائیں گے) تو کچھ لوگ جنہیں سنت میں مہارت حاصل نہیں اور نہ ہی وہ اسے کچھ اہمیت دیتے ہیں وہ اس غلط نقطہ نظر کے حامی ہیں کہ اس آیت میں جو حفاظت الہی کا وعدہ فرمایا گیا ہے وہ صرف قرآن مجید کے ساتھ خاص ہے۔ تو میں کہوں گا بالکل اللہ تعالیٰ نے ذکر کا لفظ استعمال کیا ہے جس کے ذریعہ اس نے قرآن کریم کے الفاظ کو محفوظ رکھنے کا وعدہ فرمایا ہے لیکن بہر حال اس نے اس کے معنی، بیان و تشریح کی حفاظت سنت نبوی ﷺ کے ذریعہ کی ہے۔

اس لیے محدثین کرام کے بغیر سنت کے تصفیہ کا یہ عمل بوجہ احسن پایہ تکمیل تک پہنچانا ناممکن ہے۔ کیونکہ یہ ایک امر لازم ہے کہ قرآن مجید کا سنت صحیحہ سے بے نیاز رہ کر صحیح فہم حاصل نہیں کیا جاسکتا اگر ایسا نہ کیا گیا تو مسلمان انہیں گمراہیوں کا شکار ہو جائیں گے، جن گمراہیوں کا ان سے پہلے ماسوائے فرقہ ناجیہ کے لوگ شکار ہوئے۔ یہ اس لیے کہ قرآن مجید سے متعلق عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے: ”قرآن حکیم کی تفسیر کئی ایک طریقوں سے ہو سکتی ہے۔“ اسی بنا پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ﴾ (النحل: ۴۴)

”یہ ذکر (کتاب) ہم نے آپ کی طرف اتارا ہے کہ لوگوں کی جانب جو نازل

فرمایا گیا ہے آپ اسے کھول کھول کر بیان کر دیں۔“

یعنی ہم نے اے محمد ﷺ آپ کی طرف ذکر نازل فرمایا تاکہ آپ ﷺ اپنی سنت کے ذریعے بیان کر دیں اور وضاحت فرمادیں جو ان کی طرف نازل کیا گیا۔ چنانچہ یہ آیت دو چیزوں کی طرف اشارہ کرتی ہے ایک قابل وضاحت و قابل تفسیر چیز اور دوسری اس قابل تفسیر چیز کی تفسیر و وضاحت کرنے والے مفسر۔ لہذا وہ قابل تفسیر چیز قرآن مجید ہے جسے بطور ”ذکر“ بیان کیا گیا اور مفسر رسول اللہ ﷺ ہیں کہ جو اس آیت کے مخاطب ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

قرآن فہمی کا سنت اور وہ بھی صرف سنت صحیحہ کے علاوہ اور کوئی درست طریقہ نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے دو چیزوں سے خبردار کیا تا کہ اس تفسیر کو کما حقہ اور صحیح طور پر کیا جاسکے۔ ان میں سے پہلی چیز جس سے اپنی امت کو خبردار کیا وہ نبی ﷺ کی طرف ایسی بات منسوب کرنا ہے جو آپ نے نہ کہی ہو چنانچہ ایک متواتر حدیث میں ہے کہ:

((من کذب علی متعمدا فالیتبوا مقعده من النار))

”جس نے مجھ پر قصداً جھوٹ بولا اسے چاہیے کہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں پکڑ لے۔“

دوسری روایت میں ارشاد فرمایا:

((من قال علی مالہ اقل فالیتبوا مقعده من النار))

”جس نے میری طرف ایسی بات منسوب کی جو میں نے نہیں کہی تو یقیناً اسے

چاہیے کہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں پکڑ لے۔“ ❶

یہ وہ پہلا مسئلہ تھا جس سے نبی کریم ﷺ نے امت کو متنبہ فرمایا، دوسری چیز جس کی طرف امت کو توجہ دلائی وہ یہ ہے کہ جس طرح قرآن کریم کی طرف رجوع لازم ہے بالکل اسی طرح سنت کی طرف بھی رجوع لازم ہے۔ اسی بناء پر آپ ﷺ کا فرمان ہے:

”میں تم میں سے کسی کو نہ پاؤں اس حال میں کہ وہ اپنی مسہری سے ٹیک لگائے

بیٹھا ہو اور اس کے سامنے میرا امر یا نہی پہنچے تو وہ یہ کہے کہ میں نہیں جانتا ہم

جس کو کلام اللہ میں حلال پائیں گے صرف اسے حلال جانیں گے اور جسے کلام

اللہ میں حرام پائیں گے صرف اسے حرام جانیں گے۔ خبردار میں قرآن اور اس

کی مثل (حدیث) دیا گیا ہوں اور آگاہ ہو جاؤ کہ جسے اللہ کے رسول ﷺ

نے حرام قرار دیا وہ ایسا ہی ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے خود حرام قرار دیا۔“ ❷

❶ دونوں روایتیں بخاری کی ہیں: ۱/۸۴، ابوداؤد: ۱۰۳۶/۳۔

❷ احمد: ۱۳۲/۴، ابوداؤد: ۵۰۶۴، ترمذی: ۳۶۶۲، شیخ احمد شاکر اس پر ”الرسالۃ“ للشافعی کی تعلیقات کے موقع پر ایک تفصیلی بحث کی ہے۔ رقم: ۱۹۔

ان دونوں امور یعنی جن سے ہمیں رسول اللہ ﷺ نے متنبہ فرمایا کہ باہم یکجا کرنے سے ہمیں وہ علاج و حل نصیب ہوگا جو رسول اللہ ﷺ نے ہر جانب سے مسلط ہونے والی ذلت و رسوائی سے نجات حاصل کرنے کے لیے تجویز فرمایا۔ یہ پہلے مرحلے ”تصفیہ“ کا بیان تھا۔ دوسرا مرحلہ جو علمائے کرام کے سابقہ بیان کردہ تصفیہ کا عمل کر لینے کے بعد شروع ہوگا، وہ ”تربیہ“ ہے۔ انہیں لازماً اس ”تربیہ“ کے عمل کے ساتھ اپنے خاندانوں اور ماتحت لوگوں کی اسی خالص منہج پر تربیت کرنی ہوگی۔ یہ اس لیے بھی ضروری ہے کہ کہیں ان کا شمار ان لوگوں میں نہ ہو جائے جو وہ کہتے ہیں کرتے نہیں کیونکہ ہمارے رب کا فرمان مبارک ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ ۚ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ

اللَّهِ أَنْ تَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ﴾ (الصف: ۲-۳)

”اے ایمان والو! تم وہ بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں، تم جو کرتے نہیں اس کا کہنا اللہ کو سخت ناپسند ہے۔ اسی وجہ سے ہم دیکھتے ہیں کہ ان لوگوں کے لیے سخت وعید ہے جو اپنے علم کے مطابق عمل نہیں کرتے۔“

”اس امت کو بشارتیں دے دو کہ اللہ تعالیٰ انہیں عروج بخشے گا اور انہیں دنیا میں غلبہ عطا فرمائے گا۔ پس جو شخص بھی حصول آخرت والا عمل دنیاوی مقاصد و مفادات کے لیے سرانجام دے گا اس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔“^①

اس حدیث سے ہم پر یہ واجب ہوتا ہے جب ہم اپنے اس خالص شدہ دین پر عمل پیرا ہوں تو ہمارا عمل خالصتاً اللہ کی رضا کے لیے ہونا چاہیے جیسا کہ ہمارے رب کریم کا فرمان ہے:

﴿وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ حُنَفَاءَ﴾ (البینہ: ۵)

”اور انہوں کو حکم ہی نہیں دیا گیا تھا مگر اس بات کا کہ وہ اللہ کی عبادت کریں،

دین کو اس کے لیے خالص کرتے ہوئے۔“

میں اس تقریر کے اختتام پر یہ کہنا چاہوں گا کہ ہمیں ترقی کے اس سفر میں تمام محارم سے

① تخریج پہلے گزر چکی ہے، دیکھئے۔ حوالہ رقم: ۱۴

اجتناب کرنا ہوگا جن سے آپ سب واقف ہیں اور جن کی کچھ مثالیں ہم پہلے بیان کر آئیں ہیں، جیسے شرک، قتل، سود وغیرہ وغیرہ۔

میں اس موقع پر اس پہلی بیماری کا ذکر کرنا چاہوں گا جو رسول اللہ ﷺ نے ”بیع عینہ“ والی حدیث میں بیان کی کیونکہ یہ بیماری بعض اسلامی ممالک میں بہت پھل پھول رہی ہے اور دوسری جانب لوگوں کی اکثریت اللہ تعالیٰ کے فرمان کے بموجب: ﴿لَا يَعْلَمُونَ﴾ ”نہیں جانتے۔“

بیع عینہ:

بیع عینہ ایک قسم کا سودی معاملہ ہے جو حرام ہے لیکن بد قسمتی سے کچھ لوگ اس میں ملوث ہیں اور وہ اس زعم میں مبتلا ہیں کہ یہ شرعاً جائز ہے۔ بیع عینہ علماء میں معروف ہے جو ”عین“ سے مشتق ہے یعنی ((عین الشئ)) ”اصل چیز یا متعین شے“

مثلاً ایک شخص ایک گاڑیوں کے بیوپاری شخص کے پاس آتا ہے اور کچھ معلومات حاصل کرنے کے بعد گاڑی خرید لیتا ہے۔ اس نے یہ گاڑی اقساط پر خریدی ہے نقد پر نہیں۔ فرض کریں کہ اس نے گاڑی بیس ہزار میں خریدی اب وہ شخص جس نے گاڑی اقساط پر خریدی دوبارہ گاڑیوں کے بیوپاری شخص کے پاس آتا ہے اور اسے وہی گاڑی نقد پر فروخت کرنے کی پیشکش کرتا ہے۔ اب جو گاڑیوں کا بیوپاری تھا وہ یہ بھانپ گیا کہ اس شخص کو گاڑی نہیں بلکہ پیسوں کی ضرورت ہے۔ آخر کار یہ دونوں فریق گاڑی کی اٹھارہ ہزار قیمت پر متفق ہوئے۔ چنانچہ وہ شخص جس نے گاڑی اقساط پر خریدی تھی اپنی گاڑی دوبارہ اٹھارہ ہزار میں بیچ دی۔ اس طرح وہ شخص اب بیس ہزار قرض کی ذمہ داری لے کر چلا گیا جبکہ فی الحقیقت اس نے صرف اٹھارہ ہزار ہی لیے تھے۔ بیع عینہ کے اس معاملہ سے نبی کریم ﷺ نے منع فرمایا ہے۔ سو یہ ان لوگوں پر بالکل واضح ہو جانا چاہیے جو اپنی خواہشات کے پیرو نہیں یا کم از کم بیع عینہ میں ملوث نہیں کہ اس کاروبار کی اصل حقیقت یہ ہے کہ قرضدار کے ذمہ اس کی وصول کی گئی رقم سے زیادہ واجب الادا ہوتا ہے۔ لہذا اس میں اور سود کو تجارت قرار دینے میں کوئی فرق نہیں کیونکہ اگر وہ شخص جاتا اور کہتا: ”مجھے اٹھارہ ہزار قرض دو میں تمہیں بیس ہزار ادا کروں گا“

تو موجودہ دور کے مسلمان بھی الحمد للہ اسے یقیناً سود قرار دیتے اور وہ ایسا کیوں کرتے؟ کیونکہ قرضدار پر جو رقم واجب الادا ہے وہ اس رقم سے زیادہ ہے جو اس نے حاصل کی، تو اس میں اور بیع عینہ میں کیا فرق رہا؟ درحقیقت یہ فروخت کا معاملہ حیلہ ہے سود کو حلال کرنے کا۔ یہ تو وہی حرکت ہے جس سے ہمیں رسول اللہ ﷺ نے اپنی بہت سے احادیث میں تنبیہ فرمائی ہے۔ اسی لیے نبی اکرم ﷺ نے ہمیں گزشتہ امتوں کے نقش قدم پر گامزن ہونے سے منع فرمایا ہے، اور بالخصوص یہودیوں کا ذکر کیا۔

یہودی کی روش:

مثلاً اللہ تعالیٰ نے ان پر چربی حرام قرار دی۔ قرآن کریم میں ہے کہ:

﴿فَبَطُلُمْ مِّنَ الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبَاتٍ أُحِلَّتْ لَهُمْ﴾ (النساء: ۱۶۰)

”جو نفیس چیزیں ان یہودیوں پر حلال کی گئی تھیں وہ ہم نے ان کے ظلم کے

باعث ان پر حرام کر دیں۔“

یعنی ہم نے کچھ اچھی چیزیں ان پر حرام قرار دیں جو پہلے ان پر حلال تھیں۔ انہیں مفید چیزوں میں سے قرآن کریم کے اس حکم کے بموجب چربی ان پر حرام کی گئی جس کے بیان میں پہلے ایک حدیث پیش کی جا چکی ہے:

”اللہ تعالیٰ نے یہودیوں پر لعنت کی اس سبب سے کہ ان پر چربی حرام کی گئی

تھی۔ مگر انہوں نے اسے پگھلا کر اس کی خرید و فروخت شروع کر دی۔ پس

خبردار! اللہ تعالیٰ جب کسی چیز کا کھانا لوگوں پر حرام کر دیتا ہے تو اس کی تجارت

اور کمائی بھی حرام کر دیتا ہے۔“

یہاں پر ہم دیکھتے ہیں کہ یہودیوں نے ایک شرعی حکم یعنی حرمت شحم (چربی) کے ساتھ کھلواڑ کیا۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ علیم و حکیم ہے کہ جس نے یہودیوں کی نافرمانیوں کے سبب ان پر چربی حرام کر دی پھر جب کوئی یہودی کسی فریبہ بھیڑیا بکری کو ذبح کرتا تو صرف اس کا سرخ گوشت کھاتا اور اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں چربی کو پھینک دیتا۔ مگر وہ اس حکم شرعی پر زیادہ عرصہ

صبر نہ کر پائے اور انہوں نے اسے حلال کرنے کے لیے ایک حیلہ ایجاد کر لیا۔ پس انہوں نے اسے پگھلا دیا اور یہی معنی ہے رسول اللہ ﷺ کے اس قول کا کہ ”انہوں نے اس کی محض ظاہری صورت و ہیئت بدل ڈالی۔“ انہوں نے اسے برتنوں میں بھر کر اور نیچے سے آگ لگا کر پگھلایا جس کی وجہ سے چربی کی ظاہری صورت تبدیل ہو گئی یعنی مثل پانی مایہ ہو گئی۔ بعد ازیں شیطان نے یہودیوں کے دل میں وسوسہ اندازی کی اور ان کی نظر میں اس عمل کو اس طور پر حسین بنا کر پیش کیا کہ یہ چربی اب چربی کہلانے کے لائق ہی نہ رہی۔ جبکہ وہ اس بات کا بخوبی شعور رکھتے تھے کہ یہ اب بھی اپنی فطرت، ترکیب اور ذائقہ میں چربی ہی ہے۔ اس مشہور مہادرے کے مانند جو بعض ممالک میں بولا جاتا ہے ((غیر و الشکل لاجل الاکل)) ”محض اسے کھانے کی خاطر اس کی شکل تبدیل کر دی گئی“ لیکن اس تبدیلی سے انہوں نے اس چیز کو حلال بنایا جسے اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے یہودیوں کا اللہ کی حرام کردہ چیز کو حلال بنانے والے حیلے کا قصہ اور اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کا ہفتہ والے دن مچھلیاں شکار کرنے کا حیلہ جو کہ انہوں نے ساحل پر جال بچھا کر اختیار کیا جیسا کہ تفاسیر میں مذکور ہے اس لیے بیان نہیں کیے کہ یہ محض تاریخی واقعات ہیں، بلکہ یقیناً یہ اس لیے بیان ہوئے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةً لِّأُولِي الْأَلْبَابِ.....﴾ (یوسف: ۱۱۱)

”ان کے بیان میں عقل والوں کے لیے یقیناً نصیحت و عبرت ہے۔“

چنانچہ مندرجہ بالا دونوں قصوں سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ ہم ہرگز اس چیز کے مرتکب نہ ہوں اور ہرگز ایسے حیلے نہ تراشیں جن سے محارم الہی کے قریب جایا جاسکے۔ چنانچہ بیع عینہ رسول اللہ ﷺ کی زبانی حرام قرار دے دی گئی ہے تاکہ ہم مسلمان ایسے حیلے نہ ایجاد کریں کہ حرام شئی یعنی سود کے قریب جایا جاسکے۔ وہ اس طرح کہ واجب الادا رقم لیے گئے قرض سے زیادہ وصول کی جائے اور اس کے ظاہر کو تجارت کی صورت میں چھپا لیا جائے جس طرح کے یہودیوں نے چربی کی ظاہری صورت تبدیل کی تھی۔ یہاں آپ کو یہ جاننا چاہیے بہت سے علماء بیع عینہ کی حرمت کے قائل نہیں اور ان میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو اس حدیث کو صحیح

نہیں مانتے کیونکہ علمِ حدیث ان کا تخصص نہیں اس بیع کے جواز میں محض لفظ ”بیع“ (تجارت) کے استعمال سے دلیل پکڑتے ہیں حالانکہ اہل علم جانتے ہیں کہ مجرد لفظ بیع کا کسی معاملے میں وارد ہونا اس معاملہ کو بیع (تجارت) نہیں بناتا الا یہ کہ شریعت میں اس کی حرمت وارد نہ ہوئی ہو۔ اگر ہم دوبارہ اس حدیث کی طرف رجوع کریں تو ہم پائیں گے کہ نبی اکرم ﷺ نے جس پہلی بیماری کا ذکر فرمایا وہ بیعِ عینہ ہی تھی۔ دیگر بیماریوں میں سے اس دنیا کی محبت اور اللہ کی راہ میں جہاد کا ترک کر دینا ہے۔ چنانچہ ہمیں اس حدیث سے یہ سبق ملتا ہے کہ کہیں ہم خود وہی اعمال نہ کرنے لگ جائیں جن سے لوگوں کو روکتے ہیں یا پھر جن کا ذکر رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں فرمایا اگر ہم وہ مقام و مرتبہ دوبارہ بحال کرنا چاہتے ہیں جو ہمارے رب نے ہمیں عطا کیا ہے تو یہ انتہائی ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمانِ عالی شان ہے:

﴿.....وَلِلَّهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ.....﴾ (المنافقون: ۸)

”سنو! عزت تو صرف اللہ تعالیٰ کے لیے اور اس کے رسول کے لیے اور ایمانداروں

کے لیے ہے۔“

میری یہی کچھ گزارشات تھیں ان مفید سوالات کے جواب میں جو اس مبارک محفل میں کیے گئے جو قرآن و سنت کی محفل ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دست بدعا ہیں کہ وہ ہمیں اور آپ سب کو قرآن و سنت صحیحہ اور فہمِ سلف صالحین کی روشنی میں اسلام کا صحیح فہم عطا فرمائے۔ میں اللہ تعالیٰ ہی سے سوال کرتا ہوں کیونکہ وہ الصَّمَدُ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ ہے کہ وہ ہماری دعاؤں کو اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت سے نواز دے اور ہمیں ہمارے دشمنوں پر نصرت عنایت فرمائے۔

انہ سمیع مجیب والحمد للہ رب العالمین .

((إِنَّ الْحَمْدَ لِلَّهِ نَحْمَدُهُ وَنُسْتَعِينُهُ ❶، وَنَسْتَغْفِرُهُ ❷، وَنَعُودُ بِاللَّهِ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا ❸ وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا ❹، مَنْ يَهْدِهِ اللَّهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ يَضِلَّ فَلَا هَادِيَ لَهُ وَأَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ ❺))

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ﴾ ❻

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً ٥ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ ط

إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا ٦﴾

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ٥ يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَ يُغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا ٥﴾ ❸

أَمَّا بَعْدُ : فَإِنَّ خَيْرَ الْحَدِيثِ كِتَابُ اللَّهِ وَخَيْرُ الْهُدَى هُدَى مُحَمَّدٍ (صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) وَشَرُّ الْأُمُورِ مُحَدَّثَاتُهَا ، فَإِنَّ كُلَّ مُحَدَّثَةٍ بِدْعَةٌ ❹ وَكُلَّ

بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ ، وَيَحِلُّ ضَلَالَةٌ فِي النَّارِ)) ❺

- محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

ترجمہ خطبہ مسنونہ

بلاشبہ سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں۔ ہم اس کی تعریف کرتے ہیں۔ اس سے ہم مدد مانگتے اور اسی سے بخشش طلب کرتے ہیں۔ ہم اپنے نفسوں کے شر اور اپنی بد اعمالیوں سے اللہ کی پناہ میں آتے ہیں۔ جسے اللہ (سیدھی) راہ سمجھا دے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جسے وہ گمراہ کر دے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں (ہو سکتا۔) میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

”اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے۔ اور تمہیں موت نہ آئے مگر اس حال میں کہ تم مسلمان ہو۔“..... ”اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور (پھر) اس (جان) سے اس کی بیوی کو پیدا کیا۔ پھر ان دونوں سے بہت سارے مرد اور عورتیں پیدا کر کے (زمین پر) پھیلا دیے۔ اور ڈرو اللہ سے کہ جس کے نام پر تم ایک دوسرے سے (حاجت براری کے لیے) سوال کرتے ہو اور ناطہ توڑنے سے (بھی ڈرو) بلاشبہ اللہ تمہارے اوپر نگہبان ہے۔“

”اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور بات سیدھی (سچی) کہا کرو۔ (ایسا کرو گے تو) اللہ تمہارے اعمال کی اصلاح کر دے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔ اور جس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (ﷺ) کی اطاعت کی، اس نے بڑی کامیابی حاصل کی۔“

حمد و صلوة کے بعد: یقیناً تمام باتوں سے بہتر اللہ کی کتاب ہے۔ تمام طریقوں سے بہتر طریقہ محمد (رسول اللہ ﷺ) کا ہے۔ اور تمام کاموں سے بدترین کام وہ ہیں جو (دین اسلام میں) اپنی طرف سے وضع کیے جائیں۔ دین میں ہر نیا کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ گمراہی کا انجام جہنم کی آگ ہے۔“

ہم قرآن مجید کی ایک آیت سے اپنی گفتگو کا آغاز کرتے ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ
بِإِحْسَانٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي
تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ﴾

(التوبہ: ۱۰۰)

”اور مہاجرین اور انصار میں سے وہ پہلے جو ایمان میں سبقت کرنے والے ہیں اور وہ لوگ جنہوں نے اخلاص کے ساتھ ان کی پیروی کی اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ لوگ اللہ سے راضی ہو گئے اور اللہ نے ان کے لیے ایسے باغات تیار رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں وہ لوگ ان میں ہمیشہ ہمیش رہیں گے یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔“

کون سی دعوت صحیح ہے اور کون سی دعوت صحیح نہیں ہے اس کی پہچان کے لیے یہ آیت کریمہ ایک اساس اور بنیاد کی حیثیت رکھتی ہے کیونکہ اس آیت میں اس بات کی رغبت دلائی گئی ہے کہ سلف صالحین کی پیروی کرو اور انھیں کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کرو اور سلف صالحین سے مراد یہاں صحابہ کرام ہیں لہذا ان کی پیروی کرنا گویا رسول اللہ ﷺ کی پیروی کرنا ہے اور صحیح منہج یعنی کتاب و سنت کو لازم پکڑنا ہے۔ یہی بات ﴿وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ﴾ میں بتائی گئی ہے۔ یعنی جن لوگوں نے خلوص و للہیت کے ساتھ انصار و مہاجرین کی پیروی کی اور انہیں کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کی مطلب یہ ہے کہ جس طرح سلف صالحین نے کتاب و سنت کو سمجھا ہے اسی طرح کتاب و سنت کو سمجھا جائے اور انہی دونوں کو لازم پکڑ کر انہی کے مطابق اپنی عملی زندگی کو ڈھالا جائے یہی سلفی دعوت ہے۔

① دراصل یہ کتاب شیخ البانی رحمہ اللہ کا محاضرہ ہے جس کو افادہ عام کی خاطر کیسٹوں سے جمع کر کے کتابی شکل دے دی گئی ہے۔

سلفی دعوت کی اصطلاح کب سے رائج ہوئی؟

آج سے پہلے بھی بعض علماء نے اپنی دعوت کا نام ”سلفی دعوت“ رکھا تھا۔ اسی منہج پر قائم رہتے ہوئے آج بھی بعض علماء کرام نے اپنی دعوت کا نام ”سلفی دعوت“ رکھا ہے یہی سلفی دعوت کہیں ”انصار السنہ المحمدیہ“ کے نام سے معروف ہے جبکہ بعض دوسری جگہ یہی دعوت اہل حدیث کے نام سے مشہور ہے۔ یہ سارے مختلف اسماء ایک ہی معنی و مفہوم پر دلالت کرتے ہیں۔

فضیلۃ الشیخ عمرو عبدالمعظم سلیم فرماتے ہیں کہ جب اسم صفت کے موافق ہو تو اس وقت رسم کا کوئی اثر نہیں ہوتا ہے بلکہ اصل صفت ہی ہوتی ہے۔ اب اگر کوئی شخص سنت محمدیہ کی طرف منسوب کر کے ”انصار السنہ المحمدیہ“ کہے یا سلفی یا اہل حدیث کہے تو کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ مقصود و مطلوب رسول اللہ ﷺ کی سنت کی پیروی ہے لیکن اگر سنت محمدیہ کے مطابق عمل نہیں ہے تو ان ناموں کے رکھنے سے کوئی فائدہ نہیں ہے بلکہ محض جھوٹا دعویٰ ہے اور یہ باطل ہے اور یہ بات سب کو معلوم کہ اہل حدیث کی بنیاد کتاب و سنت کے عمل پر قائم ہے، یہ الگ بات ہے کہ پہلے بھی کچھ ایسی جماعتیں تھیں اور آج بھی ہیں جو اس واضح معنی و مفہوم سے یا تو غافل ہیں یا اگر غافل نہیں ہیں تو کم از کم اسے وہ حق نہیں دیتی ہیں جو دینا چاہیے تھا۔ مذہب بندی کے بارے میں سلفی موقف:

تیسری صدی تک تقلید کا تصور نہیں تھا بلکہ اس وقت تک لوگ ٹھیک کتاب و سنت کے اصول اور منہج پر قائم تھے اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے اپنے مبارک ارشاد میں تیسری صدی تک کے لوگوں کو خیر اور رشد و ہدایت پر قائم رہنے کی گواہی دی ہے جیسا کہ آپ ﷺ فرماتے ہیں:

((خیر القرون قرنی ثم الذین یلونہم ثم الذین یلونہم .))

یعنی سب سے بہترین زمانہ میرا زمانہ ہے پھر وہ لوگ جو ان کے قریب ہیں، پھر وہ لوگ جو ان کے قریب ہیں۔“

تیسری صدی کے بعد تقلید شخصی کا رجحان پیدا ہوا، پھر یہ رجحان اتنا قوی ہو گیا کہ لوگ اسی کو اصل دین تصور کرنے لگے اور اسی پر جمے ہوئے ہیں اور حیرت ہے کہ آپ کو اہل سنت و جماعت بھی کہتے ہیں جبکہ اہل سنت و جماعت میں فرقہ بندی نہیں ہے یہ ان بہتر فرقوں کے علاوہ ہیں جن کا ثبوت اس آنے والی حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ یہود اکہتر فرقوں میں بٹ گئے اور نصاریٰ بہتر فرقوں میں اور میری امت بہتر فرقوں میں بٹے گی، یہ سب کے سب جہنمی ہوں گے سوائے ایک جماعت کے، لوگوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ یہ جماعت کون ہے؟ آپ نے فرمایا: یہی جماعت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے دوسری روایت میں اس کو واضح کر دیا کہ یہ وہ جماعت ہے جس پر میں ہوں اور میرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں۔ یہ حدیث صحیح ہے۔

شیخ عمرو عبدالمعظم سلیم مذکورہ بالا کلام کی توضیح یوں فرماتے ہیں کہ جب شیخ البانی رحمہ اللہ سلفی دعوت کی اصطلاح اور اجل نام کے بیان سے فارغ ہو گئے تو اب یہاں سلفی دعوت کے اصول و مبادی کا ذکر کر رہے ہیں اور فرماتے ہیں کہ سلفی دعوت کا سب سے اہم اور بنیادی اصول یہ ہے کہ یہ دعوت مذہبی تعصب اور اس پر پتھر کی چٹان کی طرح جے رہنے کو غلط قرار دیتی ہے اور یہ واضح کرتی ہے کہ ”سلفیت“ صرف اس بات کا نام نہیں ہے کہ صرف عقیدہ میں منہج سلف پر قائم رہا جائے بلکہ یہ اس سے زیادہ وسیع معنی رکھتی ہے کیونکہ یہ دعوت اعتقادات ہوں یا عبادات، احکام ہوں یا معاملات تمام میں منہج سلف کے مطابق قائم رہنے کی دعوت دیتی ہے، یہ دعوت دیتی ہے کہ کتاب و سنت کو لازم پکڑا جائے اور سلف صالحین جیسا عمل اختیار کیا جائے اور کتاب و سنت کے نصوص کو اسی طرح سمجھنے کی کوشش کی جائے جس طرح سلف صالحین نے سمجھا تھا خواہ وہ نصوص عقیدہ کے متعلق ہوں یا عبادات و احکام کے متعلق ہوں۔ یہی اس دعوت کا مطلوب و مقصود ہے۔ نیز اس کا مقصد یہ بھی ہے کہ تقلید، مذہبی تعصب اور فاسد عقیدہ کو مکمل ترک کر دیا جائے۔

ائمہ کرام کو معصوم نہ سمجھا جائے اور جو انہیں معصوم سمجھتا ہے اس کا تصور غلط ہے، یقیناً یہ

تصور ایک بدعتی اور نفس پرست کا تو ہو سکتا ہے لیکن اہل سنت کا کبھی نہیں ہو سکتا اور یہ بھی ذہن میں رہے کہ ہر ایک کو رسول اللہ ﷺ کی پوری حدیثیں نہیں مل سکی تھیں کچھ نہ کچھ ضرور ان سے غائب رہیں۔ حدیثیں نہ ملنے کی وجہ سے انہیں اجتہاد کرنا پڑا اب اگر ان کا اجتہاد درست رہا تو انہیں دوہرا اجر ملا اور اگر اجتہاد درست نہیں رہا تو ایک اجر کے مستحق ہوئے۔ کیونکہ ان کا مقصد صرف حق تک رسائی تھا۔ اب آئیے تقلید کو ترک کرنے کے سلسلے میں ائمہ کرام کے اقوال کو ملاحظہ فرمائیے:

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں ایک انسان ہوں میرے اندر خطا اور صواب دونوں کا امکان ہے لہذا میری رائے کو دیکھو اگر وہ کتاب و سنت کے موافق ہے تو اسے لے لو، ورنہ اسے چھوڑ دو۔^①

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جب تم میری کتاب میں سنت رسول ﷺ کے خلاف کوئی چیز پاؤ تو اس کو چھوڑ دو اور رسول اللہ ﷺ کی سنت کو لے لو۔^②

امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: تم اپنے دین میں ان میں سے کسی کی تقلید نہ کرو جو کچھ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب سے ثابت ہے اسے لے لو ورنہ چھوڑ دو۔^③

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے منقول ہے آپ فرماتے ہیں: اے یعقوب! مجھ سے سن کر تمام چیزوں کو مت لکھا کرو کیونکہ میں آج کوئی رائے دیتا ہوں اور کل اسے چھوڑ دیتا ہوں۔^④

تفرقت الیہود علی احدى وسبعین فرقة الخ الحديث . شیخ عمرو عبدالمعتم سلیم اس حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں کہ: اس حدیث کو ابو ہریرہ، معاویہ بن ابی سفیان، عبد اللہ عمرو بن عاص، سعید بن ابی وقاص، عوف بن مالک، انس بن مالک، عمرو بن عوف، ابوامامہ، ابن مسعود اور صحابہ کی ایک جماعت نے روایت کیا ہے۔ یہ حدیث صحیح اور

① جامع بیان العلم وفضله: ۳۲/۲.

② اخرجه البيهقي في "مناقب الشافعي" ۴۷۲/۱. بسند صحيح.

③ مسائل احمد لأبي داود السجستاني (۱۲۹۳).

④ اخرجه الدوري في التاريخ (۲۶۱) والخطيب البغدادي في "تاريخ بغداد" ۴۲۴/۱۳، بسند صحيح.

ثابت ہے پہلے لفظ کے ساتھ یعنی ”كلها في النار إلا واحدة“ تک جن علماء کرام نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے وہ حاکم اور ذہبی ہیں۔ حافظ ابن حجر نے اس کو حسن قرار دیا ہے اور علامہ شاطبی نے بھی ”الإعتصام“ میں اس کو ”حسن“ کہا ہے علامہ ابن تیمیہ نے اس کو صحیح مشہور کہا ہے۔ البتہ بعض معاصر علماء نے اس کے متن میں کچھ اشکال پیدا کیا ہے لیکن محققین علماء کرام نے اس کا بھی بہترین جواب دیا ہے۔ رہا حدیث کا دوسرا لفظ جو اس حدیث کے آخر میں ”جماعت“ کی تفسیر کے طور پر وارد ہوا ہے وہ لفظ یہ ہے: ”هي التي تكون على ما أنا عليه وأصحابي“ تو یہ لفظ عبد اللہ بن عمرو بن عاص، عوف بن مالک اور صحابہ کی ایک جماعت کی روایت میں وارد ہے مگر اس کی سند ضعیف ہے۔ علامہ عمرو بن المنعم سلیم نے اپنی کتاب ”أصول أهل الحديث“ میں اس پر بڑی تفصیل سے بحث کی ہے۔ نیز کسی بھی صحیح روایت میں یہ نہیں ثابت ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ ﷺ سے حدیث میں وارد لفظ ”جماعت“ کے معنی و مفہوم کے متعلق سوال کیا ہو؟ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس لفظ کا معنی و مفہوم صحابہ کرام کو معلوم تھا کیونکہ یہ بات فہم سے بعید ہے اور مستحیل بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ناجی جماعت کا راستہ کسی ایسے مبہم لفظ سے بتائیں جو لفظ صحابہ کرام کے نزدیک معروف نہ ہو اور یہ بھی مستحیل ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس مبہم لفظ کو سن کر خاموس رہیں اور اس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے سوال نہ کریں۔ احادیث صحیحہ، فہم صحابہ اور علماء سلف کے اقوال کو دیکھنے سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ حدیث میں وارد لفظ ”جماعت“ سے مراد اہل فقہ، اہل علم، اہل حدیث اور متبعین سنت ہیں۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے ”الجامع“ ۳۴۷/۴ میں کہا ہے کہ اہل علم کے نزدیک جماعت سے مراد: ”أهل الفقه والعلم الحديث“ ہے۔ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ میں جارود بن معاویہ سے سنا، وہ کہتے ہیں کہ میں نے علی بن حسن سے سنا، وہ کہتے ہیں کہ میں نے عبد اللہ بن مبارک سے سنا: جماعت سے مراد کون لوگ ہیں؟ تو انہوں نے جواب دیا: ابو بکر و عمر ہیں۔ ان سے کہا گیا کہ: ابو بکر و عمر تو فوت ہو چکے ہیں تو کہا: فلاں و فلاں ہیں۔ پھر کہا گیا کہ: فلاں و فلاں بھی وفات پا چکے ہیں تو عبد اللہ بن

مبارک نے کہا: ابو حزرہ سکری جماعت ہیں۔ ابو عیسیٰ کہتے ہیں: ابو حزرہ محمد بن میمون ہی ہیں۔ یہ ایک صالح شیخ تھے، یہ بات انہوں نے ان کی حیات مبارکہ میں کہی تھی۔ میں کہتا ہوں کہ اس بات کی تصدیق اس روایت سے ہوتی ہے جس کو ابن عساکر نے ”تاریخ دمشق“ میں ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں: ((الجماعة ما و دافق الحق وإن كنت وحدك)) جماعت وہی ہے جو حق کے موافق ہو اگرچہ وہ ایک فرد ہی کیوں نہ ہو۔

کتاب و سنت کی طرف محض نسبت اور ان دونوں پر عمل کے درمیان بہت بڑا فرق ہے:

علامہ البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث واضح اور صریح انداز میں اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ نجات پانے والی جماعت انہیں تہتر فرقوں میں سے ہوگی جن کی رسول اللہ ﷺ نے اس امت میں واقع ہونے کی خبر دی ہے اور بلاشبہ آپ ﷺ کی خبر سچ ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے:

﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۚ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ﴾ (النجم: ۴۸۳)

”اور وہ نفسانی خواہشات سے بات نہیں کرتے ہیں، بلکہ وہ ایک وحی ہوتی ہے جو ان کی طرف بھیجی جاتی ہے۔“

لہذا فرقہ ناجیہ سے مراد وہ جماعت ہر گز نہیں ہے جو اپنی نسبت کتاب و سنت کی طرف تو ضرور کرتی ہے لیکن ان کے مطابق اس کا عمل نہیں ہوتا جیسا کہ اس دور میں بہت سی جماعتیں کر رہی ہیں کہ اپنی نسبت تو ضرور کتاب و سنت کی طرف کرتی ہیں لیکن کتاب و سنت سے کوسوں دور رہتی ہیں اور اپنی نسبت کتاب و سنت کی طرف صرف اس لیے کرتی ہیں تاکہ لوگ اسے مسلمان سمجھیں ورنہ اگر ان کی طرف نسبت نہ ہو تو پھر اسلام سے خارج ہونے کا الزام لگ جائے گا۔ اس لیے آپ ہر فرقے کو دیکھیں گے کہ وہ اپنے آپ کو کتاب و سنت ہی کی طرف منسوب کرتا ہے۔

شیخ عمر عبد المنعم سلیم کہتے ہیں: یہ مسئلہ انتہائی اہم اور نازک ہے کہ لوگ اپنی نسبت تو کتاب و سنت کی طرف تو ضرور کرتے ہیں لیکن ان کا عمل کتاب و سنت کے مطابق نہیں ہوتا ہے۔ یہ تو ان کا محض دعویٰ ہے اور دعویٰ بغیر دلیل کے باطل ہے اسی طرح وہ لوگ بھی ہیں جو اپنی نسبت سلف صالح کی طرف تو کرتے ہیں حالانکہ ان کا عمل ان کے خلاف ہوتا ہے، یہ بھی محض دعویٰ ہی ہوتا ہے۔

امام برہاری رحمہ اللہ اپنی مبارک تصنیف ”شرح السنۃ“ ص ۵۷ میں فرماتے ہیں: ((لا یحل لرجل أن یقول فلان صاحب سنة، حتی یعلم أنه قد اجتمعت فیہ خصال السنۃ، فلا یقال: صاحب سنة حتی تجتمع فیہ السنۃ کلھا۔)) یعنی کسی شخص کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ یہ کہے کہ فلاں شخص صاحب سنت ہے جب تک اسے یہ نہ معلوم ہو کہ اس کے اندر سنت کی خصلتیں موجود ہیں یعنی وہ تمام سنتوں پر عمل کرتا ہے۔ عبد اللہ بن مبارک کہتے ہیں کہ: بہتر فرقوں کی اصل چار فرقے ہیں اور انہیں چار فرقوں سے بہتر فرقے وجود میں آتے ہیں وہ چاروں فرقے یہ ہیں: قدریہ، مرجہ، شیعہ، خوارج۔ اب جس نے ابو بکر و عمر، عثمان و علی رضی اللہ عنہم کو دیگر صحابہ کرام پر مقدم کیا ہے اور دوسرے صحابہ کرام کے بارے میں بھی خیر کا گمان کیا ہے اور ان کے حق میں دعاء خیر بھی کیا ہے تو ایسا شخص شیعہ گروپ سے خارج ہو گیا ہے اور جس نے کہا کہ ”ایمان قول و عمل کا نام ہے اور گھٹنا بڑھتا رہتا ہے تو ایسا شخص مرجہ گروپ سے نکل گیا اور جس نے یہ کہا کہ ہر نیک و بد کے پیچھے نماز جائز ہے اور ہر خلیفہ کے ساتھ مل کر جہاد ہے اس نے بادشاہ وقت کے خلاف خروج کو ناجائز سمجھا بلکہ ان کے حق میں خیر کی دعا کرتا رہا تو ایسا شخص خوارج سے نکل گیا اور جس نے کہا کہ ہر تقدیر اللہ کی جانب سے ہے خواہ و تقدیر خیر کی ہو یا شر کی وہ جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے تو وہ قدریہ فرقہ سے نکل گیا۔ اب ایسا شخص صاحب سنت ہے یا نہیں؟

میں (شیخ عمر) کہتا ہوں اس دور میں کتنے ایسے فرقے وجود میں آ گئے ہیں جو اہل سنت

کے اصول و عقائد کو برا تصور کرتے ہیں، بلکہ کتنے ایسے داعی ہیں جو اپنی دعوت میں سلف صالحین کے عقائد اور ان کے منہج کا خیال نہیں کرتے ہیں اور نہ ہی ان کے پاس کتاب و سنت کا وہ فہم ہوتا ہے جو فہم سلف صالحین کے پاس تھا۔ وہ باطل افکار و خیالات اور فاسد دلائل و براہین کی بنیاد پر اصول و اعتقاد میں اختلاف کو جائز قرار دیتے ہیں اور وہ اس منحوس قول پر عمل کرتے ہیں: ((نعمل فیما اتفقنا علیہ، و یعذر بعضنا بعضاً فیما اختلفنا فیہ)) ہم متفق علیہ مسئلے پر عمل کرتے ہیں اور اختلافی امور میں ایک دوسرے کو معذور سمجھتے ہیں۔ اصول و اعتقاد اور منہج کے علاوہ دوسرے مسائل میں تو ممکن ہے کہ اس عبارت کا اعتبار کیا جائے لیکن اعتقادی اور منہجی امور میں اس عبارت کا کوئی اعتبار نہیں۔ آپ خود سوچیں کہ کیا آپ کسی قدر یہ فرقہ کے ساتھ اتفاق کر سکتے ہیں جس کا اعتقاد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندہ کی تقدیر کو نہیں لکھا ہے یعنی ان کا تقدیر پر ایمان ہی نہیں ہے۔ اسی طرح کیا آپ رافضی خبیث کے ساتھ اتفاق کر سکتے ہیں جو اہمات المؤمنین کو گالیاں دیتا ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شخصیات کو مجروح کرتا ہے۔ اسی طرح کسی خارجی فرقہ کے ساتھ کیسے اتفاق کر سکتے ہیں جو لوگوں کو کافر کہتا رہتا ہے اسی طرح کسی مرجہ فرقہ کے ساتھ کیسے اتفاق کر سکتے ہیں جس کا عقیدہ یہ ہے کہ ایمان صرف قول کا نام ہے عمل اس میں داخل نہیں۔ اسی طرح مردود جمیہ فرقہ کے ساتھ کیسے اتفاق کر سکتے ہیں جس کا فاسد عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ معدوم ہے (نعوذ باللہ) یعنی اس کا وجود ہی نہیں ہے۔

سلفی کی حقیقت:

ہم نے شروع میں جن ساتھیوں کا تذکرہ کیا ہے یہ لوگ اگرچہ سلفی کے علاوہ دوسرے ناموں سے بھی مشہور ہیں لیکن یہ سب کے سب دوسرے اسلامی فرقوں سے بہت مختلف ہیں۔ یہ لوگ کتاب و سنت کو مضبوطی سے پکڑے ہوئے ہیں ان کو چھوڑنا تصور بھی نہیں کرتے ہیں یہ لوگ اسی منہج پر قائم ہیں جس پر صحابہ کرام تھے جس پر تابعین و تبع تابعین تھے اور یہ وہ نفوس

قدسیہ تھے جن کے خیر و افضل ہونے کی شہادت خود رسول اللہ ﷺ نے دی تھی مثلاً آپ ﷺ نے فرمایا: ((خیر القرون قرنی ثم الذین یلونہم .)) صحابہ کرام کے پیروکار تابعین پھر ان کے بعد تبع تابعین یہ لوگ اپنی دعاؤں میں کہتے تھے: ((ربنا اغفر لنا ولإخواننا الذین سبقونا بالإیمان .)) ”اے ہمارے رب! تو ہم کو بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی بخش دے جو ایمان کے ساتھ پہلے جا چکے ہیں۔“ اب جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کا شمار بھی ناجی جماعت میں ہو تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ وہی طریقہ اختیار کرے جو صحابہ کرام کا تھا اور اسی طرح عمل کرے جس طرح صحابہ کرام اور تابعین عظام عمل کیا کرتے تھے یہی سلف صالحین ہیں اور ہم انہیں کی اقتداء کرتے ہیں۔ فللہ الحمد والشکر۔

اب جو شخص یہ چاہتا ہے..... الخ۔ علامہ عمرو عبد المنعم سلیم کہتے ہیں کہ شیخ البانی رحمہ اللہ کے اس قول میں کئی مسائل ہیں:

۱: دنیا میں اعمال کی درستی اور آخرت میں نجات اسی وقت ہوگی جب صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین کے نقش قدم کو اختیار کیا جائے کیونکہ یہی تینوں صدی کے لوگ ہیں جن کے خیر و افضل ہونے کی شہادت رسول اللہ ﷺ نے دی ہے اور جو صحیح حدیث میں موجود ہے۔

۲: ضروری ہے کہ سلفیت کی طرف نسبت حقیقی ہو اور حقیقی اسی وقت ہوگی جب صحیح صحیح ان کے نقش قدم کو اختیار کیا جائے محض زبانی نہیں بلکہ عملی طور پر بھی، ایسا نہ ہو کہ ان کے فہم کو چھوڑ کر کسی دوسرے کے فہم کو اختیار کیا جائے جبکہ دوسرے کا فہم صحابہ کرام کے فہم سے بہت مختلف ہے اور آج کے مبلغین اس مرض میں مبتلا ہیں۔

① اس روایت کو احمد نے ۳۲۲، ۳۷۸/۱ میں۔ ابن ابی عاصم (۱۳۶۶) میں، امام بخاری نے ۱۱۸/۴، ترمذی نے (۳۸۵۹) اعش عن ابراہیم النخعی عن عبیدۃ عن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی طریق سے روایت کی ہے، یہی روایت مسلم میں ابن عون عن ابراہیم کی طریق سے ہے۔ (۱۹۶۳)

۳: سلف صالحین کا نقش قدم اختیار کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ان کے کسی شاذ و نادر قول کو مضبوطی سے پکڑ لیا جائے یا ان کا کوئی نادر فہم یہ ہو تو اس کو لے لیا جائے بلکہ مراد ان کا عام فہم ہے اور عام اقوال ہیں۔ اسی طرح ایسا بھی نہیں ہونا چاہیے کہ ان کے اجتہادات کو چھوڑ کر کسی ایسے نئے اجتہادی رائے کو لے لیا جائے کہ اس نئی اجتہادی قول یا رائے کو اس سے پہلے کسی نے نہ کہا ہو۔ امام احمد رحمہ اللہ نے اپنے شاگرد ابو الحسن میمون سے کہا تھا: ((لا تتكلم فی مسألة ليس لك فیہا إمام)) ① ”کسی ایسے مسئلہ میں تم مت بولو جس مسئلہ میں تمہارا کوئی امام نہ ہو یا یعنی اس سے پہلے اس مسئلہ میں کچھ نہ کہا ہو۔ امام احمد رحمہ اللہ نے یہ بھی فرمایا: ((لا یکاد شیء إلا ویوجد فیہ عن أصحاب النبی ﷺ)) ”یعنی کوئی ایسا مسئلہ نہیں ہے مگر اس میں صحابہ کرام کے اقوال ضرور موجود ہیں۔“

۴: سلف صالحین کے انہی اجتہادی اقوال و آراء کو لیا جائے گا جو دلیل کے موافق ہوگا اور جو قول نص کے مخالف ہوگا اس کو چھوڑ دیا جائے گا کیونکہ اس بات کا امکان ہے کہ انھیں نص نہ پہنچی ہو ورنہ جان بوجھ کر وہ لوگ نص کی مخالفت نہیں کرتے تھے۔ اس کے باوجود بھی وہ عند اللہ ماجور ہوں گے کیونکہ اگر مجتہد کے اجتہاد میں بھول چوک ہوگئی ہے تو ایک اجر ہے اور اگر صحیح اجتہاد کیا ہے تو دواجر ہے۔ اسلاف میں سے جنہوں نے بھی نص کی مخالفت کی ہے تو صرف اس بنیاد پر کہ انہیں نص ملی نہیں ورنہ عدا انہوں نے نص کی مخالفت کبھی نہیں کی، البتہ جن مسائل میں علماء کرام سے بھول چوک ہوگئی ہے یا ان سے لغزش ہوگئی ہے ان مسائل کو اگر کسی نے جمع کیا اور اس کو بنیاد بنایا تو گویا اس نے تمام شر کو جمع کیا اور ہلاک ہوگیا۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے سچ فرمایا تھا: ”ثلاث یهد من الإسلام: زلة عالم، جدال منافق بالقرآن، وأئمة مضلون۔“ ②

① مناقب احمد: ابن جوزی: ص ۱۷۸۔

② جامع بیان العلم وفضله: ابن عبد البر ۱۱۰/۲ بسند صحیح۔

تین چیزیں اسلام کو ڈھادیں گی: عالم کی لغزش، منافق کا قرآن سے جدال اور گمراہ ائمہ۔ امام اوزاعی رحمہ اللہ نے کہا: جس نے متعہ کے بارے میں مکہ والوں کے قول کو لیا اور نبیذ کے بارے میں کوفیوں کے قول کو لیا، غناء کے بارے میں مدینہ والوں کے قول کو اور عصمت خلفاء کے بارے میں شامیوں کے قول کو لیا۔ اس نے تمام شرک و جمع کر دیا۔ ❶

❷ عقل کو نقل پر مقدم نہ کیا جائے اور نہ ہی فاسد اور رکیک تاویلات کو بنیاد بنا کر کتاب و سنت کے نصوص کو رد کیا جائے۔ امام اوزاعی رحمہ اللہ نے فرمایا: ((علیک باآثار من سلف وإن رفضک الناس)) ❷ ”تم سلف صالحین کے اقوال کو لازم پکڑو اگرچہ اس کی وجہ سے لوگ تم سے قطع تعلق کر لیں۔“

❸ سلف صالحین کے اقوال کو حجت بناتے وقت صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین کے درمیان فرق کیا جائے (یعنی پہلے صحابہ کرام کے اقوال کو لیا جائے گا ان کے پاس نہ ملے تو تابعین کے اقوال کو لیا جائے گا اور اگر ان کے پاس بھی نہ ملے تو تبع تابعین کے قول کو لیا جائے گا یہ ترتیب ضروری ہے)

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا صحابی کے قول و عمل کو سنت کہا جاسکتا ہے؟ تو اس کے جواب میں قدرے تفصیل ہے!

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی رائے کہ صحابہ کرام کے آثار و اقوال حجت ہیں بلکہ حجت کے اعتبار سے انھیں سنت کا مقام حاصل ہے۔ بخلاف تابعین کے اقوال اور ان کے احکام و اجتہادات کے، یہ بات ابو داؤد جستانی کی کتاب ”المسائل“ ص ۲۷۶ میں بصراحت موجود ہے۔ ابو داؤد جستانی کہتے ہیں کہ میں نے کئی بار احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے سنا ہے جب بھی آپ سے سوال کیا گیا کہ ابو بکر و عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کے اقوال و افعال سنت ہیں؟ تو آپ نے کہا: ہاں اور کبھی آپ نے کہا: رسول اللہ ﷺ کی اس حدیث کی وجہ سے: ”علیکم بسنتی“

❶ سیر اعلام النبلاء: للذهبی ۸/۸۱.

❷ الشریعہ للآجری: ص ۵۸، شرف اصحاب الحدیث للخطیب.

وسنة الخلفاء الراشدين“ تم لوگ میری سنت کو اور خلفاء راشدین کی سنت کو لازم پکڑو۔“ پھر آپ سے پوچھا گیا: عمر بن عبد العزیز؟ تو آپ نے کہا: نہیں، پھر آپ سے کہا گیا: کیا وہ امام نہیں تھے؟ آپ نے کہا: کیوں نہیں، پھر آپ سے سوال کیا گیا کہ کیا ان کے قول کو بھی معاذ اور ابن مسعود کے قول کے مانند سنت کہا جاسکتا ہے؟ آپ نے کہا کہ مجھے اچھا نہیں لگتا کہ میں ان میں سے کسی کے قول کی مخالفت کروں۔“ اور آپ کا ایک مشہور قول یہ بھی ہے کہ: وہ اثر کو حدیث کے قائم مقام رکھتے تھے اور کبھی کبھی اثر اور حدیث مرفوع کے درمیان تطبیق کی راہ اختیار کرتے تھے تاکہ دونوں میں سے کسی پر عمل باطل نہ ہو جائے۔ امام شافعی رحمہ اللہ صحابہ کرام کے اقوال کو حجت ماننے میں امام احمد کے موافق ہیں مگر انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ اگر کتاب و سنت سے دلیل نہ ملے تو ایسی صورت میں صحابہ کرام کے اقوال کو مطلقاً حجت بنانا جائز ہے، جیسا کہ بیہقی نے ”المدخل إلى السنن الكبرى“ (۳۵) میں صحیح سند کے ساتھ امام شافعی کا قول نقل کیا ہے: امام شافعی کہتے ہیں: ((ما كان الكتاب أو السنة موجودين، فالعذر على من سمعها مقطوع إلا ياتباعها، فإذا لم يكن ذلك، صرنا؟ إلى أقاويل أصحاب النبي ﷺ أو أحد منهم.)) جب تک کتاب و سنت میں دلائل موجود ہوں اس وقت تک انہی دونوں کی اتباع ضروری ہے۔ اگر ان دونوں میں دلائل موجود نہ ہوں تو صحابہ کرام کے اقوال کی طرف رجوع کیا جائے گا۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب امام شافعی رحمہ اللہ کے مذہب کی طرح ہے البتہ ان کے نزدیک اختیار ہے جس کو چاہیں لیں اور جس کو چاہیں چھوڑ دیں۔ چنانچہ ابن معین نے اپنی ”تاریخ“ میں دوری کی روایت (۴۲۱۹) کو یحییٰ بن ضریس سے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے، وہ کہتے ہیں: میں سفیان کے پاس موجود تھا کہ ان کے پاس ایک آدمی آیا اور اس نے کہا: جناب آپ امام ابوحنیفہ پر کیوں ناراض ہوتے ہیں؟ انہوں نے کہا: انہیں کیا ہو گیا ہے؟ اس نے کہا کہ میں نے سنا ہے کہ وہ کہتے ہیں: ”میں پہلے کتاب اللہ کو لوں گا اگر اس میں مسئلہ نہیں پاؤں گا تو سنت رسول اللہ ﷺ کو لوں گا اگر کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ دونوں

میں نہیں ملے گا تو صحابہ کرام کے اقوال کو لوں گا لیکن ان کے اقوال میں جس کو چاہوں گا لے لوں گا اور جس کو چاہوں گا چھوڑ دوں گا۔ مگر ان کے قول کو چھوڑ کر دوسروں کی طرف نہیں جاؤں گا۔ لیکن امام مالک رحمہ اللہ نے ارشاد باری تعالیٰ: ﴿وَالسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ أُولَٰئِكَ مِنْ هَٰؤُلَاءِ الْمُتَجَرِّبِينَ وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ﴾..... (التوبہ: ۱۰۰) کو حجت بنا کر صحابہ کرام کی اتباع و پیروی کو مشروع قرار دیا ہے البتہ ظاہر یہ ہے ان کی مخالفت ضرور کی ہے ان کے نزدیک صحابی کا مذہب حجت نہیں ہے۔ علامہ ابن حزم رحمہ اللہ نے اپنی تالیفات کے مختلف مقامات پر اس کی صراحت کی ہے۔ خاص طور پر ”المحلی“ اور ”الإحكام في أصول الأحكام“ میں۔ اب چند وجوہ کی بنیاد پر جو بات رائج ہے وہ یہ ہے کہ:

(۱)..... صحابی کا وہ مذہب جو صحابہ کرام کے درمیان عام ہو گیا تھا اور اس پر کسی نے نکیر نہیں کی تو یہ اجماع سکوتی کے قبیل سے ہے اب اگر کتاب و سنت میں کوئی صریح دلیل موجود نہیں ہے تو اس رائے کو دوسروں کی رائے پر مقدم کیا جائے گا جمہور علماء کے نزدیک یہ حجت ہے۔ اس کی مثال یہ ہے: جو رہن پر مسح کرنا صحابہ کی ایک جماعت سے ثابت ہے ان صحابہ کرام میں: علی بن ابی طالب، انس بن مالک، ابو مسعود، براء بن عازب اور ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہم ہیں۔ اس مسئلہ میں کسی صحابی کا اختلاف بھی نہیں ہے۔ البتہ جو حدیثیں اس سلسلے میں پائی جاتی ہیں وہ متکلم فیہ ہیں۔

(۲)..... صحابی اپنی رائے میں منفرد ہے، لیکن کسی دوسرے صحابی کی رائے یا اس کا مذہب اس کے خلاف بھی نہیں ہے تو اکثر لوگوں کے نزدیک یہ بھی حجت ہے بشرط یہ ہے کہ کسی شرعی نص یا کسی رائج قول کے خلاف نہ ہو۔ اس کی مثال یہ ہے: ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے: الأذنان من الرأسی ❶ دونوں کان سر کا حصہ ہیں۔ اسی روایت سے امام احمد نے بھی دلیل پکڑی ہے۔ کسی صحابی نے اس قول کی مخالفت بھی نہیں کی اور نہ ہی کسی صحابی کا قول اس کے مخالف ہے اس کی مثال یہ ہے: عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے: ”وہ اپنے کے

❶ أخرجه عبد الرزاق: ۱۱/۱، الأوسط لابن المنذر ۴۰۱/۱، بسند صحيح.

ظاہری اور باطنی حصے کو دھوتے تھے اس کا مطلب یہ ہوا کہ دونوں کانوں کے مسح کے لیے نیا پانی لیتے تھے۔ اس پر کسی صحابی نے ان کی مخالفت نہیں کی۔ ”مسائل اسحاق نیساپوری“ میں امام احمد رحمہ اللہ نے اسی کو رائج قرار دیا ہے۔

(۳)..... صحابی کے مذہب کی جب دوسرے صحابی مخالفت کریں۔ یہ اس مسئلہ میں ہے جس میں کتاب و سنت سے کوئی واضح دلیل موجود نہیں ہے تو اس قول کے چند درجات و مراتب ہیں: (الف): یہ ہے کہ خلفاء راشدین میں سے کسی کا قول ہو تو ان کا قول دوسرے صحابی کے قول پر مقدم ہوگا کیونکہ اس بارے میں نص صریح ہے: ((علیکم بسنتی و سنتہ الخلفاء الراشدین .)) ❶ ”یعنی میری سنت کو لازم پکڑو اور خلفاء راشدین کی سنت کو لازم پکڑو۔“ اس ارشاد نبوی میں لفظ ”علیکم“ ہے جو امر ہے اور امر و وجوب پر دلالت کرتا ہے شیخ البانی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ”صلوۃ التراويح“ میں اسی کو رائج قرار دیا ہے۔ آپ نے فرمایا: ((وقد أمرنا باتباع سنتہ ﷺ و سنتہ الخلفاء الراشدین)) آپ ﷺ نے ہم کو اپنی سنت کی پیروی کا حکم دیا ہے اور سنت خلفاء راشدین کی پیروی کا حکم دیا ہے۔ یعنی امام شافعی رحمہ اللہ کا مختار مذہب ہے، جیسا کہ ”المدخل، للبيهقي (۳۸)“ میں موجود ہے۔ نیز اس کی تائید وہ قول کرتا ہے جو علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: ((انسی لأستحي من ربي أن أخالف أبا بكر .)) ❷ ”بے شک میں اپنے رب سے حیا کرتا ہوں کہ ابوبکر کی مخالفت کروں۔“ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب ان سے کسی مسئلہ کے بارے میں سوال کیا جاتا تو اگر قرآن میں اس کا حل موجود ہوتا تو فوراً بتا دیتے اور اگر قرآن میں نہیں پاتے تو اگر رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہوتا تو فوراً بتا دیتے اور اگر سنت میں بھی نہیں ہوتا تو ابوبکر و عمر کے قول کو دیکھتے اگر ان دونوں سے بھی کوئی قول نہیں ملتا تو اپنی رائے سے بتاتے۔ ❸

❶ یہ حدیث صحیح ہے۔ اخرجه الأريفة وغيرهم.

❷ ابوبکر عثاری نے ”فضائل ابی بکر الصديق“ میں حسن سند کے ساتھ اس کی تخریج کی ہے۔

❸ دارمی (۱۶۶) بسند صحیح

اگر صحابہ کرام کے درمیان اختلاف ہوتا تو ابو بکر کو مقدم کرتے، پھر عمر کو اور عثمان کو پھر علی رضی اللہ عنہم کو ترتیب کے ساتھ جو ترتیب ان کی فضیلت والی حدیث میں موجود ہے جس کو عبد اللہ بن عمر نے روایت کیا ہے کہتے ہیں: ((کنا تخیر بین الناس فی زم ن النبی ﷺ، فتخیر أبا بکر، ثم عمر بن الخطاب، ثم عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ)) ❶ ”رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں لوگوں کے درمیان ہم کو اختیار کیا جاتا تھا تو ہم ابو بکر کو اختیار کرتے پھر عمر کو پھر عثمان کو۔“ (رضی اللہ عنہم)

(ب): صحابی کا وہ مذہب اکثر صحابہ کرام کا مذہب ہے تو یہ حجت ہے خاص کر کے اگر وہ فقہائے صحابہ میں سے ہو۔

(ج): صحابی کا قول اکثر صحابہ کرام کے اقوال کے مخالف ہو اور اس کے قول کو ترجیح بھی نہ حاصل ہو تو ایسی صورت میں جماعت کا قول حجت ہوگی۔

سلف صالحین کی اقتداء واجب ہے:

سلف صالحین کی اقتداء واجب اور ضروری ہے۔ ان کی پیروی کرنا، ان کے نقش قدم پر چلنا کوئی ایسا امر نہیں ہے جسے بدعت کہا جائے بلکہ یہ ایسا امر واجب ہے جس کی طرف محض اشارہ ہی نہیں بلکہ قرآن مجید میں مکمل تصریح موجود ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُوْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ ۖ وَسَاءَتْ مَصِيرًا ٥١﴾

(النساء: ١١٥)

”اور جو شخص ہدایت واضح ہو جانے کے بعد رسول کی مخالفت کرتا ہے اور مومنوں کا راستہ چھوڑ کر غیر کی پیروی کرتا ہے تو ہم اس کو اسی کا والی بنادیں گے اور اسے ہم جہنم میں داخل کر دیں گے اور جہنم بہت برا ٹھکانا ہے۔“

اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کرنے پر سخت تنبیہ

❶ صحیح البخاری: ۸/۳۔ یحییٰ بن سعید الانصاری، عن نافع، عن ابن عمر کی سند سے۔

کی ہے پھر اسی پر اپنے قول کا عطف کیا ہے اور فرمایا: ﴿وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُوْمِنِيْنَ﴾ اب ظاہر بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کا راستہ اختیار نہ کرنے پر جن لوگوں کی سخت تنبیہ کی ہے وہ مسلمانوں ہی میں سے ہیں، اور یہی وہ لوگ ہیں جن کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے ﴿مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْأَنْصَارِ﴾ والی آیت میں کیا ہے۔ یقیناً اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے۔

حق کا معیار:

مذکورہ بالا آیت معیار حق ہے۔ اب جو مسلمان محض زبانی دعویٰ کرتا ہے کہ وہ کتاب و سنت پر عمل پیرا ہے حالانکہ اس کا عمل کتاب و سنت کے مخالف ہے اور مذکورہ بالا آیت میں مذکور مومنوں کے راستے کے بھی مخالف ہے تو ظاہر بات ہے کہ ایسا مسلمان حق کی مخالفت کرتا ہے بلکہ حق وہ ہے جس کے اندر صحابہ کرام کے راستے کی مکمل تمسک موجود ہو اس کے عمل میں اور صحابہ کرام کے عمل میں کوئی فرق نہ ہو۔

یہاں آپ کے سامنے قرآن کریم اور صحیح حدیث کی واضح نص موجود ہے۔ آیت کریمہ میں مومنوں کے راستے کی وضاحت موجود ہے اور رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحاب کا ذکر کیا ہے جبکہ دوسری حدیث میں خلفاء راشدین کی سنت کا ذکر ہے جس کو سنن کی ایک جماعت نے روایت کیا ہے جیسے امام ابوداؤد، امام ترمذی، امام احمد بن حنبل رحمہم وغیرہم۔ عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم لوگوں کو ایک جامع اور بلغ نصیحت کی۔ ایسی نصیحت جس سے قلوب خوفزدہ ہو گئے اور آنکھیں آبدیدہ ہو گئیں، ہم نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ ایسا لگتا ہے کہ یہ آخری نصیحت ہے لہذا آپ ہمیں کچھ وصیت کیجیے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ((أوصيكم بتقوى الله..... الحديث)) ❶ ”میں تمہیں اللہ سے تقویٰ اور سب و طاعت اختیار کرنے کی وصیت کرتا ہوں۔“ اگرچہ تمہارے اوپر

❶ یہ حدیث عرباض بن ساریہ کی سند سے ہے اور یہ صحیح حدیث ہے، اہل علم کی ایک جماعت نے اس کو صحیح کہا ہے ان میں امام ترمذی، بزار، ہرودی، ابن ندب البرشائل ہیں۔ امام احمد رحمہ اللہ نے ”مسائل ابی داؤد“ (۱۷۹۲) میں ۵۵

کسی حبشی غلام کو حاکم بنادیا جائے اور تم میں سے جو شخص زندہ رہے گا تو وہ بہت اختلافات دیکھے گا تو (ایسے وقت میں) تم میرے بعد میری سنت اور خلفاء راشدین کی سنت کو لازم پکڑنا اور اس کو دانتوں سے مضبوطی کے ساتھ پکڑے رہنا (یعنی اس پر سختی سے کاربند رہنا) اور نئے نئے اعمال سے بچتے رہنا کیونکہ ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ دوسری حدیث میں ((کل ضلالة فی النار)) کی زیادتی ہے یعنی ہر گمراہی جہنم میں لے جانے والی ہے۔

اس سے دلیل پکڑا ہے اس کا مطلب ہے کہ یہ حدیث ان کے نزدیک صحیح ہے، لیکن بعض لوگوں نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے اور اس کو صحیح قرار دینے کی وجہ سے شیخ البانی رحمہ اللہ کا رد کیا ہے۔ شیخ رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ”النصيحة“ میں ان کے سارے شبہات کا بہترین اور تسلی بخش جواب دیا ہے۔ چونکہ دوسرے مقامات پر ہم نے اس کے تمام طرق کو بیان کر دیا ہے لہذا یہاں اس کے دوبارہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے..... چونکہ حدیث کا آخری ٹکڑا ”وکل ضلالة فی النار“ عرباض کی حدیث کا حصہ نہیں ہے اس لیے اس پر تنبیہ کرنا ضروری ہے۔ دراصل یہ ٹکڑا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے۔ حدیث اس طرح ہے: ((قال: کان رسول اللہ ﷺ إذا خطب اصمرت عيناه، وعلاصوته، واشتد غضبه، حتى كأنه منذر جليش، يقول: صحكم ومساكم، ويقول بعثت أنا والساعة كهاتين ويقرن بين إصبعيه السبابة والواسطى، وثقول: أما بعد، فإن خير الحديث كتاب الله، وخير الهدي هدي محمد، وشرا الأمور محدثاتها، وكل بدعة ضلالة، ثم يقول: أنا أولى بكل مؤمن من نفسه، من ترك مالا فلاهله، ومن ترك ديناً أو ضياعاً فأتى وعلي)) جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب خطبہ دیتے تو آپ کی دونوں آنکھیں سرخ ہو جاتیں اور آپ کی آواز بلند ہو جاتی، اور آپ ﷺ غضبناک انداز میں ہو جاتے، گویا کہ آپ کسی لشکر سے ڈرا رہے ہیں اور کہتے: کہ وہ لشکر تمہیں صبح کو آلے گا اور تمہیں شام کے وقت آلے گا اور فرماتے کہ بھیجا گیا ہوں میں اور قیامت جیسے یہ دونوں انگلیاں ہیں اور آپ اپنی سبابہ اور درمیانی انگلی کو ملاتے اور فرماتے: اما بعد: بے شک بہترین بات اللہ کی کتاب اور بہترین راستہ محمد ﷺ کا راستہ ہے اور برے کام وہ ہیں جو ایجاد کیے جائیں اور ہر بدعت گمراہی ہے پھر آپ ﷺ فرماتے میں ہر مومن پر اس کے نفس سے زیادہ حق رکھتا ہوں جو شخص مال چھوڑ جائے تو وہ اس کے اہل و عیال کا ہے اور جو قرض یا ضرورت مند بچے چھوڑ جائے وہ میری طرف ہیں اور مجھ پر ہیں۔“ (صحیح مسلم: ۵۹۲/۲، نسائی: ۱۸۸/۳، ابن ماجہ: ۴۵)

اب رہا حدیث میں جملہ ”کل ضلالة فی النار“ کی زیادتی تو یہ نسائی اور بیہقی ”الاسماء والصفات“ میں ہے اور یہ جملہ رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں ہے۔ اس کو میں نے اپنی کتاب: ”الزيادات الضعيفة في الأحاديث الصحيحة“ میں تفصیل سے بیان کر دیا ہے۔ ابن وضاح نے ”البدع والنهي عنها“ میں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا قول بتایا ہے اور کہا کہ اس کی سند حسن ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

جب آپ اس حدیث میں غور کریں گے تو دیکھیں گے کہ رسول اللہ ﷺ نے خلفاء راشدین کی سنت کو اپنی سنت پر عطف کیا ہے لہذا یہ حدیث فرقہ ناجیہ والی حدیث کے ساتھ مل جاتی ہے۔ نیز یہ حدیث اللہ تعالیٰ کے قول سے بھی مل جاتی ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ ۖ وَسَاءَتْ مَصِيرًا﴾

(النساء: ۱۱۵)

”اور جو شخص اس کے پاس ہدایت واضح ہو جانے کے بعد رسول کی مخالفت کرتا ہے تو ہم اس کو اسی کا والی بنادیں گے اور اس کو جہنم میں داخل کر دیں گے اور جہنم برا ٹھکانا ہے۔“

اس قدر صریح وضاحت کے بعد اب کسی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اتباع کتاب و سنت کے نام پر کسی ایسے قول یا رائے کی پیروی کرے جو سلف صالحین کے قول یا رائے کے مخالف ہو کیونکہ جس راہ پر وہ لوگ گامزن تھے وہ کتاب و سنت کی ہی راہ تھی اور آپ بھی لوگ اچھی طرح جانتے ہیں کہ سنت قرآن کریم کی تشریح تو ضیح ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ خود رسول اللہ ﷺ کی شخصیت کو مخاطب کر کے فرماتا ہے۔

﴿وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ﴾ (النحل: ۴۴)

”(اے نبی!) اور ہم نے تمہاری طرف ذکر کو اس لیے نازل کیا ہے تاکہ تم لوگوں کو وہ چیز واضح طور پر بتلاؤ جو ان کی طرف نازل کی گئی ہے۔“

سنت کی اقسام اور اس تک رسائی کا بہترین طریقہ:

جیسا کہ یہ بات سب کو معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے ذمہ یہ کام سونپا تھا کہ وہ قرآن کی تعلیمات کو اپنے قول و عمل کے ذریعہ واضح کر کے بیان کریں اور آپ کی سنت تین قسموں میں منقسم ہوتی ہے: سنت قولی و فعلی، و تقریری۔

اب ہمارے پاس آپ ﷺ کی سنتوں کو جاننے پہچاننے اور اس تک رسائی حاصل

کرنے کا صرف ایک ہی طریقہ ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طریقے کو جانیں اور اس کو اچھی طرح پہچاننے کی کوشش کریں کیونکہ صحابہ کرام آپ ہی کی سنت پر عمل پیرا تھے۔ لہذا اگر کوئی مسلمان فرقہ ناجیہ میں سے ہونا چاہتا ہے تو اس کے لیے سب سے بہترین اور واضح راستہ یہ ہے کہ وہ سلف صالحین کے مانند کتاب و سنت کی پیروی کر لے۔ یہ تیسرا امر تمام مسلمانوں کے اذہان و قلوب میں راسخ ہونا ضروری ہے اگر وہ اپنے اس دعویٰ میں سچے ہیں کہ وہ کل بروز قیامت فرقہ ناجیہ میں سے ہونا چاہتے ہیں:

((یوم لا ینفع مال ولا بنون إلا من أتى اللہ بقلب سلیم .)) ❶

”وہ قیامت کا دن ایسا دن ہوگا کہ وہاں مال و جائداد بچے کچھ بھی نفع نہیں پہنچا سکیں گے ہاں جس کو اللہ تعالیٰ نے قلب سلیم عطا کیا ہو۔“

❶ شیخ البانی رحمہ اللہ کا یہ قول: ”وعلی ما کان علیہ السلف الصالح“ اس بات پر واضح دلیل ہے کہ کتاب و سنت کے نصوص کو اسی طرح سمجھا جائے جس طرح صحابہ کرام نے سمجھا تھا۔ صحابہ کرام کے فہم کو چھوڑ کر دوسروں کے فہم پر اعتماد کرنا صحیح نہیں ہے۔

البتہ بعض متاخرین فقہاء نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فہم نص کو چھوڑ کر اپنے فہم کی بنیاد پر مسئلے کو رائج قرار دیا ہے جیسا کہ بعض شوافع سے حدیث ”کنت نہیتکم من زیارة القبور فزوردھا“ ”میں نے تم لوگوں کو زیارت قبور سے منع کیا تھا لیکن اب تم اس کی زیارت کر سکتے ہو“ کے سلسلے میں واقع ہوا ہے علامہ نووی رحمہ اللہ نے شرح مسلم (۵۰/۴) میں اس حدیث کے تحت لکھا ہے: یہ ان احادیث میں سے ہے جو ناخ اور منسوخ کو جمع کر دیتی ہیں۔ نیز یہ حدیث واضح دلیل ہے کہ آدمیوں کو زیارت قبور سے منع کرنے والی حدیث منسوخ ہے، اب لوگوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ مردوں کے حق میں زیارت قبور سنت ہے۔ رہا عورتوں کا مسئلہ تو اس سلسلے میں ہمارے اصحاب میں اختلاف ہے جس کو ہم نے اس سے پہلے بیان کر دیا ہے اور یہ بھی بیان کر دیا ہے کہ جن لوگوں نے عورتوں کو منع کیا ہے انہوں نے کہا کہ عورتیں مردوں کے خطاب میں داخل نہیں ہیں۔ اصولیوں کے نزدیک یہی مذہب صحیح ہے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ قول اُمّ المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کے فہم نص کے خلاف ہے اور ظاہر بات ہے کہ اُمّ المؤمنین رضی اللہ عنہا کا فہم حدیث دوسروں کے فہم پر مقدم ہوگا، کیونکہ آپ رسول اللہ ﷺ کی بیوی ہیں اور نبی رسول اللہ ﷺ سے اس حدیث کو روایت کرتی ہیں۔ ان کا شمار فقہاء میں ہوتا ہے۔ عبد اللہ بن ابی ملیکہ نے روایت کیا ہے کہ ایک دن عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا قبروں کی زیارت سے واپس آ رہی تھیں تو میں نے ان سے کہا کہ اے اُمّ المؤمنین! آپ کہاں سے تشریف لا رہی ہیں؟ انھوں نے جواب دیا: میں عبد الرحمن بن ابی بکر کی قبر کے پاس سے آ رہی ہوں۔ پھر میں نے عرض کیا: کیا رسول اللہ ﷺ نے زیارت قبور سے منع نہیں کیا تھا؟ انھوں نے جواب دیا: ہاں، لیکن پھر ۛۛ

موجودہ صورت حال پر ایک نظر:

موجودہ دور میں اسلام کے نام پر مختلف جماعتیں اور تنظیمیں بنی ہوئی ہیں ہر ایک اپنے آپ کو اسلام کی طرف منسوب بھی کرتے ہیں اور ہر ایک کا اعتقاد و یقین بھی یہی ہے کہ اسلام قرآن و سنت کا نام ہے لیکن ان میں کتنی ایسی جماعتیں ہیں جو صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین کے راستے پر نہ تو چلتی ہیں اور نہ ہی چلنا پسند کرتی ہیں۔

۱۔ آپ ﷺ نے اس کی زیارت کا حکم دے دیا۔ (المستدرک للحاکم: ۱/۳۷۶، التمهید لابن عبد البر: ۲۳۳/۳۔ یزید بن حمید ابی التیاح عن عبد اللہ بن ابی ملیکہ کی سند سے علامہ ذہبی نے "تلخیص المستدرک" میں اس کو صحیح کہا ہے)

۲۔ ائمہ المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا یہی فہم ہے ان کے سامنے بھی نص منع اباحت و رخصت موجود تھی۔ تمام نصوص کو سامنے رکھ کر انھوں نے یہی نتیجہ نکالا۔ اب یہ شیخ مردوں اور عورتوں دونوں کے حق میں عام ہے بخلاف متاخرین فقہاء کے کہ وہ منع کرتے ہیں۔ اب ہمارا فہم، فہم صحابہ کے خلاف ہے یا نہیں جبکہ ہمیں ان کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہے: "تم لوگ میری سنت کو لازم پکڑو اور میرے بعد خلفاء راشدین کی سنت کو لازم پکڑو اور اس کو دانتوں سے مضبوطی سے پکڑے رکھو" یعنی اس پر سختی سے عمل کرو۔ اسی حدیث سے امام احمد نے یہ حجت قائم کی ہے کہ اقوال صحابہ سنت ہیں۔ (مسائل أحمد بروایة أبی داود (۱۲۹۲)) یہی زہری اور بہت سے اہل علم کا قول ہے۔ (ابن سعد نے "الطبقات" (۱۳۵/۲/۲) میں، اور البیہقی نے "الحلیۃ" (۳/۳۶۰) میں اور خطیب بغدادی نے "تقید العلم" ص: ۱۰۶-۱۰۷ میں صالح بن کیسان سے صحیح سند سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں: کہ میں اور زہری دونوں ایک ساتھ حصول علم میں مصروف تھے۔ ہم نے کہا کہ ہم سنن کو لکھیں گے تو ہم نے رسول اللہ ﷺ سے ثابت تمام سنن کو لکھا پھر انھوں نے کہا کہ صحابہ سے ثابت سنتوں کو بھی لکھیں گے کیونکہ یہ بھی سنت ہے۔ اس پر میں نے کہا کہ یہ سنت نہیں ہے اور ہم اس کو نہیں لکھیں گے تو انہوں نے لکھا لیکن میں نے نہیں لکھا تو وہ کامیاب ہو گئے لیکن میں نے بہت کچھ ضائع کر دیا۔)

۳۔ رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہے: ستارے آسمان کے لیے امان ہیں، جب ستارے ختم ہو جائیں گے تو آسمان کے پاس وہ چیز آ جائے گی جس کا وعدہ کیا گیا ہے اور میں اپنے اصحاب کے لیے امان ہوں جب میں چلا جاؤں گا تو میرے صحابہ کے پاس وہ چیزیں آ جائیں گی جن کا وعدہ کیا گیا ہے اور میرے اصحاب میری امت کے لیے امان ہیں پھر جب میرے اصحاب چلے جائیں گے تو میری امت کے پاس وہ چیزیں آ جائیں گی جن کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے۔ (صحیح مسلم: ۱۹۶۱/۴)

۴۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی پیروی کرنے اور ان کے فہم کو لازم پکڑنے میں ہر قسم کی ضلالت و گمراہی اور ہر قسم کی بدعت و خرافات سے امان اور نجات ہے ان کے قول و عمل اور ان کے راستے کو چھوڑنا ضلالت و گمراہی کی علامت ہے۔

دین میں فرقہ بندی کا سبب:

دین میں فرقہ بندی کا سبب سے اہم سبب یہ ہے کہ لوگوں نے سلف صالحین کے فہم کو ترک کر دیا (اور ہر ایک نے اپنے اپنے فہم و فکر کو اسلام کا نام دے کر اسی پر عمل کرنا شروع کر دیا) جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ امت مسلمہ مختلف گروپوں اور ٹولیوں میں تقسیم ہو گئی۔^①

اتباع:

اب جو شخص حقیقت میں کتاب و سنت کی طرف رجوع ہونا چاہتا ہے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس راستے کو لازم پکڑے جس پر صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین گامزن تھے۔^②

① شیخ البانی رحمہ اللہ نے یہاں جو سبب ذکر کیا ہے درحقیقت یہی ہے آج کے دور میں مسلمانوں میں گروپ بندی کا سب سے بڑا سبب بنا ہوا ہے یقیناً مسلمانوں کے لیے محض کتاب و سنت کی طرف نسبت کرنا ہی کافی نہیں ہے جب تک ان کے مقتضی و مقصود پر عمل نہ کر لے اور ان دونوں کے مقتضی اور مقصود پر عمل کرنا اسی وقت صحیح ہوگا جب وہ سلف صالحین کے فہم کے موافق ہو۔ اسی کو لوگ صحت عمل سے تعبیر کرتے ہیں اور آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ صحت عمل قبولیت عمل کے دو رکنوں میں سے ایک رکن ہے اور صحت عمل کا اعتماد اتباع پر ہے اور اتباع اسی وقت صحیح ہوگی جب وہ فہم صحابہ کے موافق ہو اور انہیں کے طریقے پر گامزن بھی ہو۔

② شیخ البانی رحمہ اللہ کا قول: ”فمن كان يريد حقاً..... جو شخص حقیقت میں کتاب و سنت کی طرف رجوع کرنا چاہتا ہے.....“ یہ حقیقت میں اتباع کا معنی و مفہوم ہے اور اتباع کی یہی تعریف امام احمد رحمہ اللہ نے مسائل ابی داؤد (۱۷۸۹) میں کی ہے، کہتے ہیں: ”الإتباع: أن يتبع الرجل ما جاء من النبي ﷺ، وعن أصحابه، ثم هو من بعد التابعين مخير.“ یعنی اتباع یہ ہے کہ آدمی اس چیز کی اتباع کرے جو رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہو اور صحابہ کرام سے ثابت ہو پھر تابعین کے بعد اختیار ہے۔“

یہاں اس عبارت میں اور شیخ رحمہ اللہ کی عبارت میں کوئی فرق نہیں ہے کیونکہ تابعین کی اتباع اس وقت کی جائے گی جب ان کا بھی قول و عمل شرعی نصوص کے خلاف نہ ہو بلکہ ان کے موافق ہو، تابعین کی اتباع سے یہاں شیخ کی مراد یہ ہے کہ ان اقوال کو چھوڑ کر کسی دوسرے نے ایجاد شدہ قول کو نہ لیا جائے جس کا کوئی امام نہ ہو یعنی پہلے سے جس قول کا کوئی قائل نہ ہو اور نہ ہی سلف میں سے کوئی اس کا قائل ہو۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اپنے تلمیذ رشید میمون کو بھی اسی بات کی رہنمائی کی تھی اور ایسے قول کو لینے یا کہنے پر سخت تنبیہ کی تھی جس کا کوئی قائل نہ ہو۔ آپ نے فرمایا:

يا ابا الحسن اياك ان تتكلم في مسألة ليس لك فيها امام. تم ایسی بات کہنے سے بچو جس سے

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

ایک غلط فہمی کا ازالہ:

کچھ ایسے ہیں لوگ جو اپنے آپ کو اہل علم میں شمار کرتے ہیں، اکثر موقعوں پر ان کی زبان سے بہت کچھ باتیں سنتے ہوں گے لیکن یہ وہ علم نہیں ہے جس کو میں نے ابھی اوپر ذکر کیا ہے، کتاب و سنت اور وہ فہم جس پر صحابہ کرام تھے بلکہ یہ لوگ علم سے وہ چیز مراد لیتے ہیں جس کو انہوں نے کتاب و سنت سے سمجھا ہے۔ وہ صحابہ کرام کے فہم کو نہیں لیتے ہیں جو فہم انہیں گمراہ فرقوں سے محفوظ رکھے، بلکہ اس سے ہٹ کر یہ لوگ اپنا ذاتی فہم مراد لیتے ہیں۔^①

۱۔ کہہ کا کوئی امام نہ ہو یہاں پر کوئی شخص یہ نہ خیال کرے کہ یہ قول کوئی مذہب اختیار کرنے کی طرف دعوت ہے کیونکہ احمد بن حنبل رحمہ اللہ خود موصوف کو سختی کے ساتھ اس بات سے منع کرتے تھے کہ وہ کسی کی رائے کو لیں یا کوئی مذہب اختیار کریں بلکہ ہمیشہ سختی کے ساتھ لوگوں کو اتباع سنت کی طرف دعوت دیتے تھے وہ تو ایجاد شدہ نئے اقوال سے روکتے تھے، جس کو سلف صالحین میں سے کسی نے نہ کہا ہو اور یہ بات بھی صحیح سند سے ثابت ہے کہ امام احمد رحمہ اللہ لوگوں کو تقلید سے سخت منع کرتے تھے بلکہ وہ کہتے تھے کہ لوگوں کے اقوال کو کتاب و سنت پر پیش کرو۔ ”مسائل ابی داود، ص: ۳۶۷، ۳۶۸“ میں امام ابوداؤد فرماتے ہیں: ”یقول: لا یعجبنی رای مالک ولا رای احد“ میں نہ تو امام مالک کی رائے کو پسند کرتا ہوں اور نہ کسی اور کی“ نیز امام ابوداؤد کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد رحمہ اللہ سے کہتے ہوئے سنا کہ ایک آدمی نے ان سے کہا: کہ ہم جامع سفیان کے مطابق عمل کریں؟ تو اس پر امام احمد رحمہ اللہ نے جواب دیا: علیک بالآثار۔ ”تم آثار کو لازم پکڑو“ امام ابوداؤد کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد رحمہ اللہ سے کہتے ہوئے سنا کہ ”میں اس بات کو ناپسند کرتا ہوں کہ کوئی شخص مجھے کسی کی رائے لکھے، نیز آپ یہ بھی کہتے تھے کہ کسی شخص کی رائے کو لیا بھی جاسکتا ہے اور چھوڑا بھی جاسکتا ہے سوائے رسول اللہ ﷺ کے قول کے آپ ﷺ کے قول کو لینا ہی لینا ہے۔ امام ابوداؤد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد رحمہ اللہ سے کہا کہ: کیا امام اوزاعی کے پیروکار امام مالک سے زیادہ تھے؟ تو امام صاحب نے جواب دیا: تم اپنے دین کے معاملے میں ان میں سے کسی کی تقلید نہ کرو البتہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے جو کچھ ثابت ہو اس کو لے لو پھر تابعین کے قول بھی لے لو اس کے بعد آدمی کو اختیار حاصل ہے۔

① شیخ رحمہ اللہ کا قول ”انما یعنون بالعلم.....“ یہ لوگ علم سے وہ چیز مراد لیتے ہیں.....“ نصوص شرعیہ کے فہم میں اہل رائے اور بدعتیوں کا وصف بیان کرتا ہے کیونکہ یہ لوگ نصوص بالخصوص تشابہ نصوص کا وہ معنی بیان کرتے ہیں جو فہم صحابہ اور سلف صالحین کے عمل سے بعید تر ہوتا ہے ان کے اس فہم میں ان کے نفس دھوئی کا دخل زیادہ ہوتا ہے ان کا یہ خود ساختہ فہم ان کے اعتقاد و نظریہ کے عین مطابق ہوتا ہے، اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے اس بدعتی منہج کو خطرات سے آگاہ کر دیا تھا، جیسا کہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت تلاوت ۵۵

اسی لیے آپ عصر حاضر کے رسالے اور مقالات میں پڑھتے ہوں گے کہ اس قسم کے بہت سے لوگ جو اہل علم ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور لوگوں کی اکثریت انھیں اہل علم میں شمار بھی کرتی ہے یہ لوگ ہمیشہ مذکورہ بالا دلائل کے خلاف باتیں کرتے ہیں یہ لوگ بانگ دہل

ہے فرمائی: ﴿هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَبِهَاتٌ فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ كُلٌّ مِنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ﴾ (آل عمران: ۷) ”وہ وہی ذات ہے جس نے تمہارے اوپر کتاب نازل کی اس کی بعض آیتیں محکم اور واضح ہیں وہی اصل کتاب ہیں اور دوسری متشابہ آیات ہیں لیکن وہ لوگ جن کے دلوں میں کجی ہے وہ ان میں سے متشابہ کے پیچھے لگتے ہیں فتنہ تلاش کرنے کے لیے اور ان کی تاویل تلاش کرنے کے لیے حالانکہ ان کی تاویل کوئی نہیں جانتا ہے سوائے اللہ کے اور وہ لوگ جو علم میں پختہ ہیں وہ کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لاتے ہیں یہ سب ہمارے رب کی جانب سے ہے اور نہیں نصیحت حاصل کرتے ہیں مگر عقلمند لوگ۔“ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے عائشہ! جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو کتاب اللہ میں مجادلہ کرتے ہیں تو سمجھ لو کہ یہی وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے مراد لیا ہے، لہذا تم لوگ ایسے لوگوں سے بچتے رہو۔“ حدیث کے الفاظ یہ ہیں: ”یا عائشہ! إذا رأيتم الذين يجادلونه فيه فهم الذين عنى الله تعالى فاحذروهم۔“ (صحیح بخاری، ۱۱۰/۳، صحیح مسلم: ۲۰۵۳، وابوداؤد: ۴۵۹۸، ترمذی: ۳۹۹۳، ابن ماجہ: ۴۷)

خارج وہ پہلے لوگ ہیں جنہوں نے شرعی نصوص کے فہم میں اپنی ہوئی نفس کی پیروی کی اسی وجہ سے انہوں نے باطل طریقے سے مسلمانوں کے خون کو مباح قرار دیا، حاکم وقت کے خلاف خروج کو جائز سمجھا ان کی نافرمانی کو جائز قرار دیا۔ اس طرح یہ لوگ کتنے ہی زیادہ عابد و زاہد ہوں، نماز و روزہ کو قائم کریں پھر بھی یہ لوگ گمراہ فرقوں میں سے ہیں۔ یہ لوگ دین سے ایسے ہی نکل گئے ہیں جیسے تیر کمان سے نکلتا ہے۔ اس لیے کہ انھوں نے مؤمنین کے راستے کو ترک کر دیا اور نفسانی خواہشات کے پیچھے پڑ گئے۔ طریقہ سلف کو چھوڑ کر اپنی مرضی سے نصوص کی تفسیر بیان کی۔ آپ خود اندازہ لگائیں کہ جب ان کی غلط تاویلات سے کتاب اللہ انہیں محفوظ رہ سکی انہوں نے اپنی مرضی سے اس کی تفسیر کر ڈالی تو سنت کے نصوص کیسے محفوظ رہ سکتے ہیں، کبھی سنت کو یہ کہہ کر ٹھکرا دیا کہ یہ عقل کے خلاف ہے کبھی کہا کہ یہ خبر واحد ہے اور خبر واحد کا ثبوت ظنی ہوتا ہے کبھی کہا یہ شاذ ہے اس طرح ہمیشہ غلط اور فاسد تاویلات کرتے رہتے ہیں۔ ان کے برخلاف اہل سنت تو یہ ویسے ہی کہتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں قرآن میں فرمایا ہے: ﴿الرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ.....﴾ (آل عمران: ۷) یعنی وہ کہتے ہیں کہ ہمارا اس پر مکمل ایمان ہے کیونکہ ہر چیز ہمارے رب کی طرف سے ہے لہذا وہ اپنی جانب سے کوئی بات نہیں کہتے ہیں وہ اللہ اور اس کے رسول سے ثابت ہوتی ہے۔

اعلان کرتے ہیں کہ ((مذہب السلف أسلم ومذہب الخلف أعلم وأحکم))^۱ ”یعنی سلف کا مذہب زیادہ سلیم ہے اور خلف کا مذہب محکم اور پائیدار ہے اور

۱ مذہب سلف اور مذہب خلف کے درمیان اس قسم کا موازنہ اور مقابلہ بہت بڑی جسارت ہے اور حدیث نبوی کے صریح خلاف ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہے: ”خیر الناس قرنی.....“ سب سے بہترین لوگ میرے زمانے کے لوگ ہیں۔ یہ حدیث صحیح اس بات میں واضح اور صریح ہے کہ ہر قسم کی بھلائی اور علم و اتباع میں قرون ثلاثہ کو بعد کے تمام لوگوں میں اولیت اور افضلیت حاصل ہے۔ اس حدیث کے عموم میں یہ بات بھی داخل ہے کہ ان کا اعتقاد بھی سب سے محکم تھا اور فہم نصوص نیز نصوص سے استدلال کرنے میں ان کا مذہب سب سے اعلیٰ و ارفع تھا۔ رہے خلف یعنی بعد کے لوگ تو کسی بھی چیز میں ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے اور نہ ہی خلف کا سلف سے موازنہ کرنا صحیح بھی ہے۔ بلکہ خلف میں جس قدر سوء فہم اور اتباع نفس کا مادہ پیدا ہو گیا تھا۔ اس کی طرف بھی حدیث میں اشارہ موجود ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے حدیث کے آخر میں فرمایا: ”ثم يتخلف من بعدهم خلف تسب شهادة احدثهم يمينه، ويمينه شهادة“ یعنی بعد میں ایسے لوگ پیدا ہوں گے کہ ان کی گواہی ان کی قسم سے سبقت کر جائے گی اور کبھی قسم ان کی گواہی سے سبقت لے جائے گی۔ بلکہ قرون ثلاثہ جن کو سب سے افضل زمانہ کہا جاتا ہے۔ ان کے زمانہ میں علم اوج ثریا پر تھا انتہائی واضح اور روشن تھا اور بعد کے لوگوں میں جہالت عام ہونی شروع ہو گئی علم بھی ختم ہونا شروع ہو گیا۔ برائیاں بڑھنے لگیں جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث اس بات پر واضح دلیل ہے آپ ﷺ فرماتے ہیں: ”إن من أشراط الساعة أن يرفع العلم، وثبت الجهل، ويشرب الخمر، ويظهر الزنا.“ (صحیح بخاری: (مع الفتح: ۱/۱۴۵)، صحیح مسلم: ۴/۲۰۵۶، ابوالتیاح عن انس بن مالک کی سند سے) ”یعنی علامات قیامت میں سے بھی ہے کہ علم اٹھالیا جائے گا، جہالت عام ہو جائے گی، شراب نوشی خوب ہوگی اور زنا عام ہو جائے گا۔“ دوسری حدیث میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ”لا یأتی علیکم زمان إلا والذی بعده أشرف منه حتی تلقوا ربکم.“ (صحیح بخاری: ۴/۳۱۵، ترمذی: ۲۲۰۶۔ زبیر بن عدی عن انس بن مالک کی سند سے) ”نہیں آئے گا تمہارے اوپر کوئی زمانہ مگر اس کے بعد کا زمانہ اس سے برا ہوگا یہاں تک تم اپنے رب سے ملاقات کرو۔“

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ نے اس قول کے متعلق کہا ہے کہ ”اس قول میں رفض کا ایک شبہ ہے کیونکہ اگرچہ قول سلف کے حق میں تکفیر نہیں ہے جیسا کہ رافضہ اور خوارج کہتے ہیں اور نہ ہی اس قول میں ان کو فاسق بنانا ہے جیسا کہ معتزلہ اور زیدیہ وغیرہم کہتے ہیں لیکن اس قول سے ان کو جاہل بنانا، خطا کار اور گمراہ بنانا لازم آتا ہے اور معاصی اور ذنوب کی نسبت ان کی طرف لازم آتی ہے اور اگرچہ وہ فاسق نہیں ہے پھر بھی ان کے گمان میں بعد والے شریعت میں قرون اولیٰ سے افضل اور اعلم ہیں۔ لیکن جس کو کتاب و سنت میں ذرا بھی درک حاصل ہے یا کتاب و سنت کا ذرا بھی اس کو علم ہے اس کو یقیناً اس بات کا علم ہوگا اور اس پر تمام اہل سنت کا اتفاق بھی ہے کہ اعمال و اقوال اور اعتقاد وغیرہ میں اس امت میں سب سے اعلیٰ و افضل قرن اول یعنی صحابہ کرام ہیں۔ پھر وہ لوگ ہیں جو ۵۵

ان کے پاس زیادہ علم ہے۔“ یہ قول اس بات پر واضح دلیل ہے کہ اس کا قائل انتہائی جاہل ہے اور اس سے سلف کے علم و تقویٰ کا ذرا بھی علم نہیں ہے اس کے لیے بہتر ہے کہ وہ سلف صالحین کے منہج کی طرف رجوع کرے۔ ان کے پاس جو ہدایت اور نور تھا اس کے بارے میں معلومات حاصل کرے اور اس سے استفادہ کرے۔ رسول اللہ ﷺ نے تو ان کے نقش قدم پر چلنے کا حکم دیا تھا لیکن ان لوگوں نے اس سے منہ پھیر لیا اور گمراہ ہو گئے۔ (حقیقت یہ ہے کہ سلف صالحین ہی کا مذہب اعلم و احکم اور اسلم ہے۔ از مترجم)

منہج خلف کی پیروی کی چند مثالیں:

اگر آپ منہج سلف صالحین اور منہج خلف کے درمیان فرق کی مثال جاننا چاہتے ہیں تو اس سلسلے میں ہم آپ کو بتانا چاہیں گے کہ منہج خلف کے پیروکار ایسے ایسے اقوال و افکار اور ایسی ایسی آراء لاتے ہیں جو کتاب و سنت کے سراسر مخالف ہوتی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے اقوال و افعال، صحابہ کرام اور تابعین عظام کے منہج کے بالکل خلاف ہوتی ہیں۔

احادیث آحاد اور احادیث متواتر کے درمیان تفرق کرنا:

مذکورہ بالا دعویٰ کی سب سے واضح مثال یہ ہے کہ یہ لوگ یعنی خلف کے پیروکار حدیث آحاد اور حدیث متواتر کے درمیان فرق کرتے ہیں۔ ان لوگوں کا احادیث نبویہ میں اس طرح یہ تفریق کرنا اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ یہ لوگ منہج سلف سے تجاوز کر گئے ہیں، انہوں نے سلف صالحین کی کما حقہ اتباع نہیں کی بلکہ اس سے خروج کر گئے ہیں اس لیے کہ سلف صالحین حدیث متواتر اور حدیث آحاد کا نام تک نہیں جانتے تھے۔^① وہ تو صرف اتنا جانتے تھے کہ یہ

ان کے بعد میں یعنی تابعین پھر وہ لوگ ہیں جو ان کے بعد ہیں یعنی تبع تابعین جیسا کہ رسول اللہ ﷺ سے صحیح سند سے ثابت ہے اور وہ لوگ خلف سے ہر فضیلت میں اولیٰ و افضل ہیں: مثلاً علم میں، عمل میں، ایمان میں، عقل و فہم میں، دین میں، بیان میں اور عبادت میں اور ہر مشکل امر کی تشریح و توضیح میں وہ سب سے اولیٰ و افضل ہیں اس کا انکار وہی شخص کرے گا جو ہٹ دھرم ہوگا اور جس کو اللہ نے گمراہ کر دیا ہوگا۔ (فتاویٰ ابن تیمیہ: ۴/ ۱۵۷)

① احادیث نبویہ کو آحاد اور متواتر میں تقسیم کرنا یہ متکلمین کا عمل ہے اور نفس پرست علماء کی ایجاد ہے تاکہ اس تقسیم کے ذریعے احادیث آحاد اور احادیث صفات کا رد کر سکیں۔ جیسا کہ ابوالقاسم اصہبانی نے ”الحجة فی“

رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہے اس پر عمل کرنا چاہیے، پھر ان لوگوں نے احادیث آحاد اور احادیث متواتر کے درمیان تفریق کر کے اس پر شرعی حکم کی بنا ڈالی ہے اور یہ کہا ہے کہ حدیث آحاد کا مضمون اگر عقیدہ پر دلالت کرتا ہے تو وہ صحیح بھی ہو مگر اس کو نہیں قبول کیا جائے گا کیونکہ

«بیان المحجة» ۲/ ۲۱۴ میں ابو مظفر سَعَّانی کا قول نقل کیا ہے اگر حدیث رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے اور اس کو ثقہ راویوں نے روایت کیا ہے اور بعد والوں نے بھی سلف سے نقل کر کے رسول اللہ ﷺ تک اس کی سند کو ثابت کر دیا ہے اور امت نے اس کو قبول بھی کر لیا ہے تو ایسی صورت میں وہ علم کا فائدہ دیتی ہے اور علم کو واجب کر دیتی ہے۔ محققین اور عام اہل حدیث کا یہی مذہب ہے۔ اب رہا یہ قول کہ خبر واحد علم کا فائدہ نہیں دیتی ہے بلکہ علم و یقین حاصل کرنے کے لیے اس حدیث کا متواتر طریقے سے نقل ہونا ضروری ہے۔ یہ ایسا قول ہے جس کو قدریہ اور معتزلہ نے ایجاد کیا ہے۔ اس سے ان کا مقصد صرف یہ تھا کہ احادیث کو مکمل کر دیا جائے۔ انہی لوگوں سے ان کے اس قول کو بعض ایسے فقہاء نے لے لیا ہے جن کو حدیث کے بارے میں نہ تو زیادہ معلومات تھیں اور نہ ہی وہ ان کے غلط مقصد اور باطل نظریہ کو سمجھ سکے۔ یقیناً اگر امت کے یہ فرقے انصاف سے کام لیتے تو انہیں اس بات کا اقرار کئے بغیر کوئی چارہ نہیں رہتا کہ خبر واحد علم و یقین کا فائدہ دیتی ہے آپ ان کو دیکھیں گے کہ یہ لوگ عقائد و طریقے میں باہمی اختلاف کے باوجود اپنے اپنے نظریہ کو صحیح ثابت کرنے کے لیے خبر واحد سے استدلال کرتے ہیں۔

شیخ البانی رحمہ اللہ نے واضح انداز میں کہا ہے کہ احادیث کی یہ تقسیم نئی ایجاد ہے سلف صالحین میں اس کا کوئی تصور نہیں تھا۔ اس کے برعکس اگر حدیث صحیح سند سے ثابت ہے اگرچہ وہ حدیث خبر واحد ہی کیوں نہ ہو تو وہ حجت ہے خواہ عقیدہ کے مسائل میں ہو یا احکام کے۔ دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ شرط یہ ہے کہ وہ حدیث سند و متن کے اعتبار سے صحیح ہو۔ اس میں کسی قسم کی کوئی علت نہ پائی جاتی ہو جو اس کی صحت کو قاذح ہو۔ محدثین، اہل سنت و جماعت اور محققین متاخرین کا یہی مذہب ہے۔ ابن عبد البر نے ”التمہید“ ۱/ ۸ میں اہل اثر کی ایک بڑی جماعت اور بعض اہل نظر جیسے حسین کرامیسی وغیرہ سے اس قول کو نقل کیا ہے اور بخود از بنداز نے کہا ہے کہ یہ قول امام مالک کے طریقے پر ہے۔ یہی ابن حزم کا مذہب ہے اور انہوں نے داؤد ظاہری اور حارث بن اسد محاسبی سے اس قول کو اپنی کتاب ”الإحکام فی أصول الأحکام“ ۱/ ۱۱۰ میں نقل کیا ہے اور یہی امام بخاری و امام شافعی کا مذہب ہے بلکہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح ۲۵۳/۳ میں اس پر ایک مستقل باب باندھا ہے اور کہا: ”باب ما جاء فی إجازة خبر الواحد الصدوق فی الأذان والصلاة والصوم والفرائض والأحکام“ اس کے بعد باب کی مناسبت سے احادیث کا ذکر کیا ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے ”الرسالة“ (ص ۴۰۱) میں کہا ہے: ”خبر واحد حجت ہے پھر اس کے دلائل کا ذکر کیا ہے۔ (امام شافعی کے اس قول کے بعد ابن عبد البر کے نقل کردہ قول کی کوئی حقیقت نہیں رہ جاتی کہ امام شافعی کہتے ہیں کہ خبر واحد کا فائدہ تو دیتی ہے لیکن اس پر عمل صحیح نہیں ہے)

ہم نے اپنی کتاب ”دفاعاً عن السلفية“ (ص ۱۶۳) میں ان لوگوں کے شکوک و شبہات سے

وہ متواتر کے درجے میں نہیں ہے۔ اب اس نظریہ کے بعد جس نے صحابہ کرام کی حیات مبارکہ کا مطالعہ کیا ہے اور تابعین کی زندگی پر بھی اس کو درک حاصل ہے وہ شخص یقینی طور پر یہی کہے گا کہ یہ نظریہ اسلام میں بہت بڑا ذخیل ہے۔ یہ ایسا فلسفہ ہے جس سے یقیناً اسلام بری ہے ❶ اس بات کو ہمارا ہر فرد جانتا ہے اور یہ لوگ بھی جانتے ہیں لیکن یہ لوگ اس کا انکار کرتے ہیں، جیسا کہ ان کے غیر کے بارے میں ارشاد باری ہے: ﴿وَجَحَدُوا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا أَنْفُسُهُمْ﴾ (النمل: ۱۴) ”اور ان لوگوں نے اس کا انکار کیا ہے لیکن ان کے نفس نے اس پر یقین کر لیا ہے۔“

حدیث واحد کے حجت ہونے پر دلائل:

یہ بات روز روشن کی طرح عیاں اور واضح ہے کہ جو لوگ مدینہ منورہ سے اور دوسرے مقامات پر سکونت اختیار کئے ہوئے تھے، ان کو دعوت اسلام دینے کے لیے رسول اللہ ﷺ اپنے اصحاب کو ان کے پاس بھیجتے تھے۔ یہ لوگ جماعت کی شکل میں نہیں جاتے تھے بلکہ ایک فرد جاتا تھا اور انھیں اسلام کی دعوت دیتا تھا۔ وہ اسلام جو رسول اللہ ﷺ لے کر آئے تھے جو عقیدہ و احکام سب کو شامل تھا۔ صحیح حدیث میں اس کی واضح مثال موجود ہے اس حدیث کو یہ لوگ بھی جانتے ہیں لیکن افسوس کہ اس سے انحراف کئے ہوئے ہیں وہ یہ کہ رسول اللہ ﷺ دعوت اسلام کے لیے یمن کی طرف بھیجتے تھے کبھی معاذ رضی اللہ عنہ کو بھیجتے تھے، کبھی

اور باطل نظریات بھی دلائل کی روشنی میں تردید کی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ حدیث آحاد و حدیث متواتر میں فرق ہے اور خود شیخ البانی رحمہ اللہ کی اس مسئلہ میں نفع بخش اور علمی تصنیف ”الحديث حجة بنفسه في العقائد والأحكام“ موجود ہے۔ (اس کتاب کا بھی اردو ترجمہ قبول عام حاصل کر چکا ہے۔)

❶ شیخ البانی رحمہ اللہ کا قول ”وہی فلسفہ یتبرأ منها الإسلام“ ایک بہت دقیق اور باریک وصف ہے اور ایک شامل تعبیر ہے۔ اس لیے کہ یہ قاعدہ کہ حدیث آحاد اور حدیث متواتر میں فرق ہے نیز احکام میں حدیث آحاد سے دلیل جائز ہے لیکن عقائد کے مسائل میں نہیں۔ یہ ان قواعد میں سے ہے جن کو اہل کلام اور اہل فلسفہ نے وضع کیا ہے اور یہ بات سب کو معلوم ہے کہ کلام اور فلسفہ کا شمار علوم اسلامیہ میں نہیں ہوتا ہے یہ بات اہل سنت و جماعت ائمہ اربعہ اور دیگر محققین سے تواتر کے ساتھ ثابت ہے۔

ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو تو کبھی علی رضی اللہ عنہ کو بھیجتے تھے۔ اب سوال یہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ انھیں یمن کی طرف بھیجتے تھے تو یہ لوگ وہاں کیا کرتے تھے؟ ظاہر بات ہے کہ یہ لوگ پہلے انھیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لانے کی دعوت دیتے تھے یہی توحید کی دعوت ہے اور یہی ہر عقیدہ کی اصل ہے۔ پھر انھیں اسلام کی دعوت دیتے تھے۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف بھیجا تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ سب سے پہلے تم انھیں اس بات کی دعوت دو کہ وہ لوگ اس بات کی گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں جب وہ اس میں تمہاری بات مان لیں تو تم انھیں نماز کا حکم دو..... الحدیث۔^①

اس حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے معاذ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تھا اور وہ ایک فرد تھے۔ اب ان کی حدیث متاخرین کی اصطلاح میں ”حدیث آحاد“ ہے۔ پھر آپ ﷺ نے انھیں حکم دیا تھا کہ سب سے پہلے انھیں عقیدہ توحید کی دعوت دیں، یعنی اللہ پر ایمان و یقین کی جو ایک ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں ہے، حدیث کا لفظ یہ ہے: ((فلیکن اول ما تدعوهم الیہ شهادة ألا إله إلا الله .)) اس حدیث کی صحت پر سب کا اتفاق ہے پھر جب آپ تمام مسلمانوں، سلف صالحین کے پیروکاروں اور ان کے مخالفین کے درمیان موازنہ کریں گے تو دیکھیں گے کہ خواہ موافقین ہوں یا مخالفین وہ سب اس بات کو سمجھتے ہیں اور ان سب کا اس بات پر یقین بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے معاذ رضی اللہ عنہ ہی کو یمن کی طرف بھیجا تھا اور آپ ﷺ نے انھیں اس بات کا حکم دیا تھا کہ وہ وہاں کے لوگوں کو عقیدہ توحید کی دعوت دیں یعنی وہ لوگ اس بات کی گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ اب آپ دیکھیں کہ اس حدیث کی صحت پر کس قدر ان کا یقین ہے۔ اس کے باوجود یہ لوگ کہتے ہیں کہ

① یہ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے، مسند احمد (۲۳۳/۱) صحیح بخاری: ۴۳۰/۱، صحیح مسلم ارہ، ابو داؤد (۱۵۸۴)، ترمذی (۶۲۵)، نسائی: ۵۵، ۲/۵، ابن ماجہ (۱۷۸۲)، یحییٰ بن عبد اللہ بن صلی، عن ابی معبد، عن ابن عباس۔

عقیدہ کے باب میں حدیث آحاد حجت نہیں ہے۔^①

یہیں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی راہ سے انحراف کس قدر گمراہی کا سبب بن جاتا ہے۔ یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پوری زمین میں پھیلے ہوئے تھے جو جہاں تھا وہ وہاں لوگوں کو اسلام کی دعوت دے رہا تھا۔ ان کے درمیان حدیث آحاد و حدیث متواتر کے درمیان تفریق نہیں تھا۔ وہ صرف اتنا جانتے تھے کہ یہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہے اس پر خود بھی عمل کرنا چاہیے اور اس کو دوسروں تک پہنچانا بھی چاہیے اتنا جان لینے کے بعد اب جو شخص بھی حدیث میں تفریق کرتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ حدیث آحاد ہے اور یہ حدیث متواتر ہے وہ سلف صالحین کی منہج اور کتاب و سنت کی پیروی سے انحراف کئے ہوئے ہے۔

کتاب و سنت کے علم کے ساتھ ساتھ

سلف صالحین کے عمل کی معرفت بھی ضروری ہے

اب جو شخص یہ چاہتا ہے کہ وہ بھی سلفی منہج کو اختیار کرے اور اسی پر قائم بھی رہے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ جس طرح کتاب و سنت کا علم حاصل کرتا ہے اسی طرح وہ اس بات کو بھی جاننے کی کوشش کرے کہ صحابہ کرام کس راہ پر گامزن تھے، تابعین اور تبع تابعین کس راستے کو اختیار کئے ہوئے تھے۔ سلف صالحین کا طریقہ عمل کیا تھا۔ اس لیے کہ یہی وہ نفوس قدسیہ تھیں جنہوں نے بالکل صحیح انداز میں اس دعوت کو ہم تک پہنچایا۔ اس دعوت پر عمل کرنے اور اس کو دوسروں تک پہنچانے میں ان کے ہوئی و نفس کا ذرا بھی دخل نہیں تھا۔^②

① یہ حدیث بہت قوی ہے۔ اس کے باوجود بدعتی لوگ اس حدیث سے استدلال کی تردید کرتے ہیں کیونکہ یہ خبر واحد ہے جبکہ اس کی صحت پر تمام محدثین کا اتفاق ہے۔ شیخ البانی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ صرف صحیحین ہی کا اس کی صحت پر اتفاق نہیں ہے بلکہ کتب ستہ نے اپنی اپنی سنن میں اس کی تخریج بھی کی ہے اور تمام اہل علم نے اس کی تصحیح کی ہے اور اس کو قبول بھی کیا ہے اور آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ یہ حدیث صرف ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طریق سے مروی ہے اور ابن عباس سے صرف ابو معبد نے روایت کیا ہے۔ امام ترمذی نے باب میں حدیث صناعی کی طرف اشارہ کیا ہے لیکن یہ حدیث متواتر ہونے کے لیے کافی نہیں ہے۔

② سلفی منہج کو سمجھنے کے لیے شیخ البانی رحمہ اللہ نے یہاں جس شرط کو ذکر کیا ہے وہ یقیناً ان کی قوت بصیرت اور ⇨ ⇨

متاخرین کے خلاف ایک حجت:

گزشتہ اوراق میں آپ نے پڑھا کہ متاخرین لوگ حدیث آحاد اور حدیث متواتر میں فرق کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ عقیدہ کے مسائل کے لیے حدیث متواتر ہونا ضروری ہے۔ حدیث آحاد سے عقیدہ نہیں ثابت ہو سکتا۔ یہ نظریہ قائم کر کے وہ خود بسا اوقات عجیب و غریب تناقض میں واقع ہو جاتے ہیں اور اس سے نکلنے کا ان کے پاس کوئی راستہ نہیں ہوتا ہے اور یہ صرف اس لیے ہوتا ہے یہ لوگ سلفی منہج سے انحراف کئے ہوتے ہیں۔ آپ جب شرعی نصوص کو دیکھیں گے تو بعض نصوص آپ کو ایسے ملیں گے جن سے بیک وقت عقیدہ و احکام دونوں ثابت ہوتے ہیں جیسے صحیحین میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((إذا جلس أحدكم في التشهد الأخير ، فليستعذ بالله من

أربع)) ❶

”جب تم میں کوئی تشہد اخیر میں بیٹھے تو اللہ تعالیٰ کے ذریعے چار چیزوں سے پناہ

مانگے، وہ کہے: اے اللہ میں تیرے ذریعہ جہنم کی عذاب سے، قبر کی عذاب سے،

موت و حیات کے فتنے سے اور مسیح دجال کے فتنے سے پناہ چاہتا ہوں۔“

ۛ وقت نظر پر دلالت کرتی ہے کیونکہ آپ خود سوچیں کہ سلف صالحین کے فہم کی طرف رجوع ہوئے بغیر نیز ان کے عمل کو حجت بنائے بغیر شرعی نصوص کو کیسے سمجھا جاسکتا ہے اور اگر میں یہ کہوں تو کوئی مبالغہ نہیں ہوگا کہ معاصرین میں شیخ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اس منہج اور طریقہ کا احیاء کیا جس کے ذریعہ کتاب و سنت کے نصوص کو سمجھا جاسکتا ہے نیز یہ بھی واضح کیا کہ ان نصوص سے استدلال کے لیے سلف صالحین کے عمل کا جاننا بھی ضروری ہے، جبکہ بہت سے متاخرین فقہاء بالخصوص وہ لوگ جو اشعر یہ اور اہل کلام کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرتے ہیں۔ وہ سب سلفی منہج سے انحراف کئے ہوئے ہیں جبکہ سلفی منہج ہر قسم کی لغزشات و اخطاء سے پاک و صاف ہے۔ اس کی مثال اس سے پہلے زیارت قبور کے مسئلہ میں گزر چکی ہے۔

❶ صحیحین میں یہ حدیث عائشہ صدیقہ اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ اُم المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت امام بخاری رحمہ اللہ نے (۲۶۸/۱) میں، امام مسلم (۴۱۲/۱) میں، ابوداؤد (۸۸۰)، نسائی نے (۲۶۲/۸) میں: شعیب بن ابی حمزہ، عن الزہری، عن عروۃ بن الزبیر، عن اُم المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی طریق سے روایت کیا ہے..... اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت امام بخاری رحمہ اللہ نے (۴۲۳/۱) میں، امام مسلم نے (۴۱۳/۱) میں: ہشام الاساؤکی، ۛ

اس حدیث میں ان چار چیزوں سے پناہ مانگنے کا حکم ہے۔ نیز اس میں شرعی حکم بھی ہے چونکہ وہ لوگ اس مسئلہ میں ہمارے ساتھ ہیں کہ حدیث آحاد سے شرعی احکام بھی ثابت ہوتے ہیں۔ اس لیے انھیں اس حدیث کو لینے کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں اور اس میں چار چیزوں سے پناہ مانگنے کا حکم دیا ہے۔ عذاب قبر سے، فتنہ موت و حیات سے اور فتنہ مسیح و جال سے۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا عذاب قبر پر ان کا اعتقاد و یقین ہے اگر ان کا اعتقاد ہے تو یہ اعتقاد اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے اور یہ حدیث حدیث آحاد کی قبیل سے ہے تو اب کیا کہیں گے؟

یہاں وہ لوگ ٹامک ٹوئیاں کھانے لگے اور زبردست دلدل میں پھنس گئے اس لیے کہ عذاب قبر عقیدہ ہے اور ان کے اعتقاد و یقین میں عذاب قبر متواتر حدیث سے بھی نہیں ثابت ہے۔ اسی لیے یہ لوگ عذاب قبر پر یقین نہیں رکھتے ہیں۔ ہاں جس کا ذکر قرآن کی ایک آیت میں فرعون کے حق میں وارد ہوا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿النَّارُ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَعَشِيًّا﴾ (المؤمن: ۴۶)

ان کے بقول آیت میں مذکور یہ آگ فرعون اور آل فرعون کا عذاب ہے لیکن عام کفار کو عذاب قبر یا وہ مسلمان جن کے حق میں کچھ بھی عذاب قبر ثابت ہے۔ ان پر ان کا ایمان

عن یحییٰ بن ابی کثیر، عن ابی سلمۃ بن عبد الرحمن، عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ، روایت کی ہے۔

لاریب یہ حدیث ان متاخرین کے خلاف ایک قوی حجت ہے اس کے مانند اور دوسری صحیح احادیث ہیں جو احکام و عقائد دونوں کو شامل ہیں اور ان کا شمار اخبار آحاد میں ہوتا ہے۔ ان متاخرین کا خیال ہے کہ ان احادیث میں عقائد کے علاوہ دوسرے احکام ہیں لہذا ان پر عمل کرنا ضروری ہے وہ یہ نہیں تسلیم کرتے ہیں کہ ان میں عقیدہ بھی ہے یا عقیدہ کے مسائل بھی اس سے مستنبط ہوتے ہیں اور یہی تصور و خیال عین گمراہی ہے۔ کیونکہ نص کی صحت جب ثابت ہو جائے تو اس کی نہ تو مخالفت جائز ہے اور نہ ہی یہ کہہ کر اس میں توقف جائز ہے کہ یہ اخبار آحاد کی قبیل سے ہے۔ خواہ اس حدیث میں عقائد کے احکام ہوں یا دوسرے احکام و مسائل اور محققین اہل علم کے نزدیک اس تفریق کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ متقدمین علماء کرام اور ائمہ عظام نے احادیث آحاد سے عقائد اور صفات باری تعالیٰ کے باب میں استدلال کیا ہے اور اسی کو اہل بدعت اور اہل ہوی و نفس نے یا تو انکار کر دیا ہے یا اس کی غلط تاویل کر ڈالی ہے اور دونوں باطل ہیں۔

نہیں ہے اور یہ نظریہ محض اسی باطل عقیدہ سے پیدا ہوا ہے کہ جب تک صحیح حدیث متواتر نہ ہو اس سے عقیدہ ثابت نہیں ہوتا اسی لیے ان لوگوں نے بہت سی احادیث کا یہ کہہ کر انکار کر دیا ہے کہ یہ تواتر کے مقام کو نہیں پہنچی ہیں۔

مثال کے طور پر آپ لوگ امام بخاری کی اس روایت کو جانتے ہوں گے جس کو انہوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا گزر دو قبروں کے پاس سے ہوا۔ آپ نے فرمایا:

((اما إنهما ليعذبان وما يعذبان في كبير..... الحديث.))

”بے شک ان دونوں کو عذاب ہو رہا ہے حالانکہ انھیں کسی بڑے معاملے کے بارے میں عذاب نہیں ہو رہا ہے (ان کا گناہ یہ تھا) ان میں سے ایک چغل خوری کرتا تھا اور دوسرا پیشاب سے نہیں بچتا تھا۔“

پھر رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ کھجور کے درخت کی ایک ڈالی لائی جائے۔ جب ڈالی لائی گئی تو آپ نے اس کو دو حصہ کر دیا اور ہر ایک کے سر کے پاس ایک حصہ کو گاڑ دیا۔ لوگوں نے اس کا سبب پوچھا تو آپ نے فرمایا: ((لعل الله عز وجل يخفف عنهم ما دام طيبين.))^① جب یہ دونوں تازہ اور ہری رہیں اس وقت تک ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ ان دونوں کے عذاب میں تخفیف پیدا کر دے۔“ یہ حدیث صحیح بخاری میں موجود ہے۔

اس میں رسول اللہ ﷺ نے اس بات کی تصریح کر دی ہے کہ یہ دونوں مسلمان ہیں۔ اس کے باوجود دونوں کو عذاب ہو رہا ہے۔ اسی لیے آپ ﷺ نے ان دونوں کے حق میں دعا کی کہ اللہ تعالیٰ ان دونوں سے عذاب کو کم کر دے جب تک یہ دونوں شاخیں ہری رہیں

① صحیح بخاری: ۲۸۹/۱، ابوداؤد (۲۱)، نسائی: ۱۰۶/۴، منصور بن معتمر عن مجاہد عن ابن عباس کی سند سے اور اصحاب ستہ نے اس کو انعمش عن مجاہد عن طارق عن ابن عباس کی طریق سے روایت کیا ہے اور میرے خیال میں دونوں روایتیں محفوظ ہیں پس مجاہد حافظ اور امام کبیر ہیں لہذا ممکن ہے کہ پہلے انہوں نے حدیث کو طواؤس کے واسطے سے سنا ہو۔ پھر بعد میں ابن عباس سے سنا ہو۔ بلکہ امام بخاری کا دونوں روایتوں کو روایت کرنا اسی روایت پر دلالت کرتا ہے اور اسکی تاکید بھی کرتا ہے۔

اسی طرح دوسری حدیث ہے اس میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ((استنزهوا من البول، فإنه أكثر عذاب القبر البول.)) ❶ ”پیشاب سے بچتے رہو، کیونکہ عذاب قبر زیادہ تر پیشاب سے ہوتا ہے۔“

نیز اسی قبیل سے یہ حدیث بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ دو مشرک کی قبروں سے گزرے یہ زمانہ جاہلیت ہی میں مر گئے تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ((لولا أن لا تدافنوا لأسمعتكم عذاب القبر.)) ❷ ”اگر یہ بات نہ ہوتی کہ تم لوگ دفن نہیں کرو گے، تو میں تم لوگوں کو عذاب قبر سنا دیتا۔“ اس موضوع پر اس کے علاوہ بے شمار احادیث ہیں۔ بعض مشرکوں کو اور بعض مسلمانوں کے لیے عذاب قبر ثابت ہونے کے بارے میں یہ احادیث موجود ہیں لیکن انھیں اور ان کے مضمون کو محض اس لیے ٹھکرا دیا گیا ہے کہ یہ حدیث آحاد ہیں۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ کیا کہیں گے جس میں ہے: ((إذا جلس أحدكم في التشهد توألا خير فليستعذ بالله منه أربع.)) ”جب تم میں سے کوئی شخص خیر تشہد میں بیٹھے تو اسے چاہیے کہ اللہ کے ذریعے چار چیزوں سے پناہ مانگے۔“

❶ یہ حدیث اس لفظ کے ساتھ سنن دارقطنی ۱/۱۲۸ میں محمد بن الصباح السمان البصری، حدثنا ازهر بن سعد السمان، عن ابن عون، عن محمد بن سيرين عن ابي هريرة مرفوعاً موجود ہے۔ دارقطنی نے کہا: صحیح بات یہ ہے کہ یہ حدیث مرسل ہے۔ شیخ البانی رحمہ اللہ نے إرواء الغلیل ۱/۳۱۱ میں کہا ہے۔ اس سند کے تمام رجال ثقہ ہیں۔ سوائے محمد بن صباح کے، ذہبی نے ”المیزان“ میں اس کو ذکر کر کے کہا ہے کہ ”بصری عن أزهري السمان“ غیر معروف ہے اور اس کی خبر منکر ہے گویا کہ وہ اسی کو مراد لے رہے ہیں۔ ابن ماجہ نے (۳۳۸) اور دارقطنی ۱/۱۲۸ میں ابو عوانہ عن لا أعش، عن ابي صالح، عن ابي هريرة مرفوعاً اس لفظ کے ساتھ روایت کیا ہے: ”أكثر عذاب القبر من البول“ دارقطنی نے کہا یہ صحیح ہے۔ یہی حدیث پہلے لفظ کے ساتھ صحیح سند سے وارد ہے لیکن ”العلل“ ۱/۲۱ ابن ابی حاتم میں انس بن مالک کی سند سے دیکھو ”ارواء الغلیل (۱/۳۱۰)۔“

❷ اس حدیث کو امام بخاری نے ۱/۱۸۷، اور امام مسلم نے ۲/۶۲۳ میں فاطمہ بنت المنذر عن اسماء بنت ابی بکر کی سند سے اس لفظ کے ساتھ روایت کیا ہے: ”إن هذه الأمة تبتلى في قبورها، فلو لا أن لا تدافنوا لدعوت الله أن يسمعكم من عذاب القبر الذي أسمع منه.“ بے شک یہ امت اپنی قبر میں آزمائی جائے گی اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ تم دفن کرنا چھوڑ دو گے تو میں اللہ تعالیٰ سے اس بات کی دعا کرتا کہ وہ تمہیں بھی عذاب قبر سنا دے جس کو میں سن رہا ہوں۔

اس مسئلہ میں سلف صالحین اور ائمہ اربعہ کا موقف:

منہج سلف کے طالب علم پر یہ بات ہرگز مخفی نہیں ہے کہ سلف کے یہاں حدیث میں اس تفریق کا نام و نشان تک نہیں ملتا اور نہ ہی ائمہ اربعہ کے یہاں اس تفریق کا کوئی وجود ملتا ہے کیونکہ یہ لوگ سلف ہی کے عقیدہ و عمل کے پیروکار تھے۔ البتہ بعض گمراہ فرقے جیسے معتزلہ اور خوارج وغیرہ ضرور اس راہ سے بھٹک گئے ہیں اور مومنوں کے راستے کی مخالفت کی ہے۔ ایسے ہی لوگوں کے حق میں اللہ تعالیٰ کی وعید آئی ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُوْمِنِينَ نُؤَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ ۚ وَسَاءَ أَتْمَصِيرًا﴾

(النساء: ۱۱۵)

”اور جو شخص ہدایت واضح ہو جانے کے بعد رسول کی مخالفت کرتا ہے اور مومنوں کا راستہ چھوڑ کر دوسری راہ کی پیروی کرتا ہے تو ہم اس کو اسی کا والی بنا دیتے ہیں اور ہم اس کو جہنم میں داخل کریں گے اور یہ بہت برا ٹھکانا ہے۔“

یہ واضح مثال اس بات کی وضاحت کرتی ہے کہ محض کتاب و سنت کا تمسک ہی کافی نہیں ہے اور نہ ہی ان کو فائدہ دے سکتا ہے کیونکہ ان لوگوں نے حدیث آحاد کہہ کر سنت کو نہ صرف ٹھکرا کر دیا ہے بلکہ اس کا انکار بھی کر دیا ہے لہذا ایسے لوگوں سے بھی اور ان کے افکار و خیالات سے بھی بچنے کی کوشش کرنی چاہیے اور اس منہج اور راہ پر مضبوطی سے گامزن رہنا چاہیے جس پر سلف صالحین قائم تھے۔ ہم علامہ ابن القیم رحمہ اللہ جو زیہ کو دیکھتے ہیں کہ وہ مضبوطی سے منہج سلف پر قائم رہنے کے ساتھ ساتھ ہم سب کو بھی وہی طریقہ اختیار کرنے کی تلقین کرتے ہیں اور انہوں نے اس منہج کو اپنے ایک شعر میں جمع بھی کر دیا ہے: آپ فرماتے ہیں:

((العلم ما قال الله وقال رسوله..... قال الصحابة.....)) ”یعنی علم وہ ہے جس کو اللہ اور اس کے رسول نے کہا ہو اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی کہا ہو۔“

اس نظم میں علامہ ابن القیم رحمہ اللہ نے ((العلم ما قال الله قال رسوله)) پر ہی

اکتفاء نہیں کیا ہے بلکہ اس میں ”قال الصحابة“ کا اضافہ بھی کر دیا ہے، اس کا سبب تو آپ کو معلوم ہی ہوگا کہ آیت کریمہ اور احادیث صحیحہ واضح انداز میں اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ ناجی جماعت وہی ہے جو سلف صالحین اور صحابہ کرام کے منہج و راہ پر قائم ہے۔ اسی لیے علامہ ابن القیم رحمہ اللہ نے کہا:

العلم ما قال الله قال رسوله
قال الصحابة ليس بالتمويه
ما العلم نصبك للخلاف سفاهة
بين الرسول وبين رای فقیه
کلا ولا جحد الصفات ونفیها
حذراً من التعطیل والتشبیہ

”یعنی علم وہ ہے جس کو اللہ اور اس کے رسول نے کہا ہو اور صحابہ کرام نے کہا ہو۔ علم وہ نہیں ہے کہ رسول اور کسی فقیہ کے قول کے درمیان اختلاف اور ٹکراؤ پیدا کیا جائے اور نہ ہی علم وہ ہے جو صفات کی نفی اور انکار کا سبب بنے۔ یقیناً تعطیل اور تشبیہ سے بچنے کی کوشش کرنی چاہیے۔“

علامہ ابن القیم رحمہ اللہ کے دوسرے مصرعے میں حدیث آحاد اور حدیث تواتر کے مابین تفریق کی طرف اشارہ ہے کیونکہ یہ لوگ عقیدہ کے باب میں حدیث آحاد کو نہیں مانتے ہیں جبکہ سلف صالحین ہر حدیث کو قبول کر لیتے تھے خواہ عقیدہ کے متعلق ہو یا احکام کے۔ صفات کے باب میں خلف کا مذہب سلف کی مخالفت کرنا ہے:

خلف (یعنی بعد کے لوگ) جو راہ اختیار کیے ہوئے ہیں یا جس منہج پر قائم ہیں۔ وہ طریقہ کار اور وہ منہج یقیناً سلف صالحین کے منہج کے سراسر خلاف ہے کیونکہ یہ لوگ آیات صفات جس طرح نازل ہوئی ہیں اس طرح ان کو تسلیم نہیں کرتے ہیں بلکہ ان کو یا تو مکمل چھوڑ دیتے ہیں یا اس کی تاویل کر ڈالتے ہیں جبکہ سلف صالحین کا طریقہ کار یہ تھا کہ آیات صفات

ہوں یا احادیث صفات، ان کے حقیقی معانی پر مکمل ایمان رکھتے تھے نہ تو ان کی تاویل کرتے تھے اور نہ ہی ان کو کسی سے تشبیہ دیتے تھے اور نہ ہی اس کو چھوڑتے ہی تھے بلکہ جس طرح اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے ثابت ہیں اسی طرح ان پر وہ ایمان رکھتے تھے۔ ❶ یہی عقیدہ ائمہ اربعہ کا بھی ہے۔

❶ مذہب سلف بیان کرنے میں ائمہ کرام کی عبارتیں مختلف ہیں:

❷ مثلاً امام اوزاعی نے کہا: امام زہری اور مکمل کہتے تھے: ”یہ حدیثیں جیسی آئی ہیں ویسے ہی کہو“ عبارت اس طرح ہے: ”أمرنا هذه الأحادیث كما جاءت“ (اللالکائی: ۷۳۵) جامع بیان العلم لابیہ عبد البر (۹۶/۲) ذم التأویل للموفق المقدسی (ص: ۲۲) بسند صحیح.

❷ سفیان بن عیینہ نے کہا: ((کل ما وصف الله تعالى به نفسه في القرآن فقرآته تفسيره ولا يقف، ولا مثل .)) (امام دارقطنی نے ”الصفات“ ص ۶۱ میں صحیح سند سے اس کو روایت کیا ہے۔) اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنے آپ کو جن صفات سے متصف کیا ہے تو وہی قرأت ہی اس کی تفسیر ہے نہ تو اس کی کیفیت بیان کی جائے گی اور نہ اس کی تشبیہ دی جائے گی۔

❷ احمد بن نصر سے روایت ہے کہ انہوں نے سفیان بن عیینہ سے سوال کیا تو انہوں نے جواب دیا: عبد اللہ کی حدیث ((إن الله يجعل السماء على اصبع)) ”بے شک اللہ تعالیٰ آسمان کو انگلیوں پر کر لے گا۔“ اور ((إن الله يضحك ممن يذكره في الأسواق .)) ”جو شخص اللہ تعالیٰ کو بازاروں میں یاد کرتا ہے اس سے وہ ہنستا ہے۔“ اور اللہ تعالیٰ ((يسزل إلى السماء الدنيا كل ليلة)) ”ہر رات آسمان دنیا کی طرف نزول فرماتا ہے“ اس طرح دوسری احادیث بھی ہیں۔ ان کے جواب میں سفیان بن عیینہ نے کہا: ((هذه الأحادیث نرويهها، ونقربه كما جاءت بلا كيف:)) (ابو بکر خلال نے ”السنة“ میں (۳۱۳) دارقطنی نے ”الصفات“ (۶۷) میں اور آجری نے ”الشریعة“ (ص ۳۱۴) میں اس کو صحیح سند سے روایت کیا ہے۔) ہم ان حدیثوں کو روایت کرتے ہیں اور جیسے یہ ثابت ہیں اس کو اسی طرح بلا کیف کے اقرار بھی کرتے ہیں۔

❷ ولید بن مسلم نے کہا: میں نے مالک بن انس، سفیان ثوری، لیث بن سعد اور اوزاعی سے صفات کے بارے میں وارد احادیث کے متعلق سوال کیا؟ تو انہوں نے جواب دیا: ”أمرنا وها كما جاءت“ (ابو بکر خلال نے ”السنة“ میں (۳۱۳) دارقطنی نے ”الصفات“ (۶۷) میں اور آجری نے ”الشریعة“ (ص ۳۱۴) میں اس کو صحیح سند سے روایت کیا ہے۔) وہ جیسی وارد ہوئی ہیں ویسی ہی ان کو بتاؤ، یعنی ان کی تاویل وغیرہ مت کرو۔

❷ ابن معین نے کہا: میں زکریا بن عدی کے پاس حاضر ہوا میں نے دیکھا کہ وہ کوکب بن جراح سے سوال کر رہے تھے کہ اے ابوسفیان! ”الکرسی موضع القدمین“ جیسی احادیث کے بارے میں آپ کیا فرماتے؟

ہے ہیں تو انہوں نے جواب دیا: ”أدرکنا اسماعیل من أبی خالد، وسفیان، ومسعرًا، یحدثون بهذه الأحادیث، ولا یفسرون شیئًا“ (اس روایت کو دوری نے ”تاریخ ابن معین“ (۲۵۳۳) میں، دارقطنی نے ”الصفات“ (۵۸) میں اور بیہقی نے ”الأسماء والصفات“ (۷۵۹) میں صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔) ہم نے اسمعیل بن ابوخالد سفیان اور مسعر جیسے لوگوں کو دیکھا کہ وہ لوگ ان احادیث کو بیان تو کرتے تھے لیکن اس کی کچھ بھی تفسیر نہیں کرتے تھے۔“

⊗ ابو عبید نے کہا: ”ما ادرکنا أحدًا یفسر هذه الأحادیث، ونحن لا تفسرها“ (اس کو دارقطنی نے ”الصفات“ (۵۷) میں، بیہقی نے ”الأسماء والصفات“ (۷۶۰) میں، اللاکائی نے (۹۲۸) میں اور آجری نے ”الشریعة“ (ص: ۲۵۵) میں صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔) ہم نے کسی کو ان احادیث کی تفسیر کرتے نہیں پایا لہذا ہم بھی ان کی تفسیر نہیں کریں گے۔

⊗ ربیعہ بن ابوعبد الرحمن نے کہا: ((الإستواء غیر مجہول، والکیف غیر معقول، ومن اللہ الرسالة، ومن الرسول البلاغ، وعلینا التصدیق.)) (اس کو ذہبی نے ”العلو“ (۳۵۲) میں صحیح سند سے روایت کیا ہے۔) یعنی استواء کا معنی معلوم ہے اور کیف مجہول ہے، اللہ کی جانب سے پیغام ہے اور رسول اللہ ﷺ پر اس کی تبلیغ ہے اور ہمارے اوپر اس کی تصدیق واجب ہے۔“

آپ نے دیکھا کہ اس باب میں سلف صالحین اور ائمہ کرام کے اقوال ایک جیسے ہیں نہ تو کسی نے تاویل کی ہے اور نہ تشبیہ بیان کی ہے بلکہ یہ جیسے ثابت ہیں اسی طرح ان پر ایمان رکھا اور انہیں کے نقش قدم پر ان کے بعد کے ائمہ و محققین چلے ہیں۔

⊗ غلال نے کہا: ہم کو مروزی نے خبر دی کہ انہوں نے امام احمد بن حنبل سے احادیث صفات کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ: ”نمرها کما جاءت“ (اسی طرح موقوف نے ”ذم التأویل“ (ص: ۲۶) میں غلال کی طرف منسوب کیا ہے اس کی سند صحیح ہے اور یہ غلال کی ”السنة“ (۲۸۳) میں بھی روایت ہے) یعنی ہم ان احادیث سے ایسے ہی گزر جاتے ہیں جیسے وہ آئی ہیں یعنی ثابت ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ نہ تو ان کی تاویل کریں گے نہ تشبیہ دیں گے اور نہ ہی ان کو چھوڑیں گے۔

⊗ امام بخاری رحمہ اللہ کے استاذ ابو بکر حمیدی رحمہ اللہ نے کہا: ”أصول السنة عندنا..... فذكر أشياء، ثم قال: ہمارے نزدیک اصول سنت یہ ہیں اس کے بعد بہت سی چیزوں کو ذکر کیا اس کے بعد فرمایا: ”وما نطق به القرآن والحديث، مثل ”وقالت اليهود يد الله مغلولة غلت ايديهم“ ومثل ”السموت مطويات بيمينه“ وما أشبه هذا من القرآن والحديث، لا نزيد فيه ولا تفسره، ونقف على ما وقف عليه القرآن والسنة، ونقول: ”الرحمن على العرش“

﴿استوی﴾ ومن زعم غیر هذا فهو معطل جهمی۔“ (ذیل المسند) ”اور جس کو قرآن و حدیث نے کہا ہو مثلاً یہودیوں کا کہنا کہ ”بد اللہ“ اور جیسے ”السموات مطویات بیمینہ“ اسی طرح قرآن و حدیث میں جو اس کے مشابہ ہو، ہم اس میں نہ تو اپنی طرف سے کچھ اضافہ کریں گے اور نہ ہی اس کی تفسیر بیان کریں گے بلکہ اتنا ہی کہیں گے جتنا قرآن و حدیث نے کہا ہے اور ہم یہ بھی کہیں گے کہ ”الرحمن علی العرش استوی“ یعنی رحمن عرش پر مستوی ہے۔ اب جو اس کے علاوہ کہتا ہے وہ معطل اور جہمی ہے۔

⊗ ابو عثمان صابونی رحمہ اللہ نے کہا: (اعتقاد اہل السنۃ واصحاب الحدیث والأئمة (ص: ۲۱) ”بے شک اہل حدیث جو کتاب و سنت کو مضبوطی سے پکڑے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے زندوں کی حفاظت کرے اور جو وفات پا چکے ہیں ان پر رحم کرے۔ یقیناً یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی اور رسول اللہ ﷺ کی نبوت اور رسالت کی گواہی دیتے ہیں، یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو اس کے صفات کے ساتھ جانتے ہیں جن صفات کو اللہ تعالیٰ نے خود اپنے لیے ثابت کیا ہے اور رسول اللہ ﷺ نے بھی ان کی گواہی دی ہے اور جن کو عادل اور ثقہ راویوں نے روایت کیا ہے نیز یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی صفات کو مخلوق کی صفات سے تشبیہ بھی نہیں دیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنے ساتھ سے پیدا کیا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿قَالَ يَا إِبْلِيسُ مَا مَنَعَكَ أَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِإِيدِي﴾ ”اس نے کہا: اے ابلیس! جس کو میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے پیدا کیا ہے اسے سجدہ کرنے سے تجھے کون سی چیز مانع ہے۔“ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے لفظ ”ید“ ثابت کیا ہے لہذا یہ لوگ اس لفظ کا حقیقی معنی بیان کرتے ہیں۔ اس میں تحریف نہیں کرتے یعنی معتزلہ اور جہمیہ کی طرح اس لفظ کا معنی ”نعمت“ یا ”قوت“ کے نہیں بیان کرتے ہیں اور نہ ہی اس لفظ ”ید“ کی کیفیت بیان کرتے ہیں اور نہ ہی مخلوق کی ہاتھ سے تشبیہ دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو ذلیل و رسوا کر کے ہلاک و برباد کر دے جو صفات میں یا تو تحریف کرتے یا اس کی تشبیہ بیان کرتے ہیں یہ لوگ معتزلہ، جہمیہ اور مشتبہ ہیں، اللہ تعالیٰ کے تمام صفات جن کو کتاب و سنت نے ثابت کیا ہے جیسے سمع، بصر، عین، وجہ، علم، قوت، قدرت، عزت، عظمت، ارادہ، مشیت، قول، کلام، رضا، خطا، حیا، یقظہ، فرح، حُک و غیرہ۔ یہ اہل حدیث ان صفات کو ایسے ہی ثابت کرتے ہیں جیسے قرآن و سنت نے ثابت کیا ہے۔ نہ تو ان کو مخلوق کی صفات سے تشبیہ دیتے ہیں۔ نہ ان کی تحریف کرتے ہیں نہ ہی تاویل، وہ ان کو ظاہر پر محمول کر کے یہ کہتے ہیں کہ ان کا حقیقی علم اللہ تعالیٰ کو ہے جیسا کہ قرآن میں وارد ہے: ﴿وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ...﴾ ”اور علم میں راسخ لوگ کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ ہر ایک ہمارے رب کی جانب سے ہے۔ لیکن اس سے صرف عقلمند لوگ لوگ ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں۔“

تشبیہ و تعطیل پر کلام:

”تشبیہ“ مشبہ کا مذہب ہے اور ”تعطیل“ مؤولہ کا مذہب ہے۔^① رہے سلف صالحین تو یہ لوگ صفات کے معانی کو ان کے حقیقی معنی پر محمول کرتے ہیں اور اللہ کی ذات و صفات کو ہر قسم کی تشبیہ و تعطیل سے منزہ اور پاک قرار دیتے ہیں۔ یہ لوگ وہی بات کہتے ہیں جو قرآن کہتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ﴾ (الشوری: ۱۱) ”اس کے مانند کوئی نہیں ہے اور وہ سمیع ہے بصیر ہے۔“ ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ﴾ میں تنزیہ ہے یعنی ذات باری تعالیٰ ہر قسم کی تشبیہ سے پاک ہے لیکن خلف نے ان صفات کا حقیقی معنی نہ لے کر کے دوسرا معنی بیان کیا ہے اور حقیقی معنی نہ لے کر کے دوسرا معنی بیان کیا ہے اور حقیقی معنی سے اعراض کر گئے جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ یہ لوگ سلف صالحین کے منج سے کو سوں دور ہو گئے۔

① شیخ ابوالبابی رحمہ اللہ کا قول: ”التشبيه من مذهب المشبهة، والتعطيل من مذهب المؤولة“ اس میں لفظ ”تشبیہ“ ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کو اس کے کسی مخلوق سے تشبیہ دینا یا اس کے صفات کو مخلوق کی صفات سے تشبیہ دینا جیسے یہ کہا جائے کہ اللہ کا ہاتھ بندہ کے ہاتھ کی طرح ہے یا اس کا قدم مخلوق کے قدم کی طرح ہے۔ اس کی نگاہ مخلوق کی نگاہ کی مانند ہے وغیرہ وغیرہ۔ یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ محض نام کے اتفاق سے تشبیہ نہیں لازم آتی ہے مثلاً اللہ کا بھی ہاتھ (ید) ہے اور بندے کا بھی ہاتھ ہے دونوں کے ہاتھ (ید) کو ہاتھ ہی کہا جائے گا۔ اس کو صفات میں اتفاق کہتے ہیں یعنی دونوں ایک ہی معنی میں متفق ہیں اس کو تشبیہ نہیں کہا جائے گا جب تک یہ نہ کہا جائے کہ اللہ کا ہاتھ مخلوق کے ہاتھ کی طرح ہے یہ تشبیہ ہے اور یہی غلط اور باطل ہے اسی سلسلے میں ابن مندہ کہتے ہیں: ”التشبيـل والنشیه لا یـکون إلا بالتحقیق، ولا یـکون یاتفاق الأسماء“ یعنی محض ناموں کے متفق ہونے سے تشبیہ و تمثیل ثابت نہیں ہوتی ہے جب تک کسی سے تشبیہ نہ دی جائے۔“ (بواسطۃ: الحجۃ فی بیان المحجۃ“ لأبسی القاسم لأصبھانی ۹۳/۱) رہا ”تعطیل“ تو اس کا مفہوم ”نفی“ ہے اور اگر اس کا قائل تاویل کرتا ہے یعنی لفظ کے ظاہری معنی سے اعراض کر کے دوسرا بعید معنی مراد لیتا ہے تو اس کا درجہ نفی سے کم ہے اور یہ تاویل بھی تعطیل ہی کا حصہ ہے۔ جیسے اشاعرہ اور معتزلہ جہمہ کا ایک جزو اور حصہ ہیں کیونکہ اگرچہ نفی صفات میں ان کے درجات مختلف ہیں پھر بھی ان کا شمار انہی لوگوں میں ہوتا ہے جو صفات کی نفی کرتے ہیں۔ اس کے برعکس مشبہ نے اثبات صفات میں اتنا مبالغہ کیا کہ ظاہری معنی سے نکل کر تشبیہ مذموم و ممنوع کی طرف چلے گئے۔ لیکن سلف صالحین نے وسط (بیچ) کا راستہ اختیار کیا انہوں نے تو معطلہ کی طرح صفات کی نفی کی اور نہ ہی مشبہ کی طرح صفات کی مخلوق سے تشبیہ دی۔ بلکہ انہوں نے صفات کو اسی طرح ثابت کیا جس طرح کتاب و سنت میں وارد ہے اور صفات کی کیفیات کو اللہ کے حوالہ کر دیا۔

صفات کے اثبات میں سلفی اصول:

یہ بات عام و خاص سب کو معلوم ہے اور صحیح سند سے ثابت بھی ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ کے پاس ایک آدمی آیا اور سوال کرنے لگا کہ اے مالک! ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿الرَّحْمَنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَى﴾ ”یعنی رحمن عرش پر مستوی ہے۔“ تو آپ بتائیے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر کیسے مستوی ہے؟ امام مالک رحمہ اللہ نے جواب دیا: ((الاستواء معلوم، والکیف مجهول، ولسوال عنه بدعة اخرجوا الرجل فإنه مبتدع.)) یعنی ”استواء“ کا معنی تو معلوم ہے لیکن اس کی کیفیت مجہول ہے اور اس کے بارے میں سوال کرنا بدعت ہے اور اس آدمی کو جلدی سے باہر نکالا کیونکہ یہ بدعتی لگ رہا ہے۔“

یہاں امام مالک رحمہ اللہ نے کافی تسلی بخش جواب دیا ہے۔ آپ نے بتایا کہ عربی زبان میں لفظ ”استواء“ کا معنی معلوم ہے اور وہ ”علو“ ہے۔ یعنی بلند ہونا گویا کہ اللہ تعالیٰ کا قول: ﴿الرَّحْمَنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَى﴾ میں ”استوی“، بمعنی ”استعلی“ ہے۔ اسی لیے ہر

① یہ واقعہ امام مالک رحمہ اللہ سے مختلف سندوں سے وارد ہے جو سب کے سب ضعیف ہیں مجھے کوئی صحیح سند ابھی تک نہیں مل سکی ہے۔ ممکن ہے کہ یہ میری کوتاہی کی وجہ سے ہو۔ لیکن یہی واقعہ امام مالک رحمہ اللہ کے استاذ ربیعہ بن ابی عبد الرحمن سے ثابت ہے۔ امام ذہبی نے صحیح سند سے اپنی کتاب ”العلو“ (۳۵۲) میں ذکر کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ میں ربیعہ بن ابی عبد الرحمن کے پاس تھا تو ان سے ایک آدمی نے سوال کیا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿الرَّحْمَنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَى﴾ ”رحمن عرش پر مستوی ہے۔“ تو آپ بتائیے کہ وہ کیسے عرش پر مستوی ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا: ”الاستواء غیر مجہول، والکیف غیر معقول، ومن الله الرسالة، وعلى الرسول البلاغ، وعلىنا التصديق.“ ”یعنی استواء کا معنی معلوم ہے اور کیف مجہول ہے اور رسالت اللہ کی جانب سے ہے اور رسول پر اللہ کے پیغام کو پہنچا دینا ہے اور ہمارے اوپر رسول کے پیغامات کا تصدیق کرنا فرض ہے۔“ یہ روایت ”اللالکائی (۶۶۵) میں اور ابن قدامہ کے ”العلو“ (۹۰) میں عن ابن عیینہ عن ربیعہ وارد ہے۔ اب جو اس عبارت میں غور کرے گا اس کے سامنے مندرجہ ذیل چند امور واضح ہوں گے۔

۱: بندوں کے نزدیک صفات کی کیفیت مجہول ہے، یعنی بندوں کو اس کا علم نہیں۔

۲: لغت کے اعتبار سے صفات کے معانی معلوم ہیں۔

۳: صفات پر ایمان لانا واجب ہے۔ اگرچہ اس کی کیفیت ہمیں نہیں معلوم ہے۔

۴: صفات کے بارے میں سوال کرنا، اس میں غور و فکر کرنا یا کمی و بیشی کرنا بدعت ہے۔ یہ سلف سے ثابت نہیں۔

مسلمان سجدہ میں ”سبحان ربی الاعلیٰ“ کہتا ہے اور امام مالک رحمہ اللہ نے بھی یہی جواب دیا تھا کہ لغت میں استواء کا معنی معلوم ہے۔ لیکن تم استواء کی کیفیت کے بارے میں سوال کرتے ہو کہ وہ کیسے مستوی ہے؟ تو یہ کیفیت مجہول ہے۔ اس کا علم کسی کو نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی صفات کے بارے میں وہی بات کہی جائے گی جو اس کی ذات کے بارے میں کہی جاتی ہے۔ ❶ مثلاً ہر مسلمان یہ بات ثابت کرتا ہے کہ اللہ کا وجود ثابت ہے یعنی اللہ تعالیٰ موجود ہے لیکن وہ یہ نہیں بتا سکتا کہ اللہ کی ذات کیسے ہے اور کیسے موجود ہے تو جب اس کی ذات کی کیفیت کو نہیں بیان کیا جاسکتا تو اس کی صفات کی کیفیت کو کیسے بیان کیا جاسکتا ہے۔ اسی لیے امام مالک رحمہ اللہ نے کہا کہ کیف مجہول ہے اور اس کے بارے میں سوال کرنا بدعت ہے اور تو نامعلوم چیز کے بارے میں سوال کرتا ہے لہذا تو بھی بدعتی ہے، اسی لیے اس کو اپنی مجلس سے بھگادینے کا حکم دیا..... اوپر کی تفصیلی بیانات سے معلوم ہوا کہ مذہب سلف یہ ہے کہ صفات کی آیات ہوں یا احادیث ان پر اسی طرح ایمان رکھنا ہے جس طرح وہ ثابت ہیں زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان کا لغوی معنی معلوم ہے اور بس۔ نہ تو اس کی تاویل کی جائے گی اور نہ ہی اس کی تشبیہ بیان کی جائے گی اور نہ ہی ان کی نفی کی جائے گی۔ اس لیے کہ

❶ یہی قول ائمہ علم و فن کے نزدیک معتمد ہے۔ خطیب بغدادی نے اپنے جزء ”اکلام علی الصفات“ میں کہا: ”رہا صفات کے بارے میں کلام..... تو جو کچھ سنن کی کتابوں میں سلف صالحین کا مذہب مروی ہے اس کو ثابت کیا جائے گا اور اس کو اس کے ظاہری معنی پر محمول کیا جائے گا۔ اس سے کیفیت اور تشبیہ کی نفی کی جائے گی۔ نیز اس مسئلہ میں اصل بات یہ ہے کہ صفات کے بارے میں کلام فرع ہے اور ذات باری کے بارے میں کلام اصل ہے اور جب یہ بات معلوم ہے کہ ذات باری کا اثبات اس کے وجود کا اثبات ہے نہ کہ ذات کی تحدید یا کیفیت کا اثبات ہے۔ اسی طرح اس کی صفات کے اثبات کا مسئلہ ہے۔ خلاصہ یہ کہ جب اس کی ذات کی کیفیت نہیں بیان کی جاسکتی تو اس کی صفات کی کیفیت کیسے بیان کی جاسکتی ہے۔ لہذا جب ہم کہتے ہیں کہ اللہ کا ہاتھ ہے اور سمع و بصر ہے تو یہ کہہ کر صفات کو ثابت کرتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے خود اپنے لیے ثابت کیا ہے۔ ہم یہ نہیں کہیں گے کہ ”ید“ کا معنی ”قدرت“ ہے اور نہ ہی کہیں گے کہ ”سمع و بصر“ کا معنی ”علم“ ہے۔ ابن قدامہ نے اس اعتقاد کو اپنی سند سے ”ذم النساویل“ ص: ۱۸۱، ۱۷۰ میں روایت کیا ہے اور یہ صحیح سند سے ثابت ہے جیسا کہ ہم نے اس کو ”جزء“ کے اصل میں بیان کر دیا ہے اور یہ میری (عمر و عبدالمعتم) تحقیق سے طبع ہو چکی ہے۔

یہ تمام چیزیں تنزیہ کے منافی ہیں۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ﴾ اس کے مانند کوئی شئی نہیں ہے اور وہ سمیع و بصیر ہے۔ روافض، اشاعرہ، ماتریدیہ اور معتزلہ جیسے بدعتیوں کے نزدیک تعطیل۔

نزدیک تعطیل:

آج روئے زمین پر کچھ ایسے فرقے پائے جاتے ہیں جن کا تعلق یقیناً اہل سنت سے نہیں ہے جیسے رافضہ وغیرہ، یہ لوگ صفات میں معطلہ ہیں یعنی وہ لوگ معتزلہ کے مذہب پر ہیں اور معتزلہ نے بہت سی آیتوں کی تاویل کر ڈالی ہے جن میں خود بعض اشاعرہ اور ماتریدیہ نے ان کی مخالفت کی ہے۔ گویا کہ بعض آیتوں کی تاویلیں میں اشاعرہ اور ماتریدیہ معتزلہ کے ساتھ مل جاتے ہیں جیسے استواء والی آیت ہے یہ لوگ اس کی تفسیر ایسے معنی کے ساتھ کرتے ہیں جس معنی کو ان لوگوں نے خود ایجاد کر لیا ہے سلف سے اس کا ثبوت نہیں ہے۔ اس طرح وہ ضلالت و گمراہی کے راستے میں بھٹک گئے جن سے نکل نہیں سکے۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے قول ﴿الرَّحْمَنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَى﴾ میں لفظ ”استوی“ کی تفسیر ”استولی“ سے کی ہے۔ اسی طرح بعض وہ فرقے اور مذاہب جو آیات صفات میں مذہب خلف کو مضبوطی سے پکڑے ہوئے ہیں وہ کبھی تو ان آیتوں کی وہی تاویل کرتے ہیں جو معتزلہ کرتے ہیں گویا کہ معتزلہ کے ساتھ مل جاتے ہیں اور کبھی بعض آیتوں کی تاویل میں ان کی مخالفت بھی کرتے ہیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کا قول ہے: ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ﴾ اس آیت میں تنزیہ اور اثبات ہیں۔ تنزیہ اس طرح ہے کہ اللہ تعالیٰ مشابہت سے پاک ہے کہ اس کے مانند اور اس جیسا کوئی نہیں ہے اور اثبات اس طرح کہ صفت سمع اور بصر اس کے لیے ثابت ہے۔ معتزلہ نے آکر یہاں صفت سمع اور بصر کی تاویل ”علم“ سے کر ڈالی اور کہا کہ آیت میں ”سمیع“ اور ”بصیر“ سے مراد علیم ہے گویا کہ انہوں نے اپنی اس تاویل سے اللہ تعالیٰ کے لیے صفت سمع و بصر کی نفی کر دی..... رہے معتزلہ اور اشاعرہ تو جیسا کہ اوپر میں نے اشارہ کیا ہے کہ بعض آیات و احادیث صفات میں یہ لوگ معتزلہ سے مل جاتے ہیں۔ لیکن یہاں یہ

لوگ سلفی مذہب کے ساتھ ہیں۔ یعنی یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے لیے صفت سمع اور بصر ثابت کرتے ہیں۔ پھر جب معتزلہ نے ان سے کہا کہ اس سے تو تشبیہ لازم آتا ہے کیونکہ انسان کے پاس بھی سمع و بصر ہے۔ جیسا کہ خود قرآن آدم علیہ السلام کے بارے میں گواہی دیتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَجَعَلْنَاهُ سَمِيعًا بَصِيرًا﴾ (الدھر: ۲) ”پھر ہم نے اس کو سننے والا دیکھنے والا بنایا۔“ تو یہاں اشاعرہ اور ماتریدیہ نے وہی جواب دیا جو سلف صالحین نے دیا ہے یعنی انہوں نے کہا کہ ہم اللہ تعالیٰ کو اس چیز کے ساتھ متصف کرتے ہیں جس کے ساتھ خود اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو متصف کیا ہے، ہم کہیں گے ﴿وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ﴾ وہ سمیع و بصیر ہے لیکن اس جیسا کوئی نہیں ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ﴾

اب ہم ان معتزلہ اور ماتریدیہ سے یہ کہیں گے کہ تم آیات صفات اور احادیث صفات میں سلف صالحین کے ساتھ ہو جاؤ اور ان تمام صفات کو ثابت کرو جن کو اس نے اپنے لیے ثابت کیا ہے لیکن تنزیہ کے ساتھ ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ﴾ اب سوال یہ ہے کہ کیا یہ لوگ اس مذہب پر برقرار رہے؟ چونکہ ان لوگوں نے اس قاعدہ پر عمل کیا ((علم الخلف أعلم وأحكم أما علم السلف فهو اسلم فقط .)) ”یعنی خلف کا علم اعلم و احکم ہے جبکہ سلف کا علم صرف اسلم ہے۔“ گویا کہ خلف کا علم سلف سے بڑھ کر ہے ﴿كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ إِنَّ يَقُولُونَ إِلَّا كَذِبًا﴾^۱ یہ کہہ کر واضح دلائل اور آیات کریمہ سے منحرف ہو گئے۔

① علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے کہا: ”بے شک یہ بدعتی لوگ جو خلف کو سلف پر فضیلت دیتے ہیں، انہوں نے یہ بات اپنے گمان کے مطابق کہی۔ کیونکہ ان کا گمان ہے کہ سلف الفاظ قرآن و حدیث پر صرف ایمان رکھتے ہیں انہیں ان کے معانی کی سمجھ نہیں ہے۔ یہ کہہ کر انہوں نے سلف کو ان امی اور ان پڑھ کے مقام پر کر دیا جن کے بارے میں قرآن کہتا ہے: ﴿وَمِنْهُمْ أُمِّيُونَ لَا يَعْلَمُونَ الْكِتَابَ إِلَّا أَمَانِي﴾ ”اور ان میں امی بھی ہیں جو کتاب کو نہیں جانتے ہیں مگر اُنکل پچو۔“ ان کے برخلاف خلف تو یہ لوگ عجیب و غریب اور مجازی معنی بیان کرتے ہیں جو حقیقت سے کوسوں دور ہوتا ہے۔ اسی فاسد گمان و تصور نے ان کو اس مقولہ کے کہنے پر مجبور کر دیا۔ انہوں نے سلف کو جھٹلایا اور خلف کو اچھا سمجھ کر گمراہ ہو گئے۔ (مجموع فتاوی: ۹/۵)

صفات کے باب میں اشاعرہ اور ماتریدیہ کا اضطراب:

صفات کے باب میں اشاعرہ اور ماتریدیہ کافی اضطراب میں پڑ گئے۔ بعض صفات میں کبھی وہ سلفی نظر آتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کا قول: ﴿وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ﴾ میں اللہ تعالیٰ کے لیے وہ سمع و بصر کو ثابت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس کا سمع و بصر ہمارے سمع و بصر کے مانند نہیں ہے۔ ہم ان سے کہتے ہیں کہ آپ کی یہ بات بالکل صحیح ہے پھر آپ ”استوی“ کا معنی ”استولی“ کیوں لیتے ہیں، یہاں تو آپ نے تاویل سے کام لیا۔ کاش آپ ایسا نہ کرتے اور نہ ہی تاویل کا سہارا لیتے، بلکہ آپ ان لوگوں کے ساتھ رہتے جو نہ تو سلفی ہی ہیں اور نہ خلفی تو ان لوگوں نے کہا ہم تفویض کو مانتے ہیں۔ ❶

❶ یہاں تفویض سے مراد ”معنی“ کی تفویض ہے اور علامہ ابن حجر رحمہ اللہ کو بھی اسی مذہب کی طرف منسوب کیا جاتا ہے حالانکہ فتح الباری میں جو شخص بھی ان کے کلام کا جائزہ لے گا وہ دیکھے گا کہ وہ بعض صفات کو سلف کی طرح ثابت کرتے ہیں اور بعض صفات میں تفویض کے قائل ہیں اور بعض میں اشاعرہ کی موافقت کرتے ہیں اور بعض مقامات پر لوگوں کے مذاہب کا ذکر کر کے خاموش ہو جاتے ہیں نہ تو کوئی رائے قائم کرتے ہیں اور نہ ہی راجح مسلک بتاتے ہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ صفات کے باب میں یہ بھی کافی پریشان نظر آتے ہیں۔ بعض عقدی مسائل میں اشاعرہ پر اچھا رد بھی کرتے ہیں اس کے باوجود وہ کسی مذہب پر قائم نہیں نظر آتے۔ اب اہل تفویض اور سلف و اہل سنت کے درمیان فرق یہ ہے کہ اہل سنت کے نزدیک تفویض یہ ہے کہ صفت ثابت ہے اور اس صفت کا لغوی معنی بھی معلوم ہے لیکن اس صفت کی کیفیت نہیں معلوم ہے لہذا کیفیت کو اللہ کے حوالے کر دیتے ہیں رہا معنی کی تفویض تو جو لوگ اس کے قائل ہیں ان کے نزدیک اس کے پیچھے سوائے صفت کا نام ثابت کرنے کے کوئی دوسرا فائدہ نہیں ہے..... اور رہا صفات کا معنی تو وہ لوگ اس کے گہرائی میں نہیں جاتے ہیں کیونکہ یہ طریقہ سلف کے خلاف ہے اور ”استواء“ کے بارے میں امام مالک اور ان کے استاد ربیعہ بن ابی عبد الرحمن کا قول گزر چکا ہے کہ ”استواء“ کا لغوی معنی معلوم ہے۔ لیکن کیف مجہول ہے اس میں ہم غور و غوض نہیں کرتے بلکہ اس کے علم کو اللہ کے حوالے کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس کی ذات تمام عیوب سے پاک و صاف ہے۔ بعض اہل علم کے نزدیک تفویض کا یہی معنی ہے جیسے ذہبی اور ابن قدامہ مقدسی۔ لیکن امام ذہبی نے ”سیر اعلام النبلا“ (۱۰۵/۸) میں کہا ہے: ہمارا کہنا اس باب میں یہ ہے کہ اس کو اقرار کیا جائے اور اس سے گزر جایا جائے، اور اس کے معانی کو اس کے قائل کی طرف تفویض کر دیا جائے۔“ یہاں علامہ ذہبی نے معنی کو کیف سے تعبیر کیا ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ جب انہوں نے کتاب ”العلو“ (۹۵۴/۲) میں ”الاستواء“ کے بارے میں امام مالک کے قاعدہ کو ذکر کیا تو کہا: ”یہ امام مالک سے ثابت ہے اور ان کے استاد ربیعہ سے بھی اور یہی تمام اہل سنت کا مذہب بھی ہے کہ ”استواء“ کی کیفیت ہمیں نہیں معلوم اور استواء ۛ ۛ

آج بہت سے دعاۃ مذہب سلف کی مخالفت کرتے ہیں:

یہاں اس بات کی طرف متنبہ کرنا بہت ضروری ہے کہ آج کے اس دور میں بہت سے ایسے دعاۃ ہیں جن کی نظر کتاب و سنت پر گہری نہیں ہے اور نہ ہی ان کے پاس کتاب و سنت کی زیادہ معلومات ہی ہیں۔ یہ لوگ نہ تو اتباع سلف پر توجہ دیتے ہیں اور نہ مذہب سلف پر۔

ہم اس میں غور و خوض پسند نہیں کرتے بلکہ سلف کی طرح سکوت اختیار کرتے ہیں یہاں ذہبی رحمہ اللہ نے ”کیف“ اور ”معنی“ کے درمیان فرق کیا ہے معنی کو ثابت کیا اور کیف کو تفویض کر دیا ہے اور علامہ ابن قدامہ مقدسی نے اپنی کتاب ”ذم التأویل“ (ص: ۱۱) میں ”تفویض المعنی“ کہا ہے۔ انہوں نے کہا ”وعلموا أن المتكلم بها صادق لاشك في صدقه.....“ اور ان لوگوں نے جان لیا کہ اس کا قائل سچا ہے اس کی سچائی میں کوئی شک نہیں ہے لہذا تم لوگ بھی اس کی تصدیق کرو، وہ لوگ اس کے معنی کی حقیقت کو نہیں جان سکتے تو وہ خاموش ہو گئے۔“ انہوں نے اس بات کی تائید کی کہ تفویض کا مطلب یہاں ”معنی“ ہے نہ کہ ”کیف“ نیز اس قسم کا جو بھی مسئلہ آجائے تو صرف لفظ کو ثابت کیا جائے گا اور معنی کو چھوڑ دیا جائے گا اور اس کے علم کو اس کے قائل کی طرف لوٹا دیا جائے گا۔ علامہ محمد بن ابراہیم آل شیخ سابق مفتی سعودی عرب نے اس پر اعتراض کیا ہے اور فتاویٰ و رسائل الشیخ محمد بن ابراہیم: ۲۰۲/۱، ۲۰۳ میں کہا ہے: ”صاحب لمعہ کے کلام میں کچھ ملاحظہ اور مواخذہ بھی ہے کیونکہ یہ بات سب پر عیاں ہے کہ اہل سنت و جماعت کا مذہب یہ ہے کہ کتاب و سنت میں جو اسماء و صفات لفظاً و معنی ثابت ہیں ان پر ایمان رکھنا واجب ہے اور یہ بھی عقیدہ ہو کہ یہ اسماء و صفات حقیقی ہیں مجازی نہیں اور ان کے معانی بھی حقیقی ہیں جو اللہ کے لائق ہیں۔ اس پر بے شمار دلائل ہیں تو ان سے اسماء کے معانی ظاہر ہیں اور معروف ہیں نہ تو اس میں کوئی اشکال ہے اور نہ غموض، صحابہ کرام نے رسول اللہ ﷺ سے قرآن سیکھا۔ حدیث کا علم لیا ان کو ان میں کوئی اشکال پیدا نہیں ہوا۔

شیخ عبد الرزاق عقیفی رحمہ اللہ ”فتاویٰ الشیخ عبد الرزاق عقیفی: ۱/۱۵۳“ میں کہتے ہیں: ”صفات کی کیفیت بیان کرنے میں سلف صالحین کا مذہب تفویض کا ہے معنی میں نہیں۔ ابن قدامہ نے ”لمعۃ الاعتقاد“ میں غلط کر گئے اور تفویض کے قائل ہو گئے لیکن متنبہ کہ جو جنہی مذہب کے متعصب ہیں اسی لیے بعض مشائخ ابن قدامہ کے دفاع میں تعصب سے کام لیتے ہیں حالانکہ صحیح بات یہ ہے کہ ابن قدامہ مفوض ہیں۔“

میں کہتا ہوں: کہ جس نے ان کو معذور سمجھا اس نے ان کے ساتھ حسن ظن قائم کیا اور یہ اس کے حق میں واجب ہے کیونکہ وہ اہل سنت کے امام تھے۔ علامہ ابن القیم رحمہ اللہ نے ان کے حق میں ”جماع الجوش الاسلامیہ، ص: ۱۹۱“ میں کہا ہے: ”قول شیخ الاسلام موافق الدین أبی محمد عبد الله بن أحمد القدسی، الذی اتفقت الطوائف علی قبوله وتعظیمه وإمامته خلا جهمی أو معطل.“ یعنی شیخ ابو محمد عبد اللہ بن احمد مقدسی کی امامت و عظمت اور ان کے مقبول ہونے پر تمام جماعتیں متفق ہیں۔ سوائے جمہیہ اور معطلہ کے۔“ اگر تفویض سے مراد ”تفویض المعنی“ ہے تو یہ غلط ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

بالخصوص اس دوسری مثال میں کہ آیات صفات اور احادیث صفات میں کیا موقف ہونا چاہیے۔ آیات صفات اور احادیث صفات کے باب میں ان کا ایمان عربی مفہوم پر ہے لیکن تنزیہ کے ساتھ گویا کہ یہ لوگ سلفی دائرے میں آنا چاہتے ہیں اور نہ ہی معتزلہ ہونا چاہتے ہیں بلکہ یہ کہتے ہیں کہ وہ معانی جو آیات صفات اور احادیث صفات میں وارد ہوئی ہیں ہم ان کی عربی مفہوم پر تنزیہ کے ساتھ تقویض کرتے ہیں۔ اسی لیے ان کا نام ”مفوضہ“ ہو گیا۔ ❶

اور یہاں ”مفوضہ“ کا معنی یہ ہے کہ دیوں آیات اور وہ احادیث جو رسول اللہ ﷺ سے وارد ہیں ان سے لاعلمی اور جہالت اور انہیں بندوں میں عام کرنا، اور اگر تعبیر صحیح ❷ ہو تو انھیں بعض صفات غیب کا تعارف کرانا اور وہ اللہ تبارک و تعالیٰ ہے پھر وہ ان

❶ خلف کے نزدیک تقویض کا معنی معلوم ہے یہ بہت قدیم مذہب ہے۔ یہ مذہب اثبات سلفی اور تاویل غلطی کے درمیان وسط کا مذہب ہے۔ مگر اتنا ضرور ذہن میں رہے کہ یہ مذہب سلف صالحین کے مذہب کے خلاف ہے۔ البتہ آج کل بہت سے داعی حضرات جو دعوت کے میں میدان میں کام کر رہے ہیں۔ وہ اپنی دعوت میں منہج سلف یا مذہب سلف کا لفظ بار بار لاتے ہیں۔ وہ اس لفظ سے عوام کو یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ وہ منہج سلف کی دعوت دے رہے ہیں جبکہ ان کا مذہب ایسا نہیں ہے۔ یہ صرف مصلحت کی بناء پر ایسا کرتے ہیں تاکہ ان کی دعوت لوگوں میں عام ہو۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ: ”تعارف فیما اتفقنا علیہ، ویزر بعضنا البعض فیما اختلفنا فیہ۔“ یعنی اتفاقی امور میں ہم ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں اور اختلافی مسائل میں ایک دوسرے کو معذور سمجھتے ہیں۔“ مگر یہ قاعدہ بالکل غلط اور باطل ہے۔ ہاں اگر اعتقادی امور میں اتفاق ہے اور وہ احکام و مسائل جن میں اجماع نہیں ثابت ہے اور ان میں مسلسل اختلاف چلا آ رہا ہے تو عذر مقبول ہے بشرطیکہ وہ اجتہاد اور فتویٰ کے قابل ہوں۔ میں قاری کو شیخ احمد بن ابراہیم العثمان رحمہ اللہ کی کتاب ”زجر المتہاون بضمر قاعدا المعذرة والتعاون“ کے مطالعہ کا مشورہ دیتا ہوں۔ یہ کتاب مذکورہ بالا قاعدہ کے مالہ ومانلیہ پر بہت نفع بخش ہے اس کا مقدمہ شیخ صالح فوزان، شیخ عبد الرحمن العباد رحمہ اللہ نے لکھا ہے۔

❷ افضل اور اولیٰ بات یہ ہے کہ ذات باری تعالیٰ کی تعبیر ایسی چیز سے کی جائے جس سے خود اس نے اپنے بارے میں تعبیر کیا ہے یا جس سے رسول اللہ ﷺ نے تعبیر کیا ہے یا صحابہ کرام نے تعبیر کیا ہے۔ سلف صالحین کی عبارات سے تجاوز نہیں کرنی چاہیے اور شیخ البانی رحمہ اللہ ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے منہج سلف مضبوطی سے پکڑ رکھا تھا۔ مختصر ”العلو“ کے مقدمہ ص: ۱۸-۱۹، میں ان کی تعلیق کا ملاحظہ کر لیجیے آپ کو خود اندازہ ہو جائے گا، اسی لیے شیخ رحمہ اللہ نے ”إن صحیح التعبير“ کا جملہ استعمال کیا ہے جو آپ کے غایت درجہ ورع و تقویٰ کی علامت ہے اور وصف کے خلاف تعبیر بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ وصف توقیفی ہے۔ شیخ رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا کہ لوگ آپ کی طرف سے

کے تمام معانی سے جا مل ہو گئے اور کہہ دیا: ”اللہ اعلم بمراہہ۔“ ”یعنی اللہ تعالیٰ اس کی مراد کو اچھی طرح جانتا ہے۔“ اب جنہوں نے ”استویٰ“ کی تعریف ”استولیٰ“ سے کی ہے کاش کہ وہ لوگ خاموش رہتے اور کچھ نہ بولتے اور اس کو تفویض کر دیتے۔ اس لیے کہ یہی وہ ہے جس سے انہوں نے راہ فرار اختیار کیا تو انہوں نے کس سے راہ فرار اختیار کی؟ جب امام مالک رحمہ اللہ نے کہا: ”الاستواء“ معلوم ہے اور وہ استعلاء ہے یعنی ”استواء“ استعلاء کے معنی میں ہے۔ انہوں نے کہا کہ استعلاء کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ جہت علو میں ہے تو انہوں نے کہا کہ ہم جہت کو مانتے ہی نہیں ہیں لیکن ہم یہ کہتے ہیں کہ اللہ کے لیے علو ہے تو اب ﴿الرَّحْمَنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰی﴾ کا معنی کیا ہوگا۔ انہوں نے جواب دیا: سبحان اللہ لفظ ”استولیٰ“ عربی زبان میں اس بات کا مقتضی ہے کہ یہاں اللہ اور اس کے غیر کے درمیان مغالبہ (ایک دوسرے پر غلبہ) کا معنی پایا جائے اور یہ ”غیر“ مخلوق کے علاوہ کون ہو سکتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کی اپنی مخلوق پر غالب ہو گیا۔ مگر یہ بات کون کہے گا؟ (جب انہوں نے

کہہ منسوب کر کے کہتے ہیں کہ آپ نے کہا ہے: ”إن مؤسس الدعوة السلفية هو الله۔“ ”یعنی سلفی دعوت کی بنیاد اللہ نے رکھی ہے“ تو کیا یہ صحیح ہے؟ اور اگر صحیح ہے تو ہم اس کی طرف کیسے ایسی مفت کی نسبت کر سکتے ہیں جس کی نسبت خود اس نے اپنے لیے نہ کی ہو؟ شیخ رحمہ اللہ نے جواب دیا: ہاں میں نے یہ بات کہی ہے اور یاد رکھو کہ یہ مفت نہیں ہے اور کسی حقیقت کی تعبیر کے لیے اپنی زبان میں اللہ تعالیٰ کے بارے میں بات کرنے سے یہ مقصود نہیں ہوتا ہے کہ ہم اللہ کا وصف ایسی چیز سے بیان کر رہے ہیں جس سے اس نے خود نہیں بیان کیا ہے۔ اب جب کوئی یہ کہے کہ فلاں شخص فلاں دعوت کا بانی ہے تو اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ مؤسس اور بانی اللہ تعالیٰ ہے کیونکہ اسی نے اس کائنات کی بنیاد رکھی ہے تو یہ وصف نہیں ہے جس کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر جائز نہیں ہے اور تائیس انسانی طاقت میں نہیں ہے بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طاقت اور اس کا حکم ہے اور یہی فتویٰ شیخ عبد الرزاق عقیفی رحمہ اللہ نے بھی دیا تھا جب ان سے سوال کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں اس بات کی خبر دینا جائز ہے کہ وہ واجب الوجود ہے؟ تو آپ نے ایسا جواب دیا جو اس قول کو شامل تھا کہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں اس بات کی خبر دینا صحیح ہے کہ وہ واجب الوجود ہے، اس طرح اخبار (خبر دینے) کے باب سے ہے نہ کہ مفت کے باب سے۔ (فتاویٰ الشیخ عبد الرزاق عقیفی: ۱/۱۶۴)

علامہ ابن القیم رحمہ اللہ نے فرمایا: ”اسماء وصفات کے باب میں اطلاق شدہ امر توقیفی ہے۔ البتہ جس اخبار میں ان کا توقیفی ہونا واجب نہیں جیسے قدیم شیء، موجود، قائم نفس۔“ (بدائع الفوائد: ۱/۱۶۲)

نے دیکھا کہ اس معنی کے مراد لینے سے کتنی بڑی خرابی آ جاتی ہے تو انھیں ہوش آ گیا اسی لیے ان کا بڑا شخص جو آیات صفات اور احادیث صفات میں سلف صالحین کے طریقے سے منحرف ہو گیا ہے وہ یہ صراحت کرتا ہے کہ ”استوی“ کا معنی ”استولی“ ہوگا لیکن اس میں مغالہ کا معنی نہیں ہوگا اب اس کا مطلب یہ ہوا کہ جس معنی سے اس نے آیت کی تفسیر کی تھی اس نے وہ معنی ہی بیکار کر دیا کیونکہ جب اس سے مغالہ کا معنی ختم کر دیا گیا تو اب کوئی معنی ہی باقی نہیں رہا۔ درحقیقت یہ اس نص کی تعطیل ہے بالکل اسی طرح جس طرح انہوں نے دوسری آیات صفات اور احادیث صفات کو معطل کر دیا ہے اسی لیے مجھے علامہ ابن القیم رحمہ اللہ یا علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ سے منقول یہ بات بہت اچھی لگتی ہے کہ انہوں نے کہا:

((إن المجسم يعبدون صنما، والمعطلة يعبدون عدما.))^①

”یعنی مجسمہ صنم کی پوجا کرتے ہیں اور معطلہ عدم کی۔“

گویا کہ یہ سب ایسی اشیاء کی پوجا پاٹ کرتے ہیں جس کا وجود نہیں ہے۔ یہ سب اس وجہ سے ہوا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی ذات سے صفت علوی کی نفی کر دی۔ نہ صرف استواء والی آیت میں بلکہ اس کے علاوہ دوسری بہت سی آیتوں میں اور بہت سی حدیثوں میں بھی۔ الحمد للہ اس بارے میں ائمہ سلف کی کتابیں بہت ہیں۔ اب میں ائمہ خلف کے بعض اقوال کو ذکر کر رہا ہوں۔ لوگ اس خیال میں کہ وہ اللہ کو ہر عیب سے منزہ کر رہے ہیں اس سے صفت علوی کی نفی کر دی اور یہ کہہ دیا کہ اللہ تعالیٰ کا وصف یہ نہیں بیان کیا جائے گا کہ وہ نہ تو فوق ہے، نہ تحت، نہ یمن ہے نہ یسار، نہ آگے ہے نہ پیچھے، نہ دنیا کے اندر ہے نہ دنیا کے باہر۔ اندازہ لگائیے کہ یہ لوگ اپنے معبود اللہ کے بارے میں ایسی ایسی باتیں کہہ رہے ہیں۔

① یہ دوسرا حصہ یعنی ”والمعطلة.....“ سلف کی ایک جماعت سے ثابت ہے اس میں ابن المبارک، علی بن المدینی اور اہل علم کی ایک جماعت شامل ہے۔ ان سے ان کی عبارتوں کو شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے۔ (فتاویٰ ابن تیمیہ: ۵/۵۲-۵۳)

معطلہ کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ نہ اوپر ہے نہ نیچے، نہ دائیں ہے نہ بائیں، نہ آگے ہے نہ پیچھے، نہ عالم کے اندر ہے نہ اس کے باہر۔ اگر کسی بہت فصیح و بلیغ شخص سے یہ کہا جائے کہ جناب آپ ہم سے ”معدوم“ کا وصف بیان کیجیے تو میرے خیال میں معطلہ نے اپنے اپنے معبود کا جو وصف بیان کیا ہے اس سے زیادہ فصیح الہامان شخص بھی نہیں بیان کر پائے گا کہ معبود وہ ہے جو نہ اوپر ہے نہ نیچے، نہ دائیں ہے نہ بائیں، نہ آگے نہ پیچھے، وغیرہ وغیرہ۔

اسی لیے ایک مرتبہ بعض علماء خلف علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے زمانہ میں اکٹھے ہوئے اور اس وقت امیر وقت سے شکایت کی کہ یہ شخص علماء کی مخالفت کرتا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے لیے جسم ثابت کرتا ہے اس کو مخلوق سے تشبیہ دیتا ہے۔ ان لوگوں نے مطالبہ کیا کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے ساتھ ایک مجلس منعقد کی جائے۔ بہر حال مجلس منعقد ہوئی۔ شیخ الاسلام نے ان لوگوں کے ساتھ جو آیات صفات اور احادیث صفات میں منہج سلف کے مخالف تھے۔ مناظرہ کیا امیر وقت ان مخالفین کے دعوؤں کو بغور سن رہا تھا اور صفات کے اثبات میں آیات و احادیث صحیحہ و صریحہ سے مدلل علامہ ابن تیمیہ کے دلائل کو بھی سن رہا تھا۔ چونکہ امیر ذہین اور عقلمند تھا۔ جب اس نے ان مخالفین علماء کے اوصاف باری تعالیٰ کو سنا کہ وہ نہ اوپر ہے نہ نیچے، نہ دائیں ہے نہ بائیں، آخر تک۔ ان کے دلائل کو سننے کے بعد عقلمند امیر نے کہا: ”ہولاء قوم أضاعوا ربہم“ ”یہ ایسی قوم ہے جنہوں نے اپنے رب کو گم کر دیا۔“ جو قوم یہ نہ جانتی ہو کہ اللہ کہاں ہے؟ وہ یقیناً گمراہ قوم ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خود اپنا وصف یہ بیان کیا ہے کہ وہ عرش پر مستوی ہے۔ اس کے پاس فرشتے جاتے رہتے ہیں۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمَ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهُ﴾ (الفاطر: ۱۰)

”اسی کے پاس پاکیزہ کلمات جاتے ہیں اور عمل صالح کو وہ بلند کرتا ہے۔“

اس کے علاوہ اس موضوع پر بے شمار آیات و احادیث ہیں۔

مذہب سلف کے طلباء اور مذہب خلف کے طلباء کے درمیان فرق:

آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ جو شخص سلفی مدرسہ سے استفادہ کرتا ہے اور جو خلفی مدرسہ سے

استفادہ کرتا ہے ان دونوں میں بہت بڑا فرق ہے۔ سلفی مدرسہ رسول اللہ ﷺ کا مدرسہ ہے جہاں سے صحابہ کرام جیسی عظیم شخصیتوں نے کسب فیض کیا۔ اسی لیے آپ ﷺ نے ہمیں ان کے نقش قدم پر چلنے کا حکم دیا ہے۔ اس پر دلیل پہلے گزر چکی ہے اور اگر آپ دلیل دیکھنا چاہتے ہیں کہ سلفی مدرسے سے کسب فیض کرنے والا کس قدر رشد و ہدایت پر ہوتا ہے اگرچہ اس کا شمار عام لوگوں میں ہوتا ہے اور خلفی مدرسے سے نکلا ہوا کس قدر ضلالت و گمراہی کے دلدل میں پھنسا ہوتا ہے اگرچہ وہ کتنا بڑا عالم ہی کیوں نہ ہو تو وہ مناظرہ کافی ہے جو امیر وقت کے سامنے علامہ ابن تیمیہ اور مخالفین کے درمیان ہوا تھا۔ مزید وضاحت کے لیے حدیث جاریہ پر غور کیجیے۔ واقعہ یہ ہے کہ اس لونڈی کے مالک نے اس کو خوب مارا۔ اس کے مالک کا نام معاویہ بن حکم سلمی تھا۔ اس نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ میرے پاس ایک لونڈی ہے جو احد پہاڑ پر میری بکریاں چراتی ہے اتفاق سے ایک مرتبہ میری بکریوں پر بھیڑیا نے حملہ کر دیا اس پر مجھے غصہ آ گیا جیسے دوسرے لوگ غصہ ہوا کرتے ہیں اور میرے اوپر ایک گردن آزاد کرنا بھی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا تم اس لونڈی کو بلاؤ جب وہ آئی تو آپ ﷺ نے پوچھا: ”این اللہ؟“ اللہ کہاں ہے؟ اس حدیث کو آپ غور سے پڑھئے اور سمجھنے کی کوشش کیجیے۔ اس بچی نے جواب دیا: اللہ تعالیٰ آسمان میں ہے۔ پھر آپ نے اس سے سوال کیا: کہ میں کون ہوں؟ اس نے جواب دیا: آپ اللہ کے رسول ہیں۔ اب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم اس کو آزاد کر دو بے شک یہ مومنہ ہے۔“ ❶

آپ نے دیکھا کہ اللہ کے نبی ﷺ نے اس عورت کے مومن ہونے کی گواہی دی ہے۔ کیوں؟ اس لیے کہ اس نے اپنے رب کو پہچان لیا تھا کہ وہ عرش پر ہے اور اپنے مخلوق سے بلند ہے۔

❶ صحیح مسلم ۳۸۲/۱، ابوداؤد (۳۲۸۴)، نسائی: ۱۴/۳۔ بدعتیوں نے اس حدیث پر بھی طعن و تشنیع کی ہے کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کے لیے مفت علو کا اثبات ہے۔ اس کا جواب میں نے اپنی کتاب ”دفاعاً عن السلفیۃ“ میں دیا ہے۔ ص ۱۱۰، ۱۱۶۔

وہ بچی کیسے جواب نہ دیتی جبکہ وہ ایسی سوسائٹی اور ایسے مدرسہ میں زندگی گزار رہی تھی جس کو آج کے دور میں محمد ﷺ کا مدرسہ کہا جاتا ہے۔ اس کا آقا اور مالک اس کا شاگرد قرار پایا۔ اسی نے اس عقیدہ کو اس کی طرف منتقل کیا تھا۔ اسی لیے جب رسول اللہ ﷺ نے اس سے اللہ کے بارے میں سوال کیا تو اس نے فوراً صحیح جواب دے دیا اور وہ کیسے جواب نہ دیتی اس نے اگرچہ سورہ ملک کو زبانی یاد نہیں کیا تھا لیکن اس سورت کو رسول اللہ ﷺ یا اپنے مالک سے سنا تو ضرور تھا، اس میں یہ آیت ہے:

﴿أَمْ أَمِنْتُمْ مَنِ فِي السَّمَاءِ أَنْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا فَسَتَعْلَمُونَ
كَيْفَ نَذِيرٍ﴾ (الملک: ۱۷)

اس حدیث کے بارے میں خلیفوں کا موقف:

آپ جانتے ہیں کہ آج کل خلف کا موقف کیا ہے (خلف سے مراد بعد کے لوگ جو لوگ منہج سلف کی مخالفت کرتے ہیں) یہ لوگ کتابیں بھی لکھتے ہیں۔ رسائل اور جریدے بھی نکالتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ خلف کا علم اور احکم ہے؟

یہ لوگ کہتے ہیں کہ جس سوال کا ذکر مذکورہ حدیث میں آیا ہے آج کے دور میں اس کو پیش کرنا جائز نہیں ہے۔ یہ لوگ نہ صرف یہ کہ منہج سلف کی مخالفت کرتے ہیں بلکہ احادیث صحیحہ کی بھی مخالفت کرتے ہیں صرف اس وجہ سے کہ ان کا تعلق عقیدہ سے ہوتا ہے جبکہ ان احادیث کی صحت پر تمام علماء محققین و محدثین کا اجماع ہوتا ہے ان میں سے مذکورہ حدیث جاریہ (لونڈی) بھی ہے۔^①

اس روایت کو امام مسلم نے اپنی صحیح میں، امام مالک نے ”موطا“ میں، امام احمد نے ”مسند“ میں روایت کیا ہے ان کے علاوہ بھی لوگوں نے اس کو روایت کیا ہے اور اس کو

① یہ لوگ اس حدیث کے متن میں اختلاف کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ اس کے متن میں اختلاف زیادہ ہے۔ اس بارے میں وہ ضعیف روایتوں کا سہارا لیتے ہیں یا دوسری ایسی حدیثوں کا جن کا ادنیٰ تعلق اس حدیث مذکورہ سے نہیں رہتا ہے۔

صحیح حدیث کے مقام میں رکھا ہے مگر بعد میں یہ ناخلف آئے اور اس کو رد کر دیا اور کہا کہ ”تمہارے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ تم اس طرح سوال کرو کہ ”اللہ“ کہاں ہے؟ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کیا تھا تو وہ یہ جواب دیتے ہیں کہ اولاً تو یہ حدیث آحاد ہے پھر بحث و مباحثہ شروع کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر فرض کر لیا جائے کہ یہ سوال کرنا رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے تو آپ ﷺ نے جاریہ کے قول کا اقرار کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ آسمان میں ہے۔ اس لیے کہ وہ جاریہ عجبی تھی۔ اسے صحیح عقیدہ نہیں معلوم تھا مگر یہ کہہ کر یہ لوگ ایک دوسری مصیبت میں پڑ گئے۔ جیسا کہ ہم نے پہلے ان کے ”استولی“ کی تاویل میں کہا تھا جب انہوں نے اس کی تفسیر ”استولی“ سے کیا۔ پھر جب ان پر اعتراض ہوا کہ کون ہے وہ شخص جو اللہ سے اس کے عرش پر مغالبہ کرے۔ پھر اللہ تعالیٰ ان پر غلبہ حاصل کر کے عرش پر غالب ہو جائے۔ یقیناً یہی سب سے بڑی گمراہی ہے۔ اسی طرح ان لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کی طرف یہ بات بھی منسوب کی ہے کہ آپ اس جاریہ کے جواب سے خاموش ہو گئے تھے کیونکہ اس کا جواب ان کے نزدیک صحیح نہیں تھا۔ حالانکہ ابھی آپ نے اللہ تعالیٰ کا قول ”امنتم من فی السماء“ پڑھا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ سلف صالحین کے مذہب کو سمجھنا پھر اسے مضبوطی سے پکڑنا ضروری ہے کیونکہ انہی کا منہج اور طریقہ اس بات کی ضمانت دے گا کہ یہ مسلمان ناجی ہے اس کا تعلق گمراہ فرقوں سے نہیں ہے۔

دعوت کتاب و سنت کے لیے بنیادی اصول:

جب ہم مسلمانوں کو کتاب و سنت اور سلف صالحین کے منہج کی طرف دعوت دیں تو ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم وہ طریقہ اختیار کریں جو لوگوں کو کتاب و سنت کی طرف قریب کرے۔ ہم حسن اخلاق کے ساتھ ساتھ حسن اسلوب اختیار کریں۔ ایسا نہ ہو کہ ہمارا کوئی عمل یا ہماری کوئی حرکت ان کے لیے کتاب و سنت سے دوری کا سبب بنے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ادْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحُكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ﴾ ❶

(النحل: ۱۱۵)

”تم اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت سے بلاؤ اور ان سے اچھے طریقے سے مجادلہ کرو۔“

جو لوگ منہج سلف سے دور ہو گئے ہیں صرف احکام ہی میں نہیں بلکہ عقائد میں بھی ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم ان لوگوں کے معاملے میں سستی سے کام نہ لیں بلکہ دعوت پیش کرنے میں جلدی کریں اور حکمت سے دعوت پیش کریں۔ رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہے:

((لأن يهدي الله على يدك رجلاً أحب الي من حمر

النعم .)) ❷

”اللہ تعالیٰ تمہاری وجہ سے کسی ایک آدمی کو ہدایت دے یہ بے شمار سرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔“



❶ دعوتی میدان میں کام کرنے والوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ شیخ برائید کے ذکر کردہ اصولی دعوت کو لازم پکڑیں، کیونکہ دعوت میں نرم کلامی اور اچھی نصیحت لوگوں کے لیے نفع بخش ہوتی ہے۔ تفسیق و تکفیر سے کوسوں دور ہے۔ یہی سلف صالحین کا مذہب ہے۔

❷ صحیح بخاری: ۲۲/۳، صحیح مسلم: ۱۸۷۲/۴، عبد العزیز بن ابی حازم، عن ابیہ، عن سرمل بن سعد کی سند سے۔ علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت کے بارے میں ایک طویل حدیث کے ضمن میں یہ ہے، اس میں شاید یہ لفظ ہے: ((لأن يهدي الله بك رجلاً واحداً خير لك من حمر النعم .)) صحیحین میں یہ دوسری سند سے بھی ہے۔

سلفیت اور دیگر مذاہب

ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ درس نظامی کے مطابق کتاب ”الترغیب والترہیب“ سے منتخب کر کے کوئی صحیح حدیث میں آپ لوگوں کے گوش گزار کرتا۔ پھر خیال آیا کہ مجھے ایک خبر ملی ہے اس کے متعلق آپ کے سامنے کچھ حقائق پیش کروں۔ یہ خبر اگرچہ نئی تو نہیں ہے لیکن ایک نصیحت ہے اور پند و نصیحت مومنوں کے حق میں یقیناً نفع بخش ہوتی ہے وہ خبر یہ ہے کہ ایک انتہائی قابل اطمینان اور بھروسہ مند شخص نے مجھ سے بیان کیا کہ ”مسجد کے ایک خطیب نے لمبا چوڑا خطبہ دیا اس نے اس خطبے میں بہت صریح انداز میں کہا: اس شہر میں سلفی حضرات کا جو رئیس ہے اس نے بیاں دہل دیے یہ بات کہی کہ: ”جو شخص مذاہب رابعہ میں سے کسی کی اتباع کرتا ہے وہ مشرک ہے۔“ یہ بات کوئی اتہام یا الزام نہیں ہے بلکہ اس کو میں نے اپنے کانوں سے سنا ہے، ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ اس نے ”مشرک“ کہا ”کافر“ نہیں کہا۔ میں کہتا ہوں کہ اس نے لفظ ”کافر“ اس لیے نہیں کہا کہ وہ لوگ کفر اور شرک کے درمیان فرق کرتے ہیں، حالانکہ حقیقت میں ایسا نہیں ہے کیونکہ ہر کفر شرک ہے اور ہر شرک کفر ہے اس کے باوجود اگر وہ ”کافر“ کہتا ہو تو زیادہ اچھا ہوتا۔ حالانکہ یہ بھی گمراہی ہے لیکن اس نے ”مشرک“ کہہ کر ایک گمراہی پر دوسری گمراہی کا اضافہ کر دیا۔ میرا خیال ہے کہ اس مسئلہ میں زیادہ تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ جو لوگ مسلسل میرے دروس میں حاضر ہوتے رہتے ہیں انہیں اس مسئلہ میں میری رائے معلوم ہوگی۔ پھر بھی میں اس مسئلہ کو مزید وضاحت کے ساتھ اپنے ان بھائیوں کے لیے بیان کرتا ہوں جو حق کے طالب ہیں جن کی خواہش ہے کہ ان کا بھی شمار ان لوگوں میں ہو جو اچھی بات کو سنتے ہیں پھر اس پر عمل بھی کرتے ہیں اس کے برعکس جس کا قلب و ضمیر اللہ کے خوف سے خالی ہے۔ اس کے اندر قیامت کا احساس بھی نہیں ہے

یہ بھی نہیں سوچتا کہ قیامت کا دن ایسا سخت اور پریشان کن دن ہوگا کہ اس دن ہر کوئی نفسی نفسی میں ہوگا وہاں نہ مال کام آئے گا اور نہ بچے کام آئیں گے۔ ایسے شخص کو کوئی چیز نفع نہیں دے سکتی۔

کفرانہ حرکت کے باوجود مسلمان کو کافر نہیں کہا جاسکتا:

میں کہتا ہوں کہ ہماری واضح دعوت یہ ہے کہ کسی مسلمان کو کافر کہنا جائز نہیں ہے۔ اگر کسی سے کوئی کفرانہ حرکت سرزد ہو جائے تب بھی اس کو کافر نہیں کہا جائے گا کیونکہ اس بات کا احتمال ہے کہ اس کے پاس کوئی عذر ہو جس کی وجہ سے وہ اس طرح کفرانہ عمل کا مرتکب ہوا ہے۔ ❶

اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتا ہے:

﴿وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ تَبْعَثَ رَسُولًا﴾ (الاسراء: ۱۵)

ہر وہ شخص جس نے کفر کا ارتکاب کر لیا ہے اس پر کفر کا اطلاق نہیں ہوگا۔ اس موضوع کو شیخ البانی رحمہ اللہ نے ”حقیقۃ البدعة والکفر“ عنوان کے تحت اپنے درس میں واضح کر دیا ہے۔ موصوف نے اس کی مثال بھی بیان کی کہ ایک شخص نے اپنی اولاد کو حکم دیا کہ جب وہ مر جائے تو اس کو جلا دینا۔ شیخ فرماتے ہیں: ”میں اس مسئلہ کو ایک حدیث کے ساتھ ختم کرتا ہوں۔ اس حدیث کو امام بخاری نے ابوسعید خدری اور حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہما سے روایت کر کے بیان کیا ہے کہ ان دونوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم سے پہلے ایک آدمی تھا جب اس کی وفات کا وقت آیا تو اس نے اپنے بچوں کو اپنے پاس بلایا اور ان بچوں سے کہا: بتاؤ میں تمہارے لیے کیا باپ ثابت ہوا؟ ان بچوں نے کہا: آپ ہمارے لیے بہترین باپ ثابت ہوئے، پھر اس نے کہا: میں بہت گنہگار شخص ہوں۔ اگر اللہ نے مجھ پر قدرت پالی تو مجھے بہت سخت عذاب دے گا۔ لہذا تم لوگ میری بات غور سے سنو، جب میں مر جاؤں تو مجھ کو آگ میں جلا کر رکھ دینا، پھر آدمی را کہ کو سمندر میں پھینک دینا اور آدمی را کہ کو ہوا میں اڑا دینا، جب وہ مر گیا تو بچوں نے اس کو جلا ڈالا، پھر اس کی آدمی را کہ کو ہوا میں اڑا دیا اور آدمی کو سمندر میں پھینک دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے ذرات سے کہا تو فلاں شخص ہو جا۔ وہ فلاں شخص ہو گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے کہا: اے میرے بندے! تجھے اس کام پر کس چیز نے ابھارا تھا۔ اس نے کہا: اے میرے رب! تیرا خوف اور ڈر، اللہ تعالیٰ نے کہا: جا، میں نے تجھ کو معاف کر دیا۔ اب اس حدیث پر غور کر کے بتائیے کہ اس آدمی نے کفر کیا یا نہیں؟ یقیناً اس نے کفر کیا کیونکہ اس نے یہ جملہ کہا تھا: اگر اللہ تعالیٰ مجھ پر قدرت پالے گا“ یہ کفر یہ جملہ ہے اور ایسا نہیں کہنا چاہیے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اس کو معاف کر دیا۔ ہمیں یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ شرک کو نہیں معاف کرے گا اس کے علاوہ جس گناہ کو چاہے معاف کر دے اور اگر چاہے تو سزا بھی دے۔ یہ اس کی مشیت پر موقوف ہے۔“ اور ہم نہیں عذاب دیں گے یہاں تک ہم رسول بھیجیں۔“

رسول بھیجنے کے بعد بھی جن لوگوں تک یہ دعوت نہیں پہنچی ہے تو ان پر حجت نہیں قائم ہوگی۔ اس کی واضح دلیل یہ ہے کہ آج جبکہ ہم چودہویں صدی میں زندگی گزار رہے ہیں۔ پورے یقین کے ساتھ کہتے ہیں کہ ابھی بھی قطب جنوبی اور قطب شمالی میں کتنے ایسے لوگ رہتے ہیں جنہوں نے نہ تو دین اسلام کا نام سنا ہے اور نہ ہی محمد ﷺ کا نام سنا ہے۔ لہذا ان لوگوں پر کفر کا فتویٰ تو نہیں لگایا جاسکتا جو کفران کے ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں جانے کا سبب بنے، کیونکہ ان لوگوں میں مواخذہ اور تکلیف کی شرط نہیں پائی جاتی ہے اور یہ بات بھی متعین ہے کہ مواخذہ اور تکلیف کی شرط ان لوگوں کے پاس دعوت کا پہنچنا ہے۔ پھر یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ ”دعوت پہنچنے“ کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ان کے پاس دعوت کا ”نام“ یا اس کا ”لفظ“ پہنچے، کیونکہ ہمیں معلوم ہے کہ یورپی ممالک کے بہت سے لوگ ایسے ہیں جنہوں نے صرف اسلام کا نام سنا ہے اور نبی کریم ﷺ کا نام سنا ہے اور بس، ان بیچاروں کو اسلام کی حقیقت کا علم نہیں ہو سکا اور نہ ہی نبی کریم ﷺ کے فضل و کمال اور مقام و مرتبہ کا انھیں علم ہے۔ اس کے بہت سے اسباب ہیں جس کے بیان کرنے کا ابھی وقت نہیں ہے تو یہ سب کے سب کافر ہیں اور ان کے کافر ہونے میں کوئی شک بھی نہیں ہے۔ اس لیے کہ جس نے کہا ”لا الہ الا اللہ“ وہ جنت میں داخل ہو گیا اور جو شخص شرک کی حالت میں مرا وہ جہنم میں داخل ہو گا لیکن یہ حکم مطلق نہیں ہے بلکہ یہ اس شخص کے ساتھ مقید ہے جس کو دعوت پہنچی ہے۔

اہل فترہ ❶ اور جنہیں دعوت نہیں پہنچی ان کا حکم:

دنیا میں جن لوگوں کے پاس اسلام کی دعوت نہیں پہنچی ہے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی جانب سے ان کے ساتھ خاص معاملہ ہو گا اور ان کا خاص محاسبہ ہو گا۔ بعض صحیح احادیث میں یہ بات صراحت کے ساتھ موجود ہے کہ جن لوگوں کو دنیا میں اسلام کی دعوت نہیں پہنچی ہے۔ خواہ وہ کوئی بوڑھا آدمی یا چھوٹا بچہ ہو جو ابھی سن بلوغت کو نہ پہنچا ہو یا اہل فترہ کا آدمی جس کو دعوت نہ پہنچی ہو، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ایسے لوگوں کے پاس ایک نبی بھیجے گا۔ وہ نبی انھیں

❶ فترہ: دو زمانوں کے درمیان کا زمانہ یاد دہانیوں کے درمیان کا زمانہ۔

دعوت دے گا اب جو شخص اس نبی کی دعوت کو مان لے گا وہ جنت میں داخل ہو جائے گا اور جو نہیں مانے گا وہ جہنم میں داخل ہوگا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا رحم و کرم ہے بندوں پر کہ جنہیں دنیا میں دعوت نہیں پہنچی ہے وہ ان کے پاس بروز قیامت دعوت پہنچائے گا، تاکہ تمام بندوں پر حجت قائم ہو جائے۔ ❶

اب آج کے یورپین کفار جنہوں نے اسلام کا نام بھی سنا ہے اور اسلام کے نبی کا نام بھی سنا ہے لیکن انھیں اسلام کی دعوت نہیں پہنچی ہے۔ میں جس وقت یہ کہہ رہا ہوں کہ انھیں اسلام کی دعوت نہیں پہنچی ہے اس سے مراد اسلام کی حقیقی دعوت ہے ورنہ ان کے پاس اسلام کے نام پر بہت سی دعوتیں پہنچی ہیں سبھی دعوتیں یہ دعویٰ کرتی ہیں کہ ان کی دعوت اسلام کی دعوت ہے۔

قادیانیوں سے متاثر نئے مسلمانوں کا حکم:

نہ صرف یورپ اور امریکہ بلکہ دنیا کے بیشتر ممالک میں قادیانیت بہت سرگرم ہے۔ اسلام کے نام پر قادیانی عقائد و نظریات عام کرنے میں قادیانی فرقے کا بچہ بچہ اپنا شب و روز ایک کئے ہوئے ہے اور ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ بہت سے نصاریٰ اسلام کے نام پر قادیانی ہوتے جا رہے ہیں۔ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ یہ فرقہ اپنے آپ کو قادیانی نہیں بتاتا ہے اور نہ یہ ہی کہتا ہے کہ ہم قادیانی فرقہ کی طرف دعوت دے رہے ہیں ایسا کرنے میں یہ فرقہ کبھی بھی کامیاب نہیں ہو سکتا بلکہ یہ لوگ اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں۔ اسی طرح جو نصاریٰ قادیانی ہو جاتا ہے وہ اپنے آپ کو مسلمان ہی کہتا اور جانتا ہے کیونکہ اس کو اسلام کے نام پر ہی قادیانی تعلیم دی جاتی ہے اور یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ قادیانی پوری دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں۔ بلکہ شام میں کافی عرصے سے موجود ہیں۔ میرا ان سے کافی بحث و مباحثہ بھی ہوا ہے۔ یہ لوگ اتنے ہوشیار اور چالاک ہیں کہ یہ مسلمانوں کو صحیح اسلام بلکہ ان کے اپنے گمان میں خالص اسلام کی طرف بلاتے ہیں اسی طرح نصاریٰ کو بھی اپنے مزمومہ اسلام کی دعوت دیتے ہیں۔ ان کے

❶ حافظ ابن کثیر نے ابن کثیر میں اس موضوع پر تفصیلی بحث کی ہے جسے دیکھا جاسکتا ہے۔ (۸/۴۴۷)

فریب میں آ کر بہت سے یورپین ان کے پیش کردہ اسلام کو قبول بھی کر لیتے ہیں۔ مگر جب ہم کتاب و سنت پر مشتمل خالص اسلام کے ساتھ ان کے اسلام کا موازنہ کرتے ہیں تو وہ ہمیں مسلمان نہیں لگتے ہیں۔ آپ خود سوچیں کہ جس کا نظریہ اور اعتقاد یہ ہو کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد بھی نبی بھیجا جائے گا اس پر بھی وحی نازل ہوگی وہ مسلمان کیسے ہو سکتا ہے۔ نیز اس باطل اعتقاد کی بنیاد پر اس پر اسلام کا حکم کیسے لگایا جاسکتا ہے؟ میں قادیانیوں کے بارے میں کلام کو طول نہیں دینا چاہتا کیونکہ ان کے متعلق میں بہت گفتگو کر چکا ہوں۔ مزید اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔ البتہ اتنا ضرور کہوں گا کہ یہ نصاریٰ حضرات جو باپ، بیٹا اور روح القدس کہنے کی وجہ سے کافر ہو گئے تھے تو اب بھی یہ لوگ قادیانیوں کی دعوت کی وجہ سے جس اسلام میں داخل ہوئے ہیں۔ اس کی وجہ سے مزید کفر میں واقع ہو گئے کیونکہ انہوں نے اسلام کے نام پر قادیانی مذہب کو قبول کیا ہے اور قادیانیوں نے بھی کتاب و سنت اور اجماع امت کے خلاف باتیں بتائی ہیں۔ انہوں نے یہ بتایا کہ ابھی بہت سے انبیاء آنے والے ہیں جبکہ یہ غلط اور باطل عقیدہ ہے۔ ❶

❶ یہاں شیخ البانی رحمہ اللہ یہ کہنا چاہتے ہیں: نصاریٰ حضرات نے جب قادیانی مذہب کو قبول کر لیا اور اپنے آپ کو قادیانی فکر و خیال کے سانچے میں ڈھال لیا تو ان کا یقین یہی تھا کہ یہی مذہب حقیقی اسلام ہے اور جو شخص اس مذہب میں داخل ہو گیا۔ بحسن و خوبی اس کے اوامر و نواہی کو بجالایا وہ یقیناً جنت میں داخل ہوگا۔ لیکن یہ محض ان کا اپنا خیال تھا کیونکہ انہیں صحیح اسلام کی دعوت نہیں پہنچی تھی بلکہ اسلام کے نام پر قادیانی مذہب ان کے پاس پہنچا تھا جو علی الاطلاق باطل ہے۔ بہتر یہ ہے کہ جو شخص اسلام میں داخل ہو وہ بحث و تحقیق کا قدم بڑھاتا رہے اور حقیقت جاننے کی پوری کوشش کرے اسی طرح دعوت و تبلیغ کے میدان میں کام کرنے والوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ نئے مسلمانوں میں وہ صحیح دعوت پیش کریں جو سلف صالحین کے فہم کے مطابق کتاب و سنت پر مشتمل ہو۔ اب یہ لوگ جو اسلام میں داخل ہیں۔ انہیں صحیح اسلام کے بجائے اسلام کے نام پر قادیانی مذہب کی تبلیغ کی گئی اور انہوں نے اسلام سمجھ کر بخوشی قبول کر لیا ان کی مثال ایسے ہی ہے جیسے وہ مسلمان حضرات بدعتی اور کفرانہ اعتقاد رکھتے ہیں وہ اسی کو اسلام سمجھتے ہیں حالانکہ یہ اسلام نہیں ہے اب ان مسلمانوں کے عقائد اگرچہ کفرانہ عقائد ہیں پھر بھی ان پر کفر کا فتویٰ نہیں لگایا جائے گا۔ علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”المبتدع إذا كان يحسب أنه موافق للرسول ﷺ لا مخالف له، لم يكن كافراً به.“ (۲۰۱/۳۵)۔ ”بدعتی کا گمان اگر یہ ہے کہ اس کا عمل رسول ﷺ کے

اللہ کے نزدیک کافر کون؟

یہ نصاریٰ جو اسلام کے نام پر قادیانی ہو چکے ہیں انہیں اسلام کی صحیح دعوت نہیں پہنچی اس لیے ہم انہیں یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ لوگ اللہ کے نزدیک کافر ہیں۔ کیونکہ اللہ کے نزدیک کافر وہ شخص ہے جس پر حجت قائم ہو چکی ہو۔ یہ بھی ایک طویل بحث ہے اور اس پر میں کئی بار گفتگو کر چکا ہوں لہذا یہاں اس بحث کو میں طول نہیں دینا چاہتا۔ لیکن اتنا ضرور کہوں گا کہ آج بہت سے مسلمان ایسے ہیں جو اہل السنۃ والجماعۃ کے درمیان رہتے بستے ہیں۔ اس کے باوجود وہ توحید کے فہم سے قاصر ہیں۔ جبکہ یہی توحید اسلام کی اساس ہے، توحید کے بغیر مسلمان کا کوئی عمل نفع بخش نہیں ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ﴾ (الزمر: ۶۵)

”اگر تم نے شرک کیا تو تمہارا عمل برباد ہو جائے گا اور تم ضرور خسارہ پانے والوں میں ہو جاؤ گے۔“

لوگوں تک دعوت توحید کی تبلیغ:

آج کتنے ایسے مسلمان ہیں جن کا گزر بسر مسلمانوں کے درمیان ہوتا ہے، انہیں کے درمیان اپنا شب و روز گزرتے ہیں، نمازیں پڑھتے ہیں، روزے بھی رکھتے ہیں۔ دیگر اچھے اعمال بھی انجام دیتے ہیں ان اعمال کے باوجود انہیں توحید کا ذرا بھی علم نہیں ہوتا ہے جبکہ یہی توحید اسلام کی بنیاد اور اصل ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا انہیں توحید کی دعوت پہنچی ہے؟ اور اگر نہیں پہنچی ہے تو انہیں توحید کی دعوت کون دے گا؟ اور اگر فرض کر لیا جائے کہ ان کے پاس دعوت ان کے علماء و مشائخ کی جانب سے پہنچی ہے جن علماء و مشائخ سے یہ لوگ علم حاصل کرتے تھے تو اب ظاہر بات ہے کہ جس عقیدہ اور مذہب کے حامل ان کے علماء و مشائخ ہوں گے اسی کی تبلیغ کریں گے۔ جب ان کے پاس خوق حق نہیں ہے تو حق کی تبلیغ کیسے

﴿اللہ ﷻ کے موافق ہے مخالف نہیں ہے تو وہ کافر نہیں ہے۔“ کیونکہ اس کو صحیح اسلام کی دعوت نہیں دی گئی۔ اس لیے جب تک کسی کے اندر کفر کے شروط نہ پائے جائیں اس وقت تک اس پر کفر کا فتویٰ نہیں لگانا چاہیے۔

کر سکتے ہیں۔ ہاں انھیں وہ عالم صحیح دعوت دے سکتا ہے جو اپنے ایمان و عقیدہ میں موحد ہو جو کتاب و سنت کو اسی طرح سمجھتا ہو جس طرح سلف صالحین نے سمجھا ہے۔

یہ بھی واضح ہے کہ جن مشائخ سے یہ لوگ علم حاصل کرتے ہیں یا مسائل معلوم کرتے ہیں ان کی دو قسمیں ہیں: ان میں ایک قسم ان مشائخ کی ہے جو توحید کو جانتے ہیں اور اسی کے مطابق عمل بھی کرتے ہیں لیکن ان لوگوں نے اپنے اوپر ہی قناعت کیا باقی دوسرے لوگوں کو چھوڑ دیا۔ انھیں تبلیغ نہیں کی۔ اب یا تو کسی خوف کی بناء پر انھیں تبلیغ نہیں کی یا دنیاوی منصب اور جاہ و جلال کی وجہ سے یا کسی اور سبب سے بہر حال انھیں تبلیغ نہیں کی۔ دوسری قسم ان لوگوں کی ہے جن پر یہ آیت کریمہ صادقہ آتی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ﴾ (الاعراف: ۱۸۷)

”لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔“

نیز ایسے ہی لوگوں کے بارے میں کہا جاتا ہے: ”فاقد بشیء لا یعطیہ۔“ خود گمراہ کرنے والا دوسروں کو کیا دے گا۔

اب عام مسلمان جن کے بارے میں ہم سنتے ہیں کہ وہ شرک میں مبتلا ہیں۔ وہ مسجد میں داخل ہوتا ہے جبکہ معلوم ہے کہ مساجد صرف اللہ کی عبادت کے لیے بنائی جاتی ہیں۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَأَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلَّهِ فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَدًا﴾ (الحج: ۱۸)

”بے شک تمام مساجد اللہ کے لیے ہے لہذا تم لوگ اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کو

مت پکارو۔“

یہ مسکین جب مسجد میں داخل ہوتا ہے تو اس کا قدم وہیں سے پھسل جاتا ہے اور ”یا اللہ“ کہنے کے بجائے ”یا باز“ کہنے لگتا ہے۔ اب اگر اس سے پوچھا جائے کہ تو شیخ ابن باز کی مسجد میں جا رہا ہے تو وہاں جا کر باز کی عبادت کرے گا یا باز کے رب کی عبادت کرے گا؟ تو یہ کچھ

نہیں جواب دے پاتا ہے کیونکہ اس کو کچھ علم نہیں ہے۔ اس کی مثال ایسے ہی ہے جیسے رسول اللہ ﷺ کا قول ہے:

((ان الرجل ليتكلم بالكلمة، لا يلقي لها بالاً، يهوى بها في النار سبعين خريفاً.))^①

”بے شک آدمی بات کرتا ہے یا اپنی زبان سے کوئی کلمہ ادا کرتا ہے تو اس پر کچھ توجہ نہیں دیتا ہے اس کے ذریعہ وہ ستر سال کی دوری تک جہنم میں گرا دیا جاتا ہے۔“

یہ حدیث اس شخص پر مکمل صادق آتی ہے جو مسجد میں داخل ہو کر ”یا باز“ پکارنے لگتا ہے اور ”اللہ“ کو بھول جاتا ہے۔ اس کی زبان سے جو الفاظ ادا ہوئے تھے وہ کفریہ الفاظ تھے اور یہی اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے۔

لیکن میں انتہائی افسوس کے ساتھ کہتا ہوں کہ وہ جاہل ہے اس کے پاس سمجھ نہیں ہے۔ مگر اس کو تعلیم کون دے؟ وہ جب اپنی زبان سے یہ جملہ ادا کرتا ہے ”یا باز أغثنی“..... ”اے باز تو میری فریاد قبول کر“ تو اس کو یہ نہیں معلوم ہے کہ یہی اللہ کے علاوہ باز کی عبادت ہے اور افسوس کی بات یہ ہے کہ یہی تنہا اس مرض میں نہیں مبتلا ہے بلکہ اس کی طرح بہت سے لوگ بلکہ پورا معاشرہ اس مرض میں مبتلا ہے۔ ان سب کو یہ نہیں معلوم کہ غیر اللہ کو پکارنا ہی دراصل اس کی عبادت ہے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کو شریک کرتا ہے۔ یہ ایسی حقیقت ہے جس کو بہت سے لوگ نہیں سمجھتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ توحید کی دعوت پر ایک عرصہ گزر گیا۔ اس میں بہت سی شرکیات اور وثنیات داخل ہو گئی ہیں۔ انہیں جراثیم نے مل کر توحید پر پردہ ڈال دیا ہے۔ اب لوگ اسی مہلک مرض میں مبتلا ہو گئے یہاں تک ان کی موت آ گئی اور وہ شرک سے بچ نہیں سکے۔ اب آپ خود سوچئے کہ اس دنیا میں اس انسان کے جینے سے کیا فائدہ جو

① یہ حدیث اس لفظ کے ساتھ مندرجہ: ۲/۳۵۵ میں صحیح سند کے ساتھ ہے۔ نیز صحیح بخاری: ۱۸۷/۲،

وصحیح مسلم: ۴/۲۲۹۰ میں بھی ہے۔

زندگی بھر غیر اللہ کی عبادت کرتا رہتا ہے اور اس کو یہ بھی نہیں معلوم کہ وہ غیر اللہ کی پوجا کرتا ہے۔ ❶ یہی نہیں بلکہ وہ مسجد میں داخل ہوتا ہے اس مسجد میں قبر ہوتی ہے وہاں جا کر اس سے مانگنا شروع کر دیتا ہے، وہ مردہ سے مانگتا ہے جبکہ وہ گل سڑ گیا ہے اور اللہ کو چھوڑ دیتا ہے جو زندہ ہے اور سب کو دیتا ہے اور اگر یہ میت زندہ ہوتا تب بھی ہر فریادی کی ہر ضرورتوں کو پوری نہیں کر سکتا..... میں کہتا ہوں کہ ان تمام اعمال کے باوجود ہم ان پر کفر کا حکم نہیں لگا سکتے کیونکہ ان پر حجت قائم نہیں ہو سکی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں شام میں سلفی داعیوں کی تعداد اتنی زیادہ نہیں ہے جو یہاں کے لیے کافی ہو۔ ان کی تعداد بہت ہی کم ہے پھر ان کی باتوں کو سننے والے بھی دال میں نمک کے برابر ہیں۔ وہی مختصر لوگ ان کے پروگرام میں شریک ہوتے ہیں اور ان کی باتوں پر توجہ بھی دیتے ہیں۔

مذہب کے پیروکاروں کے بارے میں ہمارا موقف:

ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ جو لوگ ہمارے ساتھ نمازیں پڑھتے ہیں، روزے رکھتے ہیں اگر وہ سب کے سب یا ان میں سے کوئی ایک فرد کفر و شرک میں واقع ہو گیا تو ہم اس پر کفر کا حکم نہیں لگائیں گے۔ یعنی ہم اس کو کافر نہیں کہیں گے۔ لیکن ہم اس سے یہ بات ضرور کہیں گے کہ تمہارا یہ عمل کفرانہ یا مشرکانہ عمل ہے۔ تم اس سے باز آ جاؤ۔

آج جمہور مسلمان جس راہ کو اختیار کئے ہوئے ہیں اور اسی راہ کو اپنا دین بھی بنائے ہوئے ہیں وہ ہے تقلید۔ یعنی آج جمہور مسلمان مذاہب اربعہ میں سے کسی ایک مذہب کی تقلید

❶ یہ ایک ایسی حقیقت ہے کہ لوگوں پر حکم لگاتے وقت اس کا خیال کرنا بہت ضروری ہے۔ کیونکہ بہت سے لوگ شرک و کفر میں مبتلا ہیں لیکن انھیں یہ نہیں معلوم کہ ان کا یہ عمل کفر ہے یا شرک بلکہ ان کا گمان یہ ہوتا ہے کہ ان اعمال سے وہ اللہ کی قربت حاصل کرتے ہیں۔ اسی لیے وہ قبروں پر سجدہ کرتے ہیں، جانور ذبح کرتے ہیں، مردوں کو پکارتے ہیں، اس کے علاوہ بے شمار حرکتیں انجام دیتے ہیں۔ لہذا ایسے لوگوں پر ان کی جہالت کی وجہ سے کفر کا فتویٰ نہیں لگایا جائے گا۔ ایسے موقع پر ضروری ہے کہ انہیں حق کی دعوت دی جائے۔ کتاب و سنت کی صحیح تعلیمات سے انھیں آگاہ کیا جائے۔ شیخ البانی رحمہ اللہ کی یہ تحقیق بڑی عمدہ ہے اس سے استفادہ کرنا چاہیے۔ سلفی دعوت اسی اصول پر قائم ہے جب تک صحت نہ قائم ہو جائے وہ کسی پر کفر کا فتویٰ نہیں لگاتی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

پر قائم ہیں اور اسی کو دین تصور کئے ہوئے ہیں۔ اب آپ بتائیں کہ کیا ان مسلمانوں کو اس لیے کافر کہا جاسکتا ہے کہ وہ مذاہب اربعہ میں سے کسی ایک مذہب کی تقلید کر رہے ہیں، یہ تو بہت بعید ہے ان کو کافر نہیں کہا جاسکتا۔ البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ ان میں سے اکثر لوگ توحید نہیں جانتے ہیں۔ بلکہ تقلید ہی کو دین سمجھتے ہیں حالانکہ یہ دین نہیں ہے۔ اب آپ سوچیں کہ جب ہم ان لوگوں کو کافر نہیں کہہ سکتے جو جہالت کی بناء پر غیر اللہ کو پکارتے ہیں تو ہم مقلد کو کافر کیسے کہہ سکتے ہیں، یہ تو ہمارے اوپر بہت بڑا بہتان ہے۔

حق کی معرفت ضروری ہے:

درحقیقت ہر مسلمان کے لیے ضروری یہ ہے کہ وہ کتاب و سنت کے مطابق اپنی زندگی گزارے۔ کتاب و سنت میں جو کچھ ثابت ہے اسی کے مطابق عمل کر لے۔ یہ ایک اصولی بات ہے جو ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے خواہ وہ عالم ہو یا متعلم یا ان پڑھ، جیسے عقیدہ توحید ہے اسے ہر مسلمان کو جاننا ضروری ہے۔ خواہ وہ تعلیم یافتہ ہو یا غیر تعلیم یافتہ، اس میں کوئی فرق نہیں ہے۔ ہاں فرق اگر ہے تو اسلوب اور طریقے میں ہے: کہ عالم اللہ کے احکام کو کیسے پہنچائے؟ اور ان پڑھ و جاہل اللہ کے احکام کو کیسے پہنچانے؟ یہاں دونوں میں سخت اختلاف ہے۔ اب رہا عالم تو وہ کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کو پڑھ کر احکام الہی کی معرفت حاصل کرے گا۔ لیکن ایک ان پڑھ اور جاہل جو نہ پڑھنا جانتا ہے نہ ہی لکھنا جانتا ہے وہ اللہ کے احکام کو کیسے پہنچانے؟ تو اس کا جواب خود قرآن مجید میں موجود ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَسْئَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ﴾ (النحل: ۴۳)

”یعنی تم لوگ اہل ذکر سے سوال کرو اگر انہیں جان سکتے ہو۔“

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اہل علم سے کسی چیز کے بارے میں سوال کریں گے؟ کیا یہ سوال کریں گے کہ فلاں مسئلہ میں فلاں کی رائے کیا ہے؟ یا یہ سوال کریں گے کہ فلاں مسئلہ میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا حکم کیا ہے؟ ظاہر بات ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کا حکم

پوچھا جائے گا کہ فلاں مسئلہ میں اللہ اور اس کے رسول کا حکم کیا ہے؟ معلوم ہوا کہ عالم اور جاہل میں اختلاف صرف اس امر میں ہے کہ دونوں حق کی معرفت کیسے حاصل کریں لیکن دونوں کو کتاب و سنت کے مطابق ہی عمل کرنا ضروری ہے۔
”عالم“ سبب ہے مقصد نہیں:

یہ بدیہی امر ہے کہ عالم ایک سبب ہے حق بات جاننے اور پہچاننے کا، چونکہ عالم کے پاس کتاب و سنت کا علم ہوتا ہے اور جاہل آدمی کے پاس یہ خبر نہیں ہوتی۔ لہذا اس شخص کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام اسی عالم کے ذریعے معلوم ہوں گے تو یہ عالم ایک ذریعہ اور سبب بنا لیکن مقصد نہیں۔ بلکہ مقصد تو کتاب و سنت کی پیروی ہے۔ لیکن جب معاملہ اس کے خلاف ہو جائے۔ یعنی کتاب و سنت کے بجائے مسلک یا مذہب کی رہنمائی کی جائے تو یہی کھلی ہوئی گمراہی ہے۔ (اللہ تعالیٰ اس سے ہم سب کو محفوظ رکھے)

عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ کسی مسئلہ میں اللہ اور اس کے رسول کے حکم کے بجائے عالم سے یہ پوچھا جاتا ہے کہ اس مسئلہ میں آپ کی رائے کیا ہے؟ وہ عالم جواب دیتا ہے کہ اس مسئلہ میں میری رائے یہ ہے وہ اسی کی بات مانتا ہے اور اسی پر عمل بھی کرتا ہے۔ حالانکہ ہونا چاہیے کہ جس ذات پر ایمان لایا ہے اس کا حکم پوچھنا چاہیے۔ یعنی اللہ اور اس کے رسول پر ایمان ہے تو مسئلہ کے اندر انہی دونوں کا حکم پوچھنا چاہیے۔ کیونکہ اس کا قلب و جگر، اس کی عقل و فکر، موت و حیات صرف اللہ کے لیے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ إِنْ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾

(الانعام: ۱۶۲)

”آپ کہہ دیجیے کہ میری نماز، میری عبادت، میرا جینا اور مرنا اس اللہ کے لیے جو سارے جہان کا رب ہے۔“

تو جب انسان کا سارا وجود اللہ کے لیے ہے تو اسے سوال کرنے میں اللہ اور اس کے رسول کا حکم پوچھنا چاہیے۔ لیکن اگر معاملہ کو الٹ دیا جائے اور سبب اور ذریعہ کو مقصد و غایت

بنادیا جائے وہیں عالم مقصد ہو جاتا ہے۔ اب اگر کوئی شخص جان بوجھ کر رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کرتا ہے تو یہ کفر ہے اور ایسا شخص دین سے ایسے نکل گیا جیسے گوندھے ہوئے آٹے سے بال نکلتا ہے۔

علماء کی اطاعت

اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کے ساتھ مشروط ہے کیا یہی علماء کرام کی شان ہے کہ ہم انھیں معصوم رسول اللہ ﷺ کے مقام تک پہنچا دیں؟ ہرگز نہیں، رسول رسول ہوتا ہے اس کے مقام کو کوئی نہیں پہنچ سکتا۔ رہے علماء کرام تو یہ امتی ہیں۔ ان سے غلطی کا امکان موجود ہے۔ اسی لیے قرآن مجید نے بے شمار آیات میں رسول کے درمیان اور رسول سے مستفیدین کے درمیان فرق کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِيَ الْأَمْرِ مِنْكُمْ﴾ (النساء: ۵۹)

”تم اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اولو الامر کی بھی۔“

اس لیے کہ جیسا کہ علامہ ابن القیم رحمہ اللہ نے کہا کہ ہر حاکم یا ہر عالم کی بات نہیں مانی جاسکتی بلکہ اس عالم یا حاکم کی بات مانی جائے گی جو کتاب و سنت کے مطابق عمل بھی کرتا ہو اور اپنی کتاب و سنت کے مطابق لوگوں کو مسئلے بھی بتاتا ہو، رہے رسول تو ان کی باتوں کو مانتا ہی ہے بغیر اس کے چارہ نہیں کیونکہ اس کے پاس اللہ کی وحی آتی ہے اور وہ رسول اس وحی کے مطابق اللہ کا حکم بیان کرتا ہے اس کے پاس باطل نہیں آسکتی۔ لیکن آج ہماری یہ حالت ہوگئی کہ ہم رسول اور عالم کے درمیان تفریق نہیں کرتے ہیں۔ بلکہ عالم کو نبی کا مقام دے کر اس کی ساری باتوں کو خواہ صحیح ہو یا غلط سب مانتے چلے جاتے ہیں۔ یہی تقلید ہے اور اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ تقلید دین نہیں ہے بلکہ ہر مسلمان پر یہ واجب اور ضروری ہے کہ وہ اللہ اور اس

① علامہ البانی رحمہ اللہ کی یہ بہت دقیق تعبیر ہے اسے غور سے سمجھنے کی ضرورت ہے کہ جس نے جان بوجھ کر رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کی اس نے گویا کہ رسول اللہ ﷺ کا انکار کیا۔ لیکن جس نے عموماً رسول اللہ ﷺ کی مخالفت نہیں کی بلکہ سستی کی بناء پر یا یہ جان کر کہ یہی رسول اللہ ﷺ کا حکم ہے اور وہ یقینی طور پر یہ جانتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی اتباع واجب ہے تو ایسا شخص کافر نہیں ہوگا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

کے رسول ﷺ کی بات مانے اور انہیں دونوں کی باتوں کے ماننے کا حریص بھی ہو، لیکن جاہل اور ان پڑھ عالم سے سوال کرے گا۔ اب اگر اس عالم نے اللہ اور اس کے رسول کی بات بتادی تو یہ جاہل اس عالم کی بات کو رد کر دیتا ہے اور اس کے اعراض کر جاتا ہے، یہ بات صرف عوام الناس تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ علماء اور واعظین حضرات بھی اس میں شامل ہیں۔ ایسے ہی علماء اور واعظین کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”رسول اللہ ﷺ نے معراج کی رات کچھ لوگوں کو دیکھا کہ ان کے جڑوں کو آگ کے لوہے سے کھینچا جاتا ہے اور آگ کے کانٹے سے بھی، جب رسول اللہ ﷺ نے اس کو جبریل علیہ السلام سے سنا اور خود اس منظر کو دیکھا تو فرمایا: یہ کون لوگ ہیں؟ جبریل علیہ السلام نے فرمایا: یہ لوگ تمہاری امت کے وہ خطباء اور واعظین ہیں جو کہتے ہیں لیکن خود اس پر عمل نہیں کرتے ہیں۔“ ❶

تقلید کی مذمت اور اس میں اہل کتاب کی مشابہت:

وہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم کتاب و سنت کی پیروی کرتے ہیں۔ اسی کے مطابق اپنا سارا عمل انجام دیتے ہیں۔ لیکن جب واقعی ان کے پاس کتاب و سنت آ جاتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم کتاب و سنت کو نہیں سمجھتے ہیں۔ اب یہاں سوال پیدا ہوتا ہے جب وہ کتاب و سنت کو نہیں سمجھتے ہیں تو کون سمجھے گا؟ گویا کہ اب کتاب و سنت کا سمجھنے والا کوئی باقی نہیں رہ گیا۔ اس کا واضح مطلب یہی ہوگا کہ اسلام کے خلاف فیصلہ کیا جائے گا۔ بہتر یہ ہوتا اگر وہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم ان علماء کرام سے شریعت کے احکام و مسائل لیتے ہیں جو کتاب و سنت کو اچھی طرح سمجھتے ہیں اور وہ یقیناً متاخرین کی بہ نسبت زیادہ علم رکھتے ہیں۔ لیکن اس کا مطلب یہ بھی نہیں ہے کہ ہم متاخرین پر جہل کا حکم لگا دیں اور یہ کہہ دیں کہ وہ کتاب و سنت جاننے کی کوشش بھی نہیں کرتے ہیں، یہ بالکل اسی طرح ہے جیسے نصاریٰ کا معاملہ ان کے اپنے علماء و مشائخ کیساتھ ہوتا تھا۔ ان کے علماء و مشائخ نے جس کو حلال کیا کہا اس کو حلال سمجھ لیا اور

جس کو حرام کر دیا اس کو حرام سمجھ لیا اور یہی رب بنانا ہوا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهَبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ وَالْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ﴾ (التوبہ: ۳۱)

”انہوں نے اپنے علماء و مشائخ کو رب بنالیا اللہ کو چھوڑ کر اور مسیح بن مریم کو بھی۔“

عام نصاریٰ کو یہ نہیں معلوم ہے کہ انجیل میں کیا ہے اور تورات میں کیا ہے یہ صرف ان کے راہبوں اور مشائخ کے لیے خاص ہے۔ ایسا اس لیے ہے تاکہ یہ مشائخ آسانی سے عوام کو اپنا غلام بنا سکیں ان پر اپنی حکومت قائم رکھ سکیں۔ اب جو یہ بتائیں گے اسی کے مطابق ان کو عمل کرنا ہے۔ حال ہی میں ان کے یہاں ایک قرار پاس ہوا کہ راہبائیں اب اپنا سر کھول سکتی ہیں کیونکہ حالات بدل گئے ہیں اور وقت کا تقاضا بھی یہی ہے۔ گویا کہ یہ علماء و مشائخ جس کو چاہیں حلال کریں اور جس کو چاہیں حرام کریں۔

اہل کتاب کی پیروی اور ان کی مشابہت سے ممانعت:

گزشتہ سطور کی روشنی میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا مسلمانوں کے لیے یہ جائز ہے کہ یہود و نصاریٰ جیسا فہم اختیار کریں؟ ہر گز نہیں۔ گزشتہ آیت یعنی ”اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ“ کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اسی لیے ذکر کیا ہے تاکہ اس امت کے علماء و مشائخ اس سے عبرت حاصل کریں اور یہود و نصاریٰ کے علماء و مشائخ جیسا راستہ اختیار کریں پھر اللہ کو چھوڑ کر اپنی مرضی سے جس کو چاہیں حلال کریں اور جس کو چاہیں حرام کر دیں یہ تو علماء کے لیے ہوا۔ رہے عوام تو ان کا بھی فرض ہے کہ وہ کسی عالم کی اندھی تقلید میں نہ پڑیں بلکہ ایسے عالم کی بات کو مانیں جو قرآن و حدیث کی واضح دلیل سے مسئلہ کو واضح کرتا ہو۔ مگر افسوس اور صد افسوس کہ یہود و نصاریٰ جیسی بیماری اس امت میں بھی پیدا ہو گئی ہے اور ﴿اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ﴾ والی آیت سو فیصد ہمارے اندر بھی صادق آرہی ہے۔ سچ فرمایا تھا رسول اللہ ﷺ نے:

((الْتَّبِعَنَّ سُنَنَ مَنْ قَبْلَكُمْ شَبْرًا بَشِيرًا، وَذِرَاعًا بِذِرَاعٍ، حَتَّىٰ لَوْ

دخلوا حجر ضب لدخلتموه .)) ❶

”تم لوگ بالکل اپنے سے پہلے لوگوں کی سنتوں کی پیروی کرو گے یہاں تک کہ اگر وہ لوگ گوہ کے سوراخ میں داخل ہوئے ہوں گے تو تم بھی داخل ہو گے۔“
اب آپ اس حدیث پر غور کر کے بتائیں کہ کیا آج کا مسلمان اس مہلک مرض میں مبتلا ہے یا نہیں؟ یقیناً آج کا مسلمان خواہ وہ عالم ہو یا عام آدمی سب یہود و نصاریٰ کی روش کو اختیار کئے ہوئے ہیں۔ إلا من هداہ اللہ .

دوسری جانب آج ہم یہ بھی سنتے ہیں کہ فلاں خطیب جھوٹ بول کر لوگوں سے کہتا ہے کہ: ”فلاں شخص مسلمانوں کو کافر کہتا ہے“ اب سامعین اس سے اس خبر کی تحقیق نہیں کرتے ہیں کہ آیا اس نے سچ کہا ہے یا کسی پر بہتان باندھا ہے۔ حالانکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:
﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوا أَن تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ﴾ (الحجرات: ٦)
”اے مومنو! اگر تمہارے پاس کوئی فاسق کوئی خبر لے کر آئے تو اس کی تحقیق کر لیا کرو ایسا نہ ہو کہ نادانی میں تم کسی قوم کو تکلیف پہنچاؤ پھر تم اپنے کئے ہوئے پر شرمندہ ہو۔“

کیا یہ آیت منسوخ ہے؟ کس نے اس کو منسوخ کیا ہے؟ نہیں، یہ آیت منسوخ نہیں ہے۔ بلکہ پورا قرآن منسوخ ہے، کیونکہ اس پر کوئی عمل نہیں کرتا ہے اور کسی کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ قرآن مجید اور حدیث کو پڑھے مگر صرف برکت حاصل کرنے کے لیے۔ یقیناً آج یہی ماحول ہے۔ آج قرآن مجید کو صرف برکت حاصل کرنے کے لیے پڑھا جاتا ہے۔ اسی لیے لوگوں کے دلوں پر زنگ پڑ گیا ہے اور وہ قرآنی آیات سے ذرا بھی متاثر نہیں ہوتے ہیں اور نہ ہی اس سے عبرت حاصل کرتے ہیں اور نہ ہی حدیث رسول کو اس لیے پڑھتے ہیں تاکہ اس سے عبرت حاصل کریں بلکہ یہ بھی برکت ہی کے لیے پڑھی جاتی ہے مگر اللہ تعالیٰ

جس کو ہدایت دے۔ رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

((من یرد اللہ بہ خیر ایفقیہ فی الدین .)) ❶

”اللہ تعالیٰ جس سے خیر چاہتا ہے اس کو دین کی سمجھ عطا کرتا ہے۔“

تعجب کی بات یہ ہے کہ لوگ امام غزالی کی کتاب ”احیاء العلوم“ اور اس جیسی دوسری کتابوں میں ایک حدیث پڑھتے ہیں جس کی نسبت یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کی طرف کرتے ہیں، حالانکہ اس حدیث کی کوئی اصل نہیں ہے حدیث یہ ہے: ((رُبَّ سَالٍ لِلْقُرْآنِ، وَالْقُرْآنَ يَلْعَنُهُ .)) ❷ ”یعنی بہت سے قرآن پڑھنے والے ایسے ہیں کہ قرآن ان پر لعنت کرتا ہے۔“ اب یہ حدیث کس پر صادق آتی ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جائے گا کہ یہ حدیث ان لوگوں پر صادق آتی ہے جو قرآن کو پڑھتے ہیں لیکن اس میں غور و فکر نہیں کرتے ہیں۔ یہی بات میں آیت ﴿وَإِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ﴾ کی مناسبت سے بھی کہوں گا کہ کیا یہ آیت منسوخ ہے؟ نہیں، ہرگز نہیں۔ یہ آیت قرآن مجید میں موجود ہے اور محکم ہے۔ علماء تفسیر اس آیت کی مناسبت اور اس کا شان نزول بیان کرتے ہیں۔ لیکن جب عام مسلمان اس کو فقط برکت کے لیے پڑھتا ہے تو دلوں میں اس کی تاثیر کہاں سے آئے گی اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے سچ فرمایا تھا: ((القرآن حجة لك أو عليك .)) ❸ ”قرآن مجید یا تو تمہارے موافق حجت ہے یا تمہارے خلاف۔“

اب گویا یہ قرآن مجید تمام مسلمانوں کے خلاف حجت ہے۔ کیوں؟ اس لیے کہ اس کو تبرک کے لیے پڑھتے ہیں عبرت کے لیے نہیں؟
خبر کی تصدیق کرنا ضروری ہے:

تقریباً نصف صدی کا زمانہ گزر گیا۔ ہر سال لوگ ہمارے اوپر نوح و نوح تہمتیں لگاتے

❶ صحیح بخاری: ۳۵۰۱، صحیح مسلم: ۷۱۹/۲.

❷ یہ حدیث ”احیاء العلوم، للغزالی“ میں بغیر سند کے موجود ہے۔ اس لیے قرین قیاس پر ہے کہ اس حدیث کی کوئی اصل نہیں ہے۔

❸ یہ ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ کی حدیث کا ایک ٹکڑا ہے۔ صحیح مسلم: ۲۰۳/۱.

رہتے ہیں لیکن ان میں سے کوئی شخص ہمارے پاس نہیں آیا تا کہ ہمارے خلاف جو باتیں گشت کر رہی ہیں کہ ہم نے مسلمانوں کو کافر کہا ہے اس خبر کی ہم سے تصدیق کر سکے کہ آیا ہم نے اسے کہا ہے یا نہیں؟ اس کا مطلب یہی ہوا کہ مذکورہ آیت ﴿وَإِنْ جَاءَكُمْ فَاسِيقٌ﴾ ان کے نزدیک منسوخ ہے۔ ورنہ اس آیت پر عمل کرتے ہوئے ہمارے پاس ضرور آتے اور اس خبر کی تصدیق کرتے کہ آیا ہم نے اس بات کو کہا ہے یا نہیں۔ اسی طرح اور دوسری غلط سلسلہ خبریں لوگوں نے میری طرف منسوب کر دی ہیں۔ حالانکہ میں اس سے بری ہوں۔

اصل کتاب و سنت کی پیروی ہے:

ہم کہتے ہیں کہ تمام لوگوں کے لیے کتاب و سنت کی پیروی ہی اصل ہے۔ محض دعویٰ ہی نہیں بلکہ تمام اعمال کتاب و سنت کے مطابق ہونا چاہیے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کتاب و سنت تک رسائی کیسے ہو؟ عالم تو اپنے علم کے ذریعے وہاں تک پہنچ جائے گا، لیکن ان پڑھ اور جاہل کیسے وہاں تک پہنچے گا؟ تو اس کا سیدھا جواب یہ ہے کہ اس قسم کے لوگ اہل علم سے سوال کریں گے۔ وہ اہل علم جو کتاب و سنت کی باتیں دلیل سے بتاتے ہوں نہ کہ اقوال و آراء بتاتے ہوں، بلکہ جو عالم کتاب و سنت کو چھوڑ کر اقوال و آراء لوگوں کو بتاتا ہے۔ وہ لوگوں کو کتاب و سنت سے دور کرتا ہے اور یہ اسلام کے خلاف ہے۔ یہی نصاریٰ کا بھی طریقہ تھا کہ انہوں نے علماء و مشائخ کے اقوال پر عمل کیا اور تورات و انجیل کی باتوں کو چھوڑ دیا نتیجہ یہ نکلا کہ ان کی دنیا و آخرت دونوں تباہ و برباد ہو گئی۔ لہذا مسلمانوں کو ایسے عالم سے مسائل پوچھنا چاہیے جس کے بارے میں معلوم ہے کہ وہ کتاب و سنت ہی کی باتیں بتاتا ہے اور عالم کو بھی چاہیے کہ وہ لوگوں کو کتاب و سنت کی باتیں بتائے ورنہ خاموش رہے۔ اتنی صریح وضاحت کے بعد جو شخص ہماری جانب یہ بات منسوب کرتا ہے کہ ہم نے مذاہب کے پیروکاروں کو کافر یا مشرک کہا ہے تو وہ شخص جھوٹا ہے اور ہمارے اوپر بہتان باندھ رہا ہے۔

واللہ حسبیہ یوم القیامۃ۔ اللہ تعالیٰ بروز قیامت اس سے ضرور محاسبہ کرے گا۔

ہمارا عقیدہ تو یہ ہے کہ تمام مسلمانوں پر بالخصوص علماء کرام پر یہ واجب اور ضروری ہے

کہ وہ مدارس کے مضامین اور مناہج میں قدرے تبدیلی پیدا کریں۔ تاکہ ماحول ایسا پیدا ہو جائے جو سلف صالحین کے یہاں تھا۔ پہلے سلف کے یہاں نہ تو کوئی مذہب تھا اور نہ کوئی طریقہ وہاں صرف اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا قول و فرمان تھا۔ جیسا کہ شاعر نے کہا ہے:

كُلْ خَيْرٍ فِي اتِّبَاعِ مَنْ سَلَفَ

وَكُلْ شَرًّا فِي ابْتِدَاعِ مَنْ خَلَفَ

”ہر قسم کی بھلائی سلف صالحین کی پیروی میں ہے اور ہر برائی بعد والوں کی

ایجادات اور بدعتوں میں ہے۔“

لہذا اس برے ماحول سے خوش ہونا اور اس بات سے خوش ہونا کہ لوگ کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ سے نابلد رہیں جس نے لوگوں کو یہاں تک پہنچا دیا کہ انہیں توحید تک کا علم نہیں ہے یہ دین اسلام میں مطلقاً جائز نہیں ہے۔

منہج میں ایسی تبدیلی ہونی چاہیے کہ وہ منہج اس دور کو واپس لوٹا دے گا جس میں صرف کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ تھی اس زمانے میں نہ تو کوئی عمری تھا نہ بکری، نہ عثمانی تھا نہ علوی چہ جائے کہ کوئی حنفی یا شافعی یا مالکی یا حنبلی ہو اور جس دن مسلمان اس حقیقت کی طرف لوٹ آئیں گے کہ اب صرف اللہ اور اس کے رسول کا فرمان چلے گا اس کے علاوہ کچھ نہیں۔ اس وقت اسلامی سوسائٹی بھی قائم ہو سکتی ہے اور اسلامی حکومت بھی قائم ہو سکتی ہے۔

ان شاء اللہ

اس کے برعکس اگر اسی طرح اپنی غلطی پر چلتے رہے۔ کتاب اللہ اور سنت رسول سے دوری اسی طرح برقرار رہی اور کتاب و سنت کی طرف دعوت دینے والوں پر اسی طرح بہتان باندھتے رہے کہ وہ لوگوں کو کافر اور گمراہ کہتے ہیں تو یاد رکھو کہ اسی طرح ہمیشہ مغلوب اور شکست خوردہ رہو گے۔ تمہارے اوپر یہود و نصاریٰ مسلط ہوتے رہیں گے اور تم کچھ نہیں کر سکو گے جیسا آج ہو رہا ہے کہ ہر جگہ مسلمان ذلیل و خوار ہو رہا ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ اس نے کتاب و سنت کو ترک کر دیا ہے۔ علماء و مشائخ اللہ اور اس کے رسول کے فرمان کے بجائے

لوگوں کے اقوال و آراء کی طرف لوگوں کو دعوت دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿إِنْ تَنْصُرُوا اللَّهَ يَنْصُرْكُمْ﴾ (محمد: ۷)

”اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا۔“

اب آپ سوچیں کہ اللہ تعالیٰ ہماری کیسے مدد کرے گا جب ہم خود قرآن و حدیث کی مخالفت کرتے ہیں۔

إِنْ كُنْتَ لَا تَدْرِي خَتَلَكَ مَصِيبَةٌ

وَإِنْ كُنْتَ تَدْرِي فَالْمَصِيبَةُ أَكْبَرُ

”اگر تو نہیں جانتا ہے تو یہ تو مصیبت ہے ہی اور اگر جانتا ہے تو یہ سب سے بڑی

مصیبت ہے۔“

اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو صحیح فہم کی توفیق دے۔ آمین



شکوک و شبہات کا ازالہ

ہم نے گزشتہ درس ① میں آپ لوگوں کے سامنے موجودہ دور کے ایک کاتب کا ایک جملہ پڑھا تھا۔ اس نے اس جملہ میں سلفی دعوت کے ایک پہلو کا تذکرہ کیا تھا۔ اس نے یہ کہا تھا کہ سلفیوں میں اس جملے کی کتنی تاثیر ہے گزشتہ درس میں جو لوگ حاضر تھے انھیں اچھی طرح اس کا جملہ یاد ہو گا وہ جملہ یہ تھا:

((ولكن هل استطعتم أن تركزوا هذا المفهوم الصحيح في نقوس المنستبين إلى طريقتهم؟))

”کیا تمہارے پاس اتنی صلاحیت ہے کہ تم ان لوگوں کے دلوں میں اس واضح اور صحیح مفہوم کو بٹھا سکو جو ان کی طرف مائل ہیں۔“

الحمد للہ میں نے گزشتہ درس میں اس جملہ کے متعلق جو کچھ گزارشات آپ کے سامنے پیش کی تھی، میرے خیال میں وہی کافی اور شافی تھیں اب مزید کی ضرورت نہیں ہے۔ لہذا اب میں ان شاء اللہ اس کے باقی جملے پر قدرے گفتگو کرنے کی کوشش کروں گا۔ اس کاتب نے یہ بھی کہا تھا:

((الواقع يؤكد قليل منهم قد أخذ نفسه بهذا المنهج، أما الأكثرون فعلى الضد من ذلك، لا يرون في المذاهب إلا عدواً يجب القضاء عليه، وقد رأينا وسمعنا من كبارهم من يجاهر بهذا الرأي ومن اوسطهم من يقول لا بد أولاً من

① یہ کتاب دراصل شیخ البانی رحمہ اللہ کے دروس کا مجموعہ ہے جن کو فضیلۃ الشیخ عمرو سلیم حفظہ اللہ نے افادۂ عام کی خاطر کتابی شکل میں جمع کر دیا ہے۔ (از مترجم)

إحراق كتب المذاهب جميعا .))

صورتحال بتاتی ہے کہ بہت ہی کم ایسے لوگ ہیں جنہوں نے اس منہج کو قبول کیا ہے۔ البتہ اکثریت اس کے خلاف ہیں۔ ان کے خیال میں یہ مذاہب بہت بڑی آڑ اور روک ہیں لہذا ان کے خلاف اٹھ کھڑا ہونا ضروری ہے ہم نے ان کے بڑوں کو دیکھا اور ان سے سنا بھی ہے وہ بباگ دہل اس رائے کو بیان کرتے ہیں۔ البتہ ان میں جو متوسط طبقہ ہے وہ تو یہ کہتا ہے کہ ان مذاہب کی ساری کتابوں کو جلادینا ضروری ہے۔

قارئین کرام! کاتب نے مذکورہ بالا کلام کو سلفی کی طرف منسوب کیا ہے۔ اس نے سلفی حضرات کو دو قسموں میں بانٹ دیا ہے۔ ایک چھوٹا اور ایک بڑا، یقیناً کاتب کی یہ تقسیم اس بات کی طرف اشارہ کر رہی ہے کہ وہ ان لوگوں کی تنقید میں حد سے تجاوز نہیں کرے گا بلکہ انصاف سے کام لے گا۔ کاتب کے ان سطور کو دیکھنے اور سننے کے بعد مجھے دو باتیں آپ کے گوش گزار کرنی ہیں۔ ان میں سے ایک دوسرے سے بہت اہم ہے لہذا جو زیادہ اہم ہے اسی سے شروع کرتے ہیں اس کے بعد دوسرے کو بیان کریں گے۔ پہلی بات یہ ہے کہ مذاہب اربعہ اور ان کے ائمہ کے بارے میں سلفی دعوت کا موقف کیا ہے؟ یہ زیادہ اہم ہے۔

دوسری بات یہ کہ کیا سلفی دعوت کا کوئی فرد اس قسم کی بات بیان کر سکتا ہے جس کو کاتب نے بیان کیا ہے اور لطف کی بات تو یہ ہے کہ اس کے ایک حصہ کو سلفی حضرات کے بڑے لوگوں کی طرف منسوب کیا ہے جبکہ اس کے دوسرے حصے کو ان کے متوسط کی طرف منسوب کیا ہے۔

رہی پہلی بات تو ہم بڑے واضح انداز میں ڈنکے کی چوٹ پر ہمیشہ بیان کرتے آئے ہیں اور گزشتہ درس میں ہم نے اس موضوع پر بہت کچھ آپ کے سامنے رکھا بھی تھا۔ جنہیں مزید بیان کر کے درس کو طول دینا پسند نہیں کرتے پھر بھی یاد دہانی کے طور پر کچھ باتیں گوش گزار کئے دیتا ہوں۔

ہم ہمیشہ بباگ دہل یہ بات کہتے چلے آئے ہیں کہ سلفی دعوت کی بنیاد کتاب و سنت

کے فہم پر قائم ہے کتاب و سنت کا ایسا فہم جو سلف صالحین کے فہم اور ان کے منہج کے عین مطابق ہو وہ سلف صالحین جو قرون ثلاثہ (تیسری صدی) میں تھے جن کے خیر اور افضل ہونے کی شہادت خود رسول اللہ ﷺ نے اپنی زبان فیض سے دی ہے۔

ارشاد نبوی ہے:

((خیر الناس قرنی، ثم الذین یلونہم، ثم الذین یلونہم۔))^①

”سب سے بہترین لوگ میرے زمانے کے لوگ ہیں، پھر وہ لوگ ہیں جو ان کے قریب ہیں۔“ (یہ حدیث صحیح بھی ہے اور متواتر بھی)

آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ ائمہ اربعہ اور ان کے معاصرین، ان کے پہلے کے لوگ یا ان کے بعد والے، سب کے سب ہمارے نزدیک ائمہ سلف میں سے ہیں، ہم ان کی اقتداء کرتے ہیں اور اپنی اس دعوت میں انہی کے نقش قدم پر چلتے بھی ہیں۔ اس لیے یہ غیر ممکن ہے کہ ایک ایسا شخص جو اپنے مسلک اور مشرب میں سلفی ہے وہ کسی امام پر طعن کرے گا یا ان کی مذمت کرے گا یا یہ کہے گا کہ ان کی کتابوں کو جلا دینا چاہیے اور ان کے استفادہ سے باز رہنا چاہیے۔ اس قسم کی لغو اور بیہودہ باتیں کوئی سلفی ہرگز نہیں کرے گا۔ میں نے اپنی کتاب ”صفة صلاة النبی ﷺ“ کے مقدمہ میں ائمہ اربعہ کے اقوال کو بڑی وضاحت کے ساتھ ذکر کر دیا ہے کہ کتاب و سنت کی پیروی ہی میں اس منہج و مسلک کی وضاحت ہے۔ نیز تقلید اور اتباع مذاہب پر جمود کے بارے میں ان کے اقوال و آراء کو تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا ہے۔ اب دوبارہ یہاں اس کو ذکر کر کے مضمون کو طول دینا نہیں چاہتا۔^②

① مسند احمد: ۱/۳۷۸، ۴۴۲، وابن ابی عاصم (۱۴۶۶)، صحیح البخاری: (۱۱۸/۴) و ترمذی

(۳۸۵۹) و صحیح مسلم: (۱۹۶۳)۔

② مجھے حیرت ہے کہ کیسے یہ شخص سلفیت کے خلاف یہ دعویٰ کرتا ہے جبکہ تن تنہا یہی وہ جماعت ہے جو اس بات کا حکم دیتی ہے کہ عقیدہ کے باب میں ائمہ سنت سے جو باتیں منقول ہیں ان کی اتباع کرو، اسی طرح اس کی تمام کتابوں میں ائمہ کرام اور سلف صالحین کی اتباع کا ذکر ہے۔ بلکہ یہی اتباع ہی اہل سنت، اہل حدیث، اہل اثر اور صحیح و سالم عقیدہ ہونے کی علامت ہے۔ اس سلسلے میں ان کی یہ عبارت بہت مشہور ہے: إذا رأیت الرجل ⇨ ⇨

یہ بات بھی آپ کے سامنے واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ سارے ائمہ کرام اس قول میں متفق ہیں کہ: ”إِذَا صَحَّ الْحَدِيثُ فَهُوَ مَذْهَبِي“^① جب حدیث صحیح ہو تو وہی میرا مذہب ہے۔“

﴿يَحِبُّ فَلَانًا وَفَلَانًا.....أَسْمَاءَ لَأُثْمَةِ السَّنَةِ- فَاَعْلَمُ أَنَّهُ صَاحِبُ سَنَةٍ﴾ یعنی جب تم کسی شخص کو ان ائمہ سنت سے محبت کرتے دیکھو تو جان لو کہ یہی سنی ہے۔ ((واحدی علامات اہل السنۃ جہم لأُثْمَةِ السَّنَةِ وَعِلْمَانِهَا وَانْصَارَهَا وَأُولِيَاءُهَا وَبَعْضُهُمْ لِأُثْمَةِ الْبَدْعِ الَّذِينَ يَدْعُونَ إِلَى النَّارِ.)) یعنی اہل سنت کی سب سے بڑی علامت یہ ہے کہ وہ ائمہ سنت، اس کے علماء اس کے پیروکار و اولیاء کرام سے محبت کرتا ہے اور ائمہ بدعت و خرافات سے بغض و عناد رکھتا ہے۔“

① یقیناً ائمہ کرام رحمہم کے اقوال و آراء اگر کتاب و سنت کے مخالف ہوں تو انہوں نے پوری دیانت داری کے ساتھ بڑی سختی سے ان اقوال کو لینے سے منع کیا ہے۔ امام بیہقی نے ”مناقب الشافعی“ (۱/ ۴۷۲) میں صحیح سند کے ساتھ امام شافعی رحمہ کا یہ قول نقل کیا ہے: ((إِذَا وَجَدْتُمْ فِي كِتَابِي خِلَافَ سُنَّةِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَقُولُوا بِسُنَّةِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَدَعُوا مَا قُلْتُ.)) جب تم میری کتاب میں رسول اللہ ﷺ کے خلاف کوئی چیز پاؤ تو میری بات کو چھوڑ دو اور رسول اللہ ﷺ کی سنت کو لے لو۔“

ابن عبد البر رحمہ نے ”بیان العلم وفضله“ (۲/ ۳۲) میں مالک بن انس رحمہ سے صحیح سند کے ساتھ روایت نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں: ((إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ أَخْطَى وَأُصِيبُ، فَانْظُرُوا فِي رَأْيِي، فَكُلْ مَا وَافَقَ الْكِتَابَ وَالسُّنَّةَ فَخَذُوهُ، وَكُلْ مَا لَمْ يُوَافِقْهُ الْكِتَابَ وَالسُّنَّةَ فَاتْرَكُوهُ.)) یقیناً میں بھی ایک انسان ہوں مجھ سے بھی غلطی ہو جاتی ہے اور درست بھی کہتا ہوں، لہذا تم لوگ میری رائے کو دیکھو، اگر وہ کتاب و سنت کے موافق ہے تو لے لو اور اگر موافق نہیں ہے تو اس کو چھوڑ دو۔“

اسی طرح ابن عبد البر نے مذکورہ بالا کتاب کے (۲/ ۱۳۹، ۱۳۸) میں امام احمد بن حنبل رحمہ سے صحیح سند کے ساتھ ان کا یہ قول نقل کیا ہے: ((رَأَى الْأَوْزَاعِي، وَرَأَى مَالِكَ، وَرَأَى أَبِي حَنِيفَةَ كُلَّهُ رَأَى، وَهُوَ عِنْدِي سَوَاءٌ، وَإِنَّمَا الْحُجَّةُ فِي الْأَثَارِ)) امام اوزاعی کی رائے ہو یا امام مالک اور امام ابو حنیفہ کی رائے ہو یہ سب رائیں ہیں اور میرے نزدیک یہ سب برابر ہیں۔ لیکن دلیل اور حجت صرف حدیث میں ہے کسی کی رائے یا قول میں نہیں، امام احمد رحمہ کے اس قول میں شاید یہ ہے کہ اگر ائمہ کرام رحمہم کے اقوال و آراء کتاب و سنت کے خلاف ہیں تو ایسی صورت میں ان اقوال و آراء کا کوئی اعتبار و مقام نہیں ہے۔ اس کے باوجود امام احمد رحمہ سے صحیح سند سے یہ بھی ثابت ہے کہ انہوں نے سلف صالحین کے اقوال کو چھوڑ کر کسی شاذ قول پر عمل کرنے کو سخت ناپسند کیا ہے بلکہ اس پر ڈانٹ بھی پلائی ہے۔ ایک مرتبہ انہوں نے اپنے میمونی شاگرد سے کہا: ”يَا أَبَا الْحَسَنِ إِيَّاكَ أَنْ تَتَكَلَّمَ فِي مَسْأَلَةِ لَيْسَ لَكَ فِيهَا إِمَامٌ“ اے ابو الحسن! کوئی ایسا مسئلہ جس میں کسی امام کا کوئی قول نہ ہو اس مسئلہ میں بات کرنے سے بچو اور احتیاط کرو۔“

ہم پورے یقین کے ساتھ یہ بات کہتے ہیں کہ ائمہ کرام رحمہم اللہ کی قدر و منزلت، ان کا ادب و احترام جتنا سلفی دعوت کرتی ہے اتنا کوئی دوسری دعوت نہیں کرتی ہے۔ اگرچہ کچھ ایسے لوگ ضرور ہیں جو اپنی نسبت سلفی دعوت کی جانب کرتے ہیں لیکن ان کی زبان سے ائمہ کرام کی تخریج میں کچھ کلمات نکل جاتے ہیں جیسا کہ کاتب نے ذکر کیا ہے۔ لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ آپ کو یہ بات بھی واضح انداز میں معلوم ہونی چاہیے کہ سلفی دعوت کے مبادیات میں سے یہ بات بھی ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ قرآن و سنت بھی اسی کی تائید کرتی ہیں۔ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿أَمْ لَمْ يُنَبِّأْ بِمَا فِي صُحُفِ مُوسَىٰ ۖ وَإِبْرَاهِيمَ الَّذِي وَفَّىٰ ۖ أَلَا تَذَرُونَ ۚ وَآزْرَقَةً وَّزَرَ أَخْرَىٰ﴾ (النجم: ۳۶ تا ۳۸)

”کیا انہیں اس بات کی خبر نہیں دی گئی جو موسیٰ اور وفادار ابراہیم کے صحیفوں میں تھا کہ کوئی کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔“

صحیح حدیث میں وارد ہے کہ ایک صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے ان کے ساتھ

۴۰ بہر حال جس طرح سلف صالحین نے سنت کو سمجھا اور اس پر عمل کیا، انہیں کے فہم کے مطابق سنت کی پیروی ضروری اور واجب ہے اور یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ اجتہاد، اتباع سنت اور ترک تقلید کے نام پر کسی ایسے شاذ قول پر عمل کرنے کی کوشش نہ کرے جس کو سلف نے نہ کہا ہو..... حقیقت یہ ہے کہ ائمہ کرام کے اقوال اور ان کے اجتہادات فی نفسہ شرعی حجت نہیں ہیں۔ بلکہ یہ شرعی احکام جاننے اور سمجھنے کا ذریعہ اور سبب ہیں۔ رہا عمل تو سلف صالحین کے فہم کے مطابق کتاب و سنت کے نصوص پر ہوگا۔

اسی لیے سلفی دعوت اتباع کتاب و سنت پر زیادہ توجہ دیتی ہے۔ ایسی اتباع جو سلف صالحین کے فہم کے عین مطابق ہو۔ البتہ ایک عام آدمی اور ان پڑھ آدمی جو دین کے متعلق کچھ بھی نہیں جانتا ہے تو ایسا شخص کتاب و سنت کے عالم سے سوال کرے گا اور اس پر عمل کرے گا۔ ہاں اگر وہ شخص کسی خاص مذہب کا متعصب ہے اس مذہب کے علاوہ دوسرے کی بات کو لینا پسند نہیں کرتا ہے اگرچہ دوسرے کی بات کتاب و سنت سے زیادہ قریب ہے بلکہ کتاب و سنت کے عین مطابق بھی ہے تو یہ یقیناً جائز نہیں ہے بلکہ حرام ہے اس سے بچنے کی کوشش کرنی چاہیے اور ہر مسلمان کو چاہیے کہ جو بات کتاب و سنت سے ثابت ہو اسی پر عمل کرے اور جو بات کتاب و سنت سے ثابت نہ ہو اسے ترک کر دے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ﴾ (النحل: ۴۳) ”اگر تم لوگ نہیں جانتے ہو تو اہل علم سے سوال کرو۔“

ان کا غلام تھا۔ آپ ﷺ نے پوچھا: کیا یہ تمہارا لڑکا ہے؟ اس نے جواب میں کہا: ہاں، آپ ﷺ نے فرمایا: نہ تو تمہارا قصور اس کے اوپر ہے اور نہ اس کا قصور تمہارے اوپر ہے ❶ یہ حدیث مذکورہ بالا آیت کی واضح تفسیر ہے۔

لہذا اس طرح کے کلمات اگر کسی ایسے شخص کی زبان سے نکل گئے ہیں جو اپنے آپ کو سلفی دعوت کی طرف منسوب کرتا ہے تو یہ سلفی دعوت کی غلطی نہیں ہے اور نہ ہی یہ دعوت اس کی ذمہ دار ہے بلکہ وہ شخص خود اس کا ذمہ دار ہوگا۔ جیسا کہ مذکورہ بالا آیت اور حدیث اس پر دلالت کرتی ہے ہم بے حد افسوس و حسرت کے ساتھ اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ اس قسم کے کلمات بعض متحمس سلفی کی جانب سے صادر ہوئے ہیں جن کی خاص طبیعت اور عادت ہوتی ہے اور ایسا لگتا ہے کہ ان کی عقل ان کی زبان کے پیچھے ہوتی ہے اور ان کی زبان ان کی عقل سے پہلے چلنے لگتی ہے۔ ایسے لوگ بغیر سوچے سمجھے جو چاہتے ہیں کہنے لگتے ہیں۔ لہذا اس قسم کے لوگوں کی وجہ سے ہم کسی دعوت کو مطعون نہیں کر سکتے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں بھی ایسے لوگ موجود تھے جن سے غلطیاں سرزد ہو جاتی تھیں پھر رسول اللہ ﷺ انھیں تنبیہ کرتے تھے۔ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے بلکہ ہر جماعت اور ہر گروپ میں کچھ ایسے لوگ ہوتے رہتے ہیں۔

آپ کو اچھی طرح معلوم ہونا چاہیے کہ سلفی دعوت ہی ایسی دعوت ہے جو کسی کے حقوق کو ہضم نہیں کرتی ہے چہ جائیکہ علماء کرام کے حقوق بلکہ ہر ایک کو اس کا جائز حق دیتی ہے اور وہ کسی کا حق ہضم ہی کیسے کر سکتی ہے جبکہ قرآن کھلے لفظوں میں کہتا ہے:

﴿وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا اِعْدِلُوا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی﴾ (المائدہ: ۸)

”اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم عدل نہ کر سکو، عدل کرو کیونکہ یہی تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔“

آپ اس آیت کریمہ میں غور کریں اور سوچیں کہ جب قرآن کریم سارے مسلمانوں کو اس بات کا حکم دیتا ہے کہ تم دشمنوں کے ساتھ بھی عدل و انصاف سے کام لو تو جو لوگ اپنے ہوں گے۔ ان کے ساتھ کیسے عدل و انصاف کا حکم نہیں دے گا؟ اسی لیے ہم تقریباً بیس سال سے دیکھتے چلے آ رہے ہیں کہ ہم بھی ائمہ کرام اور علماء عظام کا ادب و احترام کرتے ہیں۔ ان کی باتوں پر عمل بھی کرتے ہیں لیکن ہم میں اور جمہور مسلمانوں میں بڑا فرق ہے۔ ہم کلی طور پر ادب و احترام کے باوجود کبھی کبھی ان سے علمی اختلاف بھی کرتے ہیں اور یہ کوئی عیب بات نہیں ہے۔ ممکن ہے یہی چیز اختلاف کا سبب بنا ہو، ہم علماء کرام اور ائمہ عظام کا احترام اس لیے کرتے ہیں کہ وہ دین کے ہادی و رہبر ہیں۔ وہ کتاب و سنت کی طرف لوگوں کی رہنمائی کرتے ہیں۔ انہیں سے شرعی علوم بھی حاصل کرتے ہیں لیکن ہم یہ نہیں کہتے ہیں اور نہ ہی اس پر ہمارا یقین ہے کہ معروف و مشہور طریقہ کے علاوہ علم حاصل کرنے کا کوئی دوسرا طریقہ بھی ہے یعنی ہمارے پاس صوفیوں کا طریقہ برائے حصول علم ہرگز نہیں ہے ❶ ان کے نزدیک علم حاصل کرنے کا طریقہ الہام ہے۔ یہ ”الہام، صوفیوں کے نزدیک ”وحی“ کے مشابہ ہے اور لطف کی بات یہ ہے کہ امام غزالی اپنی کتاب ”احیاء علوم الدین“ میں بیان کرتے ہیں کہ انسان اپنے مجاہدہ و مراقبہ اور خلوت میں رب سے مناجات کے وقت الہام سے وہ علم حاصل کر لیتا ہے جس کا اسے پہلے علم نہیں تھا وہ ایک خاص طریقہ ذکر کرتے ہیں کہ آدمی تاریک کمرہ میں گوشہ نشین ہو جائے، اپنا سراپے دونوں گھٹنوں پر رکھ لے اور اپنی آنکھوں کو بند کر لے۔ اس طرح کر کے وہ تین تاریکیوں میں بیٹھتا ہے ایک کمرہ کی تاریکی، دوسرا آنکھ بند کرنے کی تاریکی اور تیسرا جہت کی تاریکی، اب وہ اس انتظار میں ہوتا ہے کہ اس پر کوئی وحی

❶ صرف صوفیاء ہی نہیں بلکہ روافض بھی انہیں کی طرح ہیں۔ یہ لوگ بھی اپنے ائمہ کے لیے عصمت کا دعویٰ کرتے ہیں۔ ان کے کلام کو قبول کرتے ہیں اور اسے شرعی دلائل و براہین کا مقام دیتے ہیں۔ بلکہ کتاب و سنت کے نصوص پر اس کو مقدم کرتے ہیں۔ ان کے برعکس اہل سنت و الجماعت کا شعار ہمیشہ اعتدال پسندی کا ہے وہ ائمہ کرام کے احترام کے ساتھ ساتھ ان کے جو اقوال کتاب و سنت کے موافق ہوتے ان کو لیتے بھی ہیں اور جہاں ان سے لغزش ہوتی ہے اسے چھوڑ دیتے ہیں یہی بات ائمہ کرام نے بھی کہی ہے۔

نازل ہوگی جس کا نام ان لوگوں نے ”الہام“ رکھا ہے ان کے پاس ایک عبارت ہے جس کو متقدمین و متاخرین صوفیاء بار بار کہتے رہتے ہیں وہ عبارت یہ ہے: ”حدثنی قلبی عن ربی“ میرے دل نے میرے رب سے بیان کیا جبکہ ائمہ حدیث کہتے ہیں: ”حدثنی فلان عن فلان“ یعنی فلاں نے فلاں سے بیان کر کے مجھ سے بیان کیا اور ائمہ فقہ کہتے ہیں: ((قال فلان فی کتابہ عن فلان)) یعنی فلاں نے فلاں سے بیان کر کے اپنی کتاب میں کہا ہے یہ طریقہ کار صوفیاء نہیں اختیار کرتے وہ تو بس اسی کا ورد کرتے ہیں: ”حدثنی قلبی عن ربی“ یہ بحث بھی طویل ہے اور اچھا خاصا وقت بھی چاہتی ہے، لیکن میں اس وقت اس بحث میں داخل ہونا نہیں چاہتا۔ اس وقت ہمارا موضوع ائمہ کرام کا ادب و احترام کے متعلق ہے لہذا ہم اسی کی وضاحت کریں گے۔

واضح رہے کہ ہم لوگ ائمہ کرام رحمۃ اللہ علیہم کو واسطہ اور ذریعہ مانتے ہیں کہ یہ لوگ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا علم ہم تک پہنچاتے ہیں اور انہیں کے ذریعہ کتاب و سنت کی تعلیمات ہم تک پہنچی ہیں اور یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ محض ان کی اتباع یا پیروی ہمارا مقصد نہیں ہے بلکہ ہمارا مقصد وحید یہ ہے کہ ہم اس راستے کو پہنچائیں جس پر خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قائم تھے اور جس راستے کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رب نے آپ پر اپنی کتاب قرآن مجید میں نازل فرمایا ہے اور جس راستے کو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سنتوں میں واضح کیا ہے یعنی کتاب و سنت کی روشنی میں صراط مستقیم کو جاننا اور پہچاننا ہمارا مقصد ہے۔

اب کتاب و سنت کی دعوت اور ان کی واضح تعلیمات ہم تک انہیں علماء کرام کے ذریعہ پہنچی ہیں اس لیے ہم ان کا ادب و احترام کرتے ہیں ان کے لیے مغفرت کی دعائیں کرتے ہیں لیکن ان ائمہ کرام اور علماء عظام کے ادب و احترام کرنے میں ہمارے اور جمہور لوگوں کے درمیان بہت بڑا فرق ہے۔ ہم جس بنیاد پر ان کا ادب و احترام کرتے ہیں اس کو مذکورہ بالا سطور میں ہم نے واضح کر دیا ہے۔ لیکن جمہور نے اس حقیقت کو بالکل بدل ہی دیا ہے انہوں نے ان علمائے کرام کی تقلید اور ان کی اتباع کو ہی اصل مقصد بنا لیا ہے۔ اس کی دلیل

یہ ہے کہ ہر ایک اپنے اپنے امام کے ساتھ خوش ہے۔ اس کے ہر قول کو اپنے دین کی بنیاد بنائے ہوئے ہے دوسرے ائمہ کرام کے اقوال کو لینا پسند نہیں کرتا، جبکہ تینوں اماموں کے اقوال ایک امام کے اقوال سے زیادہ ہوتے ہیں پھر بسا اوقات دوسرے ائمہ کے اقوال کتاب و سنت کے مواقع ہوتے ہیں جبکہ جس امام کی یہ تقلید کرتا ہے اس کی وہ بات صحیح نہیں ہوتی ہے پھر بھی یہ مقلد اس پر عمل کرتا ہے حالانکہ یہ غلط ہے جو قول کتاب و سنت کے موافق نہ ہو اسے نہیں لینا چاہیے۔ ان ائمہ کرام نے بڑی وضاحت کے ساتھ کھلے لفظوں میں اپنے اپنے پیروکاروں سے کہہ دیا ہے کہ ((خذوا من حیث اخذنا)) ”تم لوگ مسئلہ وہاں سے لو جہاں سے ہم نے لیا ہے۔“ ان ائمہ کرام کا یہ قول ہمارے قول کی تائید کرتا ہے کہ ان کی اتباع مقصود نہیں ہے بلکہ مقصود صرف اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اتباع ہے اور یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ صرف تنہا رسول اللہ ﷺ کی اتباع ہی اللہ سے محبت کی دلیل ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ﴾ (آل عمران: ۳۱)

”تم کہہ دو اگر تم اللہ سے محبت کرنا چاہتے ہو تو میری اتباع کرو اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگے گا۔“

لہذا ہمارے اور ان کے درمیان بہت بڑا فرق ہے۔ اس بات کو اختصار کے ساتھ اس طرح بھی کہا جاسکتا ہے کہ ہماری دعوت اس بات میں منحصر ہے کہ تنہا رسول اللہ ﷺ کی اتباع کی جائے۔ ❶ ہمارے نزدیک اتباع میں ان کا کوئی شریک ہے اور نہ کوئی ان کا مثل ہے ہم رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ کر کسی دوسرے کی اطاعت ہرگز نہیں کر سکتے، اور نہ ہی کریں گے رہے دوسرے لوگ تو ان کے امام بہت زیادہ ہیں کسی نے کسی امام کو اپنا امام بنایا، دوسرے

❶ امام احمد رحمہ اللہ نے کہا: الا اتباع: ان يتبع الرجل ما جاء النبي ﷺ ومن أصحابه، ثم هو من بعد التابعين مخير۔ اس قول کو امام ابو داؤد نے ”المسائل“ (۱۲۸۹) میں نقل کیا ہے۔ ”یعنی اتباع یہ ہے کہ آدمی اس چیز کی اتباع کرے جو رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے اور آپ کے صحابہ کرام سے ثابت ہے۔ رہا تابعین کے اقوال تو اس میں اس کو اختیار ہے۔“ لہذا سلف صالح کے فہم کے مطابق کتاب و سنت کی اتباع ہی اصل مقصود ہے۔

نے دوسرے امام کو اپنا رہنما مانا۔ یہی نہیں بلکہ یہ لوگ صرف ائمہ اربعہ کی تقلید کرتے یا ان کے شاگردوں کی بات لیتے اور ان کی تقلید کرتے، تب بھی بات دوسری ہوتی۔ مگر یہ لوگ تو بے شمار لوگوں کی تقلید کرتے ہیں، مثلاً آپ کسی ایسے شخص کے پاس جائیں جو کسی ایک مذہب کا پیروکار ہے پھر جس امام کا مقلد ہے مثلاً حنفی یا شافعی پھر اسی امام کی کوئی کتاب لے کر اس میں سے کوئی مسئلہ اس کے سامنے پیش کر دیں تو وہ یہی کہے گا کہ ہم اس نص کی اتباع نہیں کرتے ہیں اور نہ ہمارے اندر اتنی صلاحیت کہ اس امام کی کتاب سے کوئی مسئلہ اخذ کر سکیں۔ اب یہ شخص اس شخص سے مسئلہ معلوم کرتا ہے جو امام یا امام کے کسی شاگرد کی بات پر عمل کرتا ہے گویا کہ اصل امام کو چھوڑ کر متاخرین علماء کی باتوں پر عمل کرتا ہے، متقدمین ائمہ کرام کی باتوں کو نہیں لیتا ہے۔^①

سلفی دعوت کے عام ہونے سے پہلے ان لوگوں کے ساتھ ہمارا بہت بحث و مباحثہ ہو چکا ہے۔ اس کے بہت سے شواہد بھی ہمارے پاس ہیں۔ مثال کے طور پر ایک شخص نے میرے بارے میں کہا کہ ایک مسجد جس کا امام و مؤذن دونوں باتخواہ ہوں اس مسجد میں تعدد جماعت مشروع نہیں ہے۔ یہ بات اس نے میری طرف منسوب کر دی، میں بذات خود اس امام مسجد کے پاس گیا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ تم نے ایسی ایسی بات کہی ہے؟ میں نے کہا: ہاں، اس نے کہا: آپ نے یہ بات کس بنیاد پر کہی ہے؟ میں نے جواب دیا کہ ائمہ کے قول کی بنیاد پر اور امام شافعی کی کتاب ”الام“ اس کے سامنے لا کر پیش کر دیا وہ امام بھی شافعی مذہب کا پیروکار تھا۔ جب میں نے اس کے سامنے ”الام“ کی عبادت پڑھی تو اس نے کہا: ہم امام کے

① آج مذاہب کی طرف انتساب کی یہی حقیقت ہے یعنی انتساب صوری ہے حقیقی نہیں۔ کیونکہ متاخرین علماء بہت سے مسائل میں متقدمین ائمہ کرام کے خلاف ہیں۔ بعد کے لوگ متاخرین کے ترجیحی مسائل کو لے لیتے ہیں جبکہ اس میں ائمہ مذاہب کی صریح مخالفت ہوتی ہے۔ اگر یہ مخالفت صرف احکام میں ہوتی تو گوارا تھا لیکن یہ متاخرین اصول اعتقاد میں ائمہ کے مخالف ہیں۔ مثلاً متاخرین احناف عقیدہ میں یا تو اشعری ہیں یا ماتریدی، اسی طرح مالکی و شافعی بھی ہیں۔ جبکہ ائمہ کرام کتاب و سنت کے نصوص کی اتباع کرتے تھے وہ کتاب و سنت کے خلاف کبھی غور و خوض نہیں کرتے تھے اور نہ ہی تعریفات کلامیہ کے پیچھے پڑھتے تھے۔

کلام کو اب نہیں لیتے ہیں میں نے کہا: کیوں؟ اس نے جواب دیا کہ امام شافعی کے بعد بہت سے ائمہ آگئے ہیں جنہوں نے ان کے اقوال کو پڑھا۔ اس میں رائج و مرجوح اقوال کو دیکھا تو ہم ان کے رائج قول کو لیتے ہیں اور وہ رائج قول جس کو ان ائمہ نے رائج قرار دیا ہو۔ ❶ پھر ہم نے اس سے کہا کہ گویا کہ امام شافعی کے کلام میں رائج و مرجوح ہے اور خطا و صواب بھی ہے۔ متاخرین نے بعد میں آ کر چھان بین کر کے اس کے صواب کو اس کی خطا سے الگ کر دیا۔ یہ سن کر وہ اچانک پریشان ہو گیا اور موضوع کو بدل دیا اور کہنے لگا ہم شافعی نہیں ہیں۔ بلکہ ہم باجوری ہیں۔ یہی حال موجودہ دور کے سارے مقلدین کا ہے۔ نہ کوئی حنفی ابوحنیفہ کی تقلید کرتا ہے، نہ ہی کوئی شوافع شافعی کی تقلید کرتا ہے۔ اب جبکہ کسی نہ کسی امام کا ہونا ضروری ہے تاکہ اس کی باتوں پر عمل کیا جائے تو ہمارے امام محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ ہم آپ ﷺ کی باتوں کو لیتے ہیں اور انہیں پر عمل کرتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہم ائمہ کرام کے اقوال کی قدر نہیں کرتے ہیں۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ ہم ان ائمہ کرام کی شخصی طور پر اتباع نہیں کرتے ہیں بلکہ شخصی طور پر ہم رسول اللہ ﷺ کی اتباع کرتے ہیں جب رسول اللہ ﷺ سے کوئی بات ثابت ہو جائے تو اس کو ہر حال میں قبول کرنا ہے اس سے اعراض کرنا جائز نہیں۔ لیکن جب کوئی امام بات کہتا ہے تو ہم اس سے دلیل کا مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ اپنے اس قول کے ثبوت میں کتاب و سنت سے کوئی دلیل پیش کرے اور یاد رکھئے کہ ہم ان لوگوں کے طریقے پر نہیں ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ ”جس نے اپنے شیخ سے کہا کیوں؟ تو وہ کبھی

❶ شیخ ریح مدخلی اپنی کتاب ”اہل الحدیث ہم الطائفة المنصورة“ کے ص: ۳۳۰ میں لکھتے ہیں: ”ائمہ اربعہ کے پیروکار یا تو اشعری ہیں یا صوفی“ اب یہ لوگ ائمہ اربعہ کی کتابوں کی طرف رجوع نہیں کرتے ہیں۔ شوافع نہ تو کتاب لاءم کو پڑھتے یا پڑھاتے ہیں اور نہ ہی اس کی طاعت ہی کرتے ہیں بلکہ متاخرین شافعیہ کی کتب جیسے باجوری، المنہاج، وغیرہ کو پڑھتے پڑھاتے ہیں۔ اسی طرح مالکیہ نہ تو ”الموطا“ کو پڑھتے ہیں نہ ہی ”المدونہ“ کو بلکہ متاخرین مالکیہ کی کتابوں کو استعمال کرتے ہیں۔ اسی طرح احناف بھی ہدایہ، فتاویٰ ہندیہ، درمختار وغیرہ کو استعمال کرتے ہیں اور ان میں جو خرافات اور غلطیاں ہیں وہ پوشیدہ نہیں ہیں۔“

کامیاب نہیں ہوگا۔ یعنی مقلد اپنے امام سے دلیل کا مطالبہ نہیں کر سکتا۔^① جبکہ ہم کو حکم ہے کہ ہم کتاب و سنت کی اتباع کریں اور کتاب و سنت کی روشنی میں سوالات کے جوابات کا مطالبہ کریں۔

ہمارے اور مقلدین کے درمیان یہی فرق ہے۔ پھر یہ لوگ ائمہ کرام کو وہ مقام و مرتبہ دیتے ہیں جو مقام اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ کر کسی دوسرے انسان کو نہیں دیا ہے۔ دوسری بات جس کا اعتراف کھلے دل سے کرنا ضروری ہے وہ یہ ہے کہ کچھ ایسے افراد ضرور ہیں جو خود کو سلفی دعوت کی طرف منسوب کرتے ہیں اس کے باوجود ان کی زبان سے صراحتاً اور کبھی اشارۃً مذاہب کے بارے میں غلط کلمات نکل جاتے ہیں مگر یہ جائز نہیں ہے کیونکہ ائمہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے صحیح اور غلط دونوں اجتہادی اقوال میں اجر کے مستحق ہوں گے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا قول ہے: ((إِذَا حُكِمَ الْحَاكِمُ، فَاجْتَهِدْ فَأَصَابَ فَلَهُ أَجْرٌ، وَإِنْ أَخْطَأَ فَلَهُ أَجْرٌ وَاحِدٌ))۔ حاکم جب اجتہاد کرتا ہے تو اگر درست ہو گیا تو دو اجر ہے اور اگر خطا ہو گیا تو ایک اجر ہے۔ اسی طرح ان ائمہ کرام کے بارے میں ہمارا یقین و اذعان ہے کہ وہ اللہ کے یہاں ہر حال میں ماجور ہوں گے۔ اسی لیے ہمارے لیے غیر مناسب بات ہے کہ ہم ان کے حق میں کوئی غلط کلمات کہیں یا ان پر طعن کریں۔

① یہ حقیقت ہے کہ مقلد اپنے عالم سے اگر دلیل کا مطالبہ کرتا ہے تو وہ ناراض ہو جاتے ہیں۔ اس کی ایک واضح مثال بیان کرتا ہوں جو ابھی حال میں پیش آیا ہے ایک بہت مشہور عالم اور مقرر بغرض عمرہ مکہ مکرمہ آئے ہوئے تھے۔ ان کو ان کے قریب احباب نے جدہ میں دعوت دی وہ تشریف لائے اور ایک صاحب کے گھر میں تقریر کی۔ میں بھی اس میں شریک تھا وہ غالی خفی تھے اور تبلیغی جماعت سے تعلق رکھتے تھے۔ انہوں نے دوران تقریر دو حدیثیں پیش کیں ایک یہ کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جس کی مونچھ لمبی ہوگی وہ نہ تو حوض کوثر سے سیراب ہو سکے گا اور نہ ہی اسے میری شفاعت نصیب ہوگی۔“ دوسری حدیث یہ پیش کی کہ آپ ﷺ نے فرمایا: تم لوگ اللہ تعالیٰ کو ہسانے کی زیادہ کوشش کرو۔“ تقریر ختم کرنے کے بعد میں نے ان سے مذکورہ دونوں حدیثوں کا حوالہ پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ وقت سوال و جواب کا نہیں ہے اگر آپ کو اعتراض ہے تو آپ ایک تحریر میرے پاس لکھیں میں بعد میں جواب دوں گا آخر کار انہوں نے جواب نہیں دیا۔ پھر میں نے ہی کہا کہ یہ حدیثیں موضوع و منکر ہیں۔ یہ آپ ﷺ سے ثابت نہیں ہے تو یہ مقلد علماء کا حال ہے۔ (از مترجم)

اب کاتب نے جن باتوں کی طرف اشارہ کیا ہے ان باتوں کو ان کے قائل کی جانب ضرور لوٹا دیا جائے گا لیکن ان کی نسبت سلفی دعوت کی طرف کرنا صحیح نہیں ہے۔ سلفی دعوت ان امور سے کوسوں دور ہے اور بری ہے۔ واضح رہے کہ سلفی دعوت اسلام کی صحیح تعبیر ہے اور اسلام ایک ایسا مذہب ہے جو ہر زمانے میں اور ہر مکان و جگہ پر بنی نوع انسان کے تمام مسائل کو شامل ہے بعینہ اسی طرح سلفی دعوت مسلمانوں کے کسی خاص گروپ یا جماعت کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ پوری انسانیت کو اسلام کی دعوت دیتی ہے اور وہی اسلام جس کو رسول اللہ ﷺ لے کر مبعوث ہوئے تھے اور جس اسلام کو صحابہ کرام نے اپنا کر اللہ کی رضا حاصل کیا تھا، سلفی دعوت اسی اسلام کی دعوت دیتی ہے۔ نیز یہ دعوت انسانیت کے تمام افراد کو دعوت دیتی ہے خواہ وہ فرد تعلیم یافتہ ہو یا غیر تعلیم یافتہ، متعلم ہو یا غیر متعلم، مشفق ہو یا غیر مشفق، غرضیکہ ہر فرد کو دعوت دیتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی اتباع میں صرف اور صرف تنہا اللہ کی عبادت کریں گے، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بنائیں گے یہ دعوت تمام مسلمانوں سے مطالبہ کرتی ہے کہ تحزب پسندی اور گروپ بندی کو چھوڑ کر سب کے سب اسی مبارک دعوت میں شامل و شریک ہو جائیں۔ مگر کتنے لوگ ایسے ہیں جو پہلے کسی دوسری جماعت کے ساتھ جڑے ہوئے تھے یا ابھی بھی ہیں وہ اپنے آپ کو سلفی دعوت کی طرف منسوب بھی کرتے ہیں لیکن اپنی دعوت میں واضح طور پر سلفی دعوت کو نہیں بیان کرتے ہیں۔ وہ ابھی بھی کثرت تعداد اور سواد اعظم پر قائم ہیں۔ اسی کو بنیاد بنا کر انھیں کے ذوق و فہم کے مطابق ان کو دعوت دیتے ہیں۔^① گویا کہ اس قسم کے لوگ ایک طرف سلفی ہیں تو دوسری طرف سلفی کے مخالف بھی۔ ایسے ہی موقع پر کسی کہنے والے نے کہا تھا اور خوب کہا تھا:

① یہی صورتحال آج بہت سی جماعتوں اور گروپوں کی ہے۔ ان کا مقصد کثرت افراد ہے وہ یہ نہیں دیکھتے کہ ان کا عقیدہ و نظریہ کیا ہے، کوئی اشعری ہے، کوئی ماتریدی ہے، کوئی صوفی ہے، کوئی مرجی وغیرہ وغیرہ۔ اس کے برعکس منہج سلف کا داعی تعداد افراد کو نہیں دیکھتا بلکہ اس کے رخ نظر عقیدہ اور اتباع سنت ہوتا ہے وہ خود ظاہری و باطنی طور پر اسی پر قائم رہتا ہے اور اسی کی عوام کو دعوت بھی دیتا ہے ان کی دعوت کی بنیاد یہی ہے کہ سلف صالحین کے فہم کے مطابق کتاب و سنت کی پیروی کرنا۔

دو رنگی چھوڑ کر اک رنگ ہو جا

سراسر سنگ ہو یا موم ہو جا

اس قسم کے لوگ کبھی بھی عوام کے سامنے اسلام کی صحیح تعبیر نہیں پیش کر سکتے اور نہ ہی وہ اسلام پیش کر سکتے جو قرآن مجید اور احادیث صحیحہ میں ثابت ہے اور یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ یہ دعوت امت کو ایک ہونے کی دعوت دیتی ہے۔ جماعت بندی اور گروپ بندی سے روکتی ہے۔ کیونکہ گروپ بندی اسلام کا شعار نہیں ہے۔ البتہ یہ ممکن ہے کہ اس دعوت کی وجہ سے ایک دوسرے میں جدائی پیدا نہ ہو جائے باپ بیٹے سے اور بیٹا باپ سے جدا ہو جائے۔ جس طرح رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ہوا تھا۔ جدائی اس طرح ہوئی تھی کہ جب ایک شخص نے صحیح دعوت قبول کر لیا اور دوسرے نے نہیں قبول کیا تو دونوں میں اختلاف واقع ہونا فطری امر ہے۔ اس قسم کے لوگوں کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ ہم بھی منہج سلف کی دعوت کو ترک کر دیں۔ جو دعوت سلف صالحین کے فہم کے مطابق کتاب و سنت کی دعوت پر مبنی ہے۔ ان کے خیال میں اس طرف دعوت دینا لوگوں کے اندر اختلاف پیدا کرنا ہے اور ان کی اجتماعیت کو ختم کرنا ہے گویا کہ انھیں آزادی خیال، دین سے خروج اور ضلالت و گمراہی کی طرف دعوت دینا ہے۔

العباد باللہ تعالیٰ۔

یہاں یہ بات بھی واضح کر دینا چاہتے ہیں جو لوگ محض سلفی دعوت کی طرف مائل ہیں یا بظاہر اپنے آپ کو سلفی کہتے ہیں ان کے درمیان اور حقیقی سلفی دعوت کے درمیان کیا فرق ہے؟ اگر آپ غور کریں تو دیکھیں گے کہ ایک امر میں ہم دونوں متفق ہیں لیکن طریقے اور وسائل میں یقیناً ہم دونوں کے درمیان اختلاف ہے۔ ہم دونوں اس امر میں متفق ہیں کہ تمام مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ نئے سرے سے اسلامی زندگی کا آغاز کریں۔ لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ نئے سرے سے اسلامی زندگی کا آغاز کون کرے گا؟ کیا کسی علاقے کے مخصوص افراد یا پوری امت اسلامیہ؟ ظاہر بات ہے کہ پوری امت اسلامیہ مل کر نئی زندگی کا آغاز کریں جس میں تعلیم یافتہ اور غیر تعلیم یافتہ دونوں برابر شامل ہوں۔ عالم اور جاہل دونوں برابر شامل

ہوں۔ اس کے برعکس اگر ایسا نہیں کیا جاتا ہے بلکہ تعلیم یافتہ طبقے کو دعوت دی جاتا ہے۔ انھیں مشفق و مہذب بنانے کی کوشش کی جاتی ہے اور بڑا طبقہ جو عوام کا ہے انھیں یونہی چھوڑ دیا جاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ عوام کو ان کی ضلالت و گمراہی میں ایسے ہی چھوڑ دیا جائے، یہی نہیں بلکہ ان کو ان کے اختلافات ہی پر قائم رہنے دیا جائے گا جس کا نتیجہ یہ ظاہر ہوگا کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے پیچھے نماز نہیں پڑھے گا۔ کیوں؟ اس لیے کہ ایک خفی ہے اور دوسرا شافعی، ایک مقلد ہے دوسرا غیر مقلد اور یہ منظر عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ بہت سے مقلدین اس شخص کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے جو سنت کے مطابق نماز پڑھتا ہے یا جو صرف کتاب و سنت کی طرف دعوت دیتا ہے، جیسا ان سے سوال کیا جاتا ہے کہ کیا سلفی مسلمان نہیں ہیں؟ آپ ان کے پیچھے نماز کیوں نہیں پڑھتے؟ تو یہ جواب دیتے ہیں کہ یہ لوگ بدعتی ہیں۔ (نعوذ باللہ) پھر ان سے جب کہا جاتا ہے کہ آپ کے مذہب میں بدعتی کے پیچھے نماز جائز ہے کیونکہ آپ کے یہاں یہ حدیث بہت مشہور ہے: ((صلوا وراء کل برو فاجر)) ❶ یعنی ہر نیک و بد کے پیچھے نماز پڑھا کرو۔“ آپ لوگ اس کو روایت بھی کرتے ہیں اور بطور استدلال اس کو پیش بھی کرتے ہیں پھر اس پر عمل کیوں نہیں کرتے؟

یہ کاتب ہم سے یہی چاہتا ہے کہ ہم عوام کو ان کے طریقے پر چھوڑ دیں، ان سے تعرض ہرگز نہ کریں۔ اب آپ ٹھنڈے دل سے بتائیں کہ کیا یہی اسلام ہے؟ جو اسلام صدالگاتا ہے:

﴿وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝ مِنَ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيعًا كُلُّ جُزْءٍ مِمَّا لَدَيْنَهُمْ فَرِحُونَ﴾ (الروم: ۳۱، ۳۲)

”تم مشرکوں میں سے نہ ہو جاؤ، ان لوگوں میں سے جنہوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور وہ خود بھی گروہ گروہ ہو گئے ہرگز وہ اس چیز کے ساتھ جو ان کے پاس ہے مگن ہیں۔“

آپ ہمیں بتائیں کہ کیا وہ اسلام جو تمام مسلمانوں کو اتفاق و اتحاد اور یکجہتی کی تعلیم دیتا

❶ اس حدیث پر کلام ”إرواء الغلیل“ (۵۲۷) میں دیکھ سکتے ہیں۔

ہے وہ اسلام قلیل اور کثیر کے درمیان تفریق کرے گا نہ قلیل کو تو دعوت دی جائے اور کثیر کو چھوڑ دیا جائے۔ یقیناً ایک ایسا مسلمان جس کے پاس کتاب و سنت کا فہم ہوگا وہ ہرگز یہ بات نہیں کہے گا اور نہ ہی اسے تسلیم کرے گا۔

اب آئیے ہم آپ کو یہ بتاتے ہیں کہ ہم اپنے آپ کو سلفی کیوں کہتے ہیں؟ اور ہماری دعوت سلفی دعوت کیوں ہے؟ ہم نے کئی مرتبہ اس مسئلہ کو واضح انداز میں بتا دیا ہے کہ ہر مسلمان کا دعویٰ یہی ہوتا ہے کہ وہ کتاب و سنت کی طرف لوگوں کو بلاتا ہے۔ لیکن اس کی یہ دعوت کسی موضوع کے ساتھ مقید نہیں ہوتی ہے۔ کسی واضح منہج کی دعوت نہیں دیتی ہے۔ اسی لیے ہم نے سوچا کہ دعوت کو مقید کرنا ضروری ہے وہ اس طرح کہ کتاب و سنت کی دعوت اس طرح ہونی چاہیے جس طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سمجھا تھا۔ کیونکہ پہلے مسلمان وہی لوگ ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے عمل سے ایسا خوش ہوا کہ قرآن مجید میں ”رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ“ جیسی آیت نازل فرمادی اور انہیں جنت کی بشارت بھی دے دی۔ اب ظاہر بات ہے کہ یہ رضامندی اور جنت کی خوشخبری ان کو ان کے اچھے عمل کی بنیاد پر حاصل ہوئی تھی اور اچھا عمل قرآن و سنت ہی سے سیکھا تھا۔ لہذا ہمارا عمل بھی انہیں کے مانند ہونا چاہیے تاکہ اللہ تعالیٰ ہم سب سے بھی خوش ہو جائے۔ نیز آپ کو یہ بھی بتانا چلوں کہ تمام صحابہ کرام عالم نہیں تھے۔ بلکہ کچھ عالم تھے، مگر ان کے اندر یہ تقسیم نہیں تھی۔ سب کے لیے ان کی دعوت یکساں تھی ایسا نہیں تھا جیسے کاتب صاحب کا خیال ہے کہ عوام کو ان کی حالت پر چھوڑ دیا جائے اور تعلیم یافتہ طبقے کو دعوت دی جائے، یہ سب کو معلوم ہے کہ صحابہ کرام کے زمانہ میں گروپ بندی ہرگز نہیں تھی۔ وہاں کوئی بکری، عمری، یا عثمانی، یا علوی نہیں تھا۔ بلکہ سب کے سب کتاب و سنت کے پیروکار تھے اور سب کی خواہش یہی تھی کہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو جائے۔ اس لیے آج بھی مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ بھی اسی راہ پر چلیں جس پر صحابہ کرام کا مزان تھے اور کتاب و سنت کو اسی طرح سمجھنے کی کوشش کریں جس طرح صحابہ کرام نے سمجھا تھا۔ اگر مسلمانوں نے ایسا کر لیا تو یقیناً وہ اپنی زندگی کو، زندگی کے شب و روز کو، نئے سرے

سے اسلامی سانچے میں ڈھال سکتے ہیں اور پھر اپنا کھویا ہوا مقام بھی حاصل کر سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت بھی ان کے اوپر نازل ہو سکتی ہے اور اگر ایسا نہیں کیا تو یقیناً دعویٰ بالکل باطل اور غلط ہے۔

میرے پاس حص سے چند افراد آئے ان میں کچھ مثقف بھی تھے انہیں یہ خبر پہنچی تھی کہ ہم تمام مولویوں کو اس بات کی دعوت دیتے ہیں کہ سب کے سب قرآن و سنت کی اتباع کریں۔ اسی کے بتائے ہوئے طریقہ زندگی کو اپنا عملی نمونہ بنائیں۔ اب یہ کیسے ممکن ہے کہ سارے لوگ کتاب و سنت کی اتباع کریں؟ کیونکہ ان میں جاہل اور ان پڑھ بھی ہوں تو وہ کیسے اتباع کر سکتے ہیں؟ میں نے اس سے کہا کہ غیر تعلیم یافتہ طبقہ علماء کرام سے سوال کرے گا جیسا کہ قرآن میں وارد ہے:

﴿فَسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ﴾ (النحل: ۴۳)
 ”اگر تم لوگ نہیں جانتے ہو تو اہل علم سے سوال کرو۔“

اسلام پوری امت کو خطاب کرتا ہے جس میں علماء اور غیر علماء دونوں ہوتے ہیں۔ البتہ جو غیر عالم ہے اس کو عالم سے سوال کر کے معلومات حاصل کرنے کا حکم دیتا ہے لیکن عالم کون ہے اس میں ہم مقلدین سے ضرور اختلاف کرتے ہیں۔ ہم نے کئی بار بتایا ہے کہ عالم اسے کہا جاتا ہے جو قرآن و سنت کا جاننے والا ہو۔ عالم وہ نہیں ہے جو صرف مذہبی کتابوں کا علم رکھتا ہو جس کے علم کا دائرہ صرف فقہی کتابوں تک محدود ہو وہ عالم نہیں ہے۔ اس نے تو صرف علماء کے اقوال و آراء کو جانا ہے۔ اسی لیے جب اس سے سوال کیا جاتا ہے کہ فلاں مسئلہ کا حل قرآن و سنت کی روشنی میں بتائیے؟ تو وہ صراحتاً یہ کہتا ہے کہ مجھے نہیں معلوم۔ وہ خود اعتراف کرتا ہے کہ اس کو کتاب و سنت کا علم نہیں ہے۔ جبکہ علم کتاب و سنت کا علم ہے، جیسا کہ علامہ ابن القیم رحمہ اللہ نے کہا: ((العلم ما قال الله وقال رسوله)) یعنی علم وہ ہے جس کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے کہا ہو اس موضوع پر ان کا شعر بہت مشہور ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ﴾ تو اس کا مطلب

ہے کہ اہل علم سے سوال کرو، اب آیت میں ”اہل الذکر“ سے مراد کون لوگ ہیں؟ کیا وہ لوگ مراد ہیں جو خود ساختہ ذکر کے وقت رقص کرتے ہیں؟ ہرگز نہیں، ذکر سے مراد اہل قرآن ہیں یعنی جو لوگ قرآن کا علم رکھتے ہیں اور کوئی شخص اس وقت تک قرآن کا علم نہیں رکھ سکتا جب تک اسے سنت کا علم نہ ہو۔ اس لیے کہ سنت قرآن کی شرح ہے۔ لہذا معلوم ہوا کہ عالم وہ شخص ہے جس کے پاس قرآن و سنت دونوں کا علم ہو۔ اس کے علاوہ اگر علم ہے تو وہ عالم غیب نہیں ہے۔ آیت کریمہ نے خود لوگوں کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے پہلا عالم، دوسرا جاہل، جاہل کا فرض ہے کہ عالم سے سوال کرے اور عالم کا فرض ہے کہ اس کو کتاب و سنت کی روشنی میں جواب دے۔ یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ سلفی دعوت کبھی اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ کوئی جاہل اپنے آپ کو عالم بتائے اور عالم کے مانند کام بھی کرے بخلاف دوسری دعوتوں کے، کہ ان کے یہاں جاہل بھی وہی کام کرتا ہے جو عالم کرتا ہے (جیسے تبلیغی جماعت) بہر حال جاہل جاہل ہوتا ہے اور عالم عالم، جاہل عالم کے مانند کبھی نہیں ہو سکتا۔

آخر میں چلتے چلتے میں اپنے بھائیوں کو اس بات کی نصیحت کرنا چاہتا ہوں کہ وہ کبھی بھی اپنے آپ کو اس مقام تک پہنچانے کی کوشش نہ کریں کہ وہ بذات خود بغیر عالم کے سہارے کتاب و سنت کو سمجھ لیں گے۔ وہ کتاب و سنت کے فہم میں علماء کا سہارا ضرور لیں۔ اس عالم سے جو کتاب و سنت کو اچھی طرح جانتا اور سمجھتا ہو۔ دوسری بات دعوت تمام مسلمانوں کے لیے عام ہے چاہے وہ عالم ہو یا جاہل سب لوگوں کو اس بات کا حکم ہے کہ وہ کتاب و سنت کی اتباع کریں۔ وہ جاہل جو سلفی مسلک و مشرب کا ہے وہ کتاب و سنت کی روشنی میں مسئلے کا حل چاہے گا لیکن غیر سلفی مقلد تو وہ مسئلے کا حل اپنے مذہب کی روشنی میں پوچھے گا مثلاً اگر حنفی ہے تو کہے گا کہ مجھے حنفی مذہب کے مطابق فتوے دیجیے۔ یہ بہت واضح فرق ہے سلفی اور غیر سلفی میں۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو تمسک بالکتاب والنتہ کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین

فضیلہ اشخ محمد عبدالعباسی کے تمہیدی کلمات

آج میں جس اہم موضوع کے متعلق کچھ گزارشات آپ حضرات کے گوش گزار کرنا چاہتا ہوں وہ ہے ”سلفی دعوت“ یعنی سلفی دعوت کی حقیقت کیا ہے۔ نیز اس دعوت کا مقصد کیا ہے؟ یہ دعوت کب سے وجود میں آئی؟ اور دوسری دعوتوں کے بارے میں اس کا کیا موقف اور نظریہ ہے؟ سب سے پہلے میں آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ لفظ ”سلفی“ کا لغوی و اصطلاحی مفہوم کیا ہے؟ جب آپ اس لفظ کا مفہوم اچھی طرح سمجھ لیں گے تو بعد کے تمام موضوعات بہت آسانی سے سمجھتے چلے جائیں گے۔

لفظ ”سلفی“ کا لغوی مفہوم:

”سلفی اسلاف کی طرف منسوب ہے۔ اس کے آخر میں جو ”ی“ ہے وہ نسبت کے لیے ہے جیسے آپ اپنے آپ کو ملک یا قبیلہ وغیرہ کی طرف منسوب کر کے کہتے ہیں مثلاً مکی، مدنی، لکھنوی وغیرہ۔ اسی طرح سلف صالحین کی طرف منسوب کر کے ”سلفی“ کہا جاتا ہے۔

”سلف“ کا اطلاق لغت میں گزری ہوئی قوموں پر ہوتا ہے۔ اصطلاح میں اس سے مراد قرون ثلاثہ کے لوگ ہیں جن کے تقویٰ و طہارت، ایمان و یقین اور فضل و کمال کی تصدیق خود رسول اللہ ﷺ نے اپنے مبارک ارشاد میں کی ہے، آپ ﷺ فرماتے ہیں:

((خیر الناس قرنی ثم الذین یلونہم، ثم الذین یلونہم، ثم

یأتی من بعد ذلک ناس یشہدون ویستشهدون ویأمنون ولا

یؤمنون ویکثر منهم الکذب۔))^①

① مسند احمد: ۱/۳۷۸، ۴۴۲، ابن ابی عاصم: (۱۴۶۶) والبخاری: ۴/۱۱۸، ترمذی:

(۳۸۵۹) عن الأعمش، عن ابراهیم النخعی، عن عبیدہ، عن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی سند سے۔

”سب سے بہترین لوگ میرے زمانہ کے لوگ ہیں، پھر وہ لوگ ہیں جو ان کے قریب ہیں، پھر وہ لوگ ہیں جو ان کے قریب ہیں پھر اس کے بعد کچھ ایسے لوگ آئیں گے جو گواہی دیں گے حالانکہ ان سے گواہی نہیں طلب کی جائے گی لوگ امانت رکھیں گے حالانکہ وہ امین نہیں ہوں گے ان کے درمیان جھوٹ عام ہو جائے گا۔“

چونکہ رسول اللہ ﷺ کی شہادت اور آپ ﷺ کی تصدیق کے بعد شروع کی تین صدیوں کے لوگ سب سے اعلیٰ و افضل اور سب سے ارفع و اکمل انسان قرار پائے۔ لہذا اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ان حضرات کا عقیدہ و عمل، منہج و مسلک، سنت پر دوام، اللہ کی رضا کے لیے جانی و مالی قربانی، کار خیر میں سبقت کا جذبہ، سینات سے بے حد اجتناب ان تمام امور میں وہ سب سے اعلیٰ و احسن اور سب سے افضل تھے، کیونکہ ان کے انہی حسن عمل اور حسن کردار کی بنیاد پر انھیں افضلیت کا مقام ملا تھا۔^①

متاخرین میں اخلاف کے آثار:

ان نفوس قدسیہ کے بعد جن کو امت صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین کے نام سے جانتی ہے ایسے لوگ پیدا ہوئے جو بہت سے مسائل میں طریقہ سلف سے ہٹ گئے تھے، تیسری صدی کے بعد ایسے امور ظاہر ہونا شروع ہو گئے جن کا تصور بھی پہلی تین صدیوں میں نہیں تھا اور یہ اس وجہ سے ہوا کہ اس وقت کے مسلمان دوسری قوموں کے ساتھ خلط ملط ہو گئے۔ غیروں کی ثقافت و تہذیب، ان کے افکار و خیالات، نظریات و عقائد، ان کے کلچرز آہستہ آہستہ مسلمانوں میں سرایت ہونا شروع ہو گئے جیسے ہی کسی نئی چیز کو دیکھا اس کو قبول

① اس کی تائید ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے بھی معلوم ہوتی ہے جس کو مسند احمد نے: ۲/۲۹۷ میں، ابونعیم نے حلیۃ الأولیاء: ۲/۷۸ میں حسن سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ آپ ﷺ سے سوال کیا گیا کہ سب سے بہترین لوگ کون ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: ((أنا ومن معی، ثم الذین علی الأثر، ثم الذین علی الأثر)) ”میں ہوں اور وہ لوگ ہیں جو میرے ساتھ ہیں پھر جو ان کے بعد ہیں، پھر جو ان کے بعد ہیں۔“

کر لیا یہ نہیں سوچا کہ یہ نئی چیز اسلام کے مزاج کے موافق ہے یا نہیں، یہ اس وجہ سے ہوا کہ ان کے اذہان و قلوب میں اسلام اس قدر ٹھوس انداز میں متمکن نہیں ہو سکا تھا جتنا ٹھوس اور مضبوط قرون اولیٰ کے مسلمانوں میں متمکن تھا۔ پھر یہی نئی چیزیں ان کے اندر اسلام کے نام سے رواج پا گئیں۔ یہی نہیں بلکہ بعض امراء اور حکام جو اسلام کی حقیقت کو نہیں سمجھ سکے تھے اور نہ ہی اس کا اتنا اہتمام کیا جتنا کرنا چاہیے تھا۔ انہوں نے یہ کام کیا کہ غیروں کی ربی کتابوں کا ترجمہ کرنا شروع کر دیا۔ لہذا ان کتابوں کا اثر بھی مسلمانوں پر پڑا جن سے اسلام کافی حد تک متاثر ہوا۔ ❶ حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے پہلے ہی اس کی خطرناکی سے متنبہ کر دیا تھا۔ جیسا کہ حدیث عمر رضی اللہ عنہ اس پر واضح دلیل ہے جس وقت انہوں نے تورات کے کچھ حصے کو لکھوایا تھا پھر اس کو رسول اللہ ﷺ کے پاس لے گئے اور پڑھا۔ آپ ﷺ نے دریافت کیا کہ یہ تمہیں کہاں سے دستیاب ہوا عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میرا ایک یہودی دوست ہے میں نے اس سے حاصل کیا ہے۔ اس پر آپ سخت غصہ ہوئے اور فرمایا اے ابن خطاب کیا تم ہلاک ہونا چاہتے ہو؟ اللہ کی قسم! اگر موسیٰ بن عمران بھی زندہ ہوتے تو ان کو بھی میری ہی اتباع کرنی پڑتی۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں: ((أمتھو کون أنتم یا بن الخطاب، والذي نفسی بیدہ لو أن موسیٰ بن عمران کان حیاً لما وسعه إلا أن یتبعنی.)) ❷

رسول اللہ ﷺ یقینی طور پر جانتے تھے کہ ہدایت وہی ہے جس کو آپ ﷺ اپنے رب کی جانب سے لے کر آئے ہیں۔ لہذا اب کسی شخص کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ آپ ﷺ کو چھوڑ کر کسی دوسرے کو اپنا امام، اپنا قائد و رہبر بنائے اور آپ ﷺ کی اتباع کو چھوڑ کر کسی دوسرے کی اتباع کو قبول کرے۔ اسی طرح یہ بھی نہیں جائز ہے کہ مسلمان

❶ اس کا نتیجہ یہ ہو کہ علم الکلام اور علم الحدیث مسلمانوں میں عام ہو گیا۔ بدعتیں پھیلنے شروع ہو گئیں ان میں سب سے اہم مسئلہ مسأله طلاق قرآن کا تھا جس علماء امت زبردست آزمائش میں پڑ گئے تھے۔ فالی اللہ المستکی۔

❷ مسند احمد: ۳/۳۸۷۔

دوسری قوموں اور امتوں کے عقائد و نظریات، افکار و خیالات، اخلاق و عادات کو قبول کریں، کیوں؟ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کو کامل دین بنا کر ان کے پاس بھیجا ہے۔ یہ دین جس طرح کامل ہے اسی طرح انسان کے تمام حوائج و ضروریات کو شامل بھی ہے اور یہ دین قیامت تک کے لیے ہے۔ لہذا ایسے مبارک اور پاکیزہ دین کے ہوتے ہوئے کسی دوسرے انسانی ساختہ دین کی قطعی ضرورت نہیں ہے اور نہ ہی ربانی ہدایت کے مقابلے میں کسی دوسری قوم کی ہدایت منظور و مقبول ہے۔ خود اللہ تعالیٰ جو تمام مخلوقات کا خالق و مالک اور مربی ہے، اس نے خبر دی ہے کہ اس نے دین کو مکمل کر کے بھیجا ہے اور اپنی نعمتوں کا اتمام کر دیا ہے اور دین کے طور پر اسلام کو اس نے پسند بھی کر لیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَاتَّمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا﴾ (المائدہ: ۳)

”آج میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو مکمل کر دیا ہے اور تمہارے اوپر اپنی نعمت کا اتمام کر دیا ہے اور تمہارے لیے اسلام بطور دین میں نے پسند کر لیا ہے۔“

اب اس واضح ارشاد ربانی کے بعد بھی کوئی شخص یہ خیال کرتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت کے علاوہ بھی کوئی دوسری شریعت و قانون ہے اور اس کو بھی قبول کیا جاسکتا ہے یا رسول اللہ ﷺ کی شریعت و ہدایت انسانی ضروریات کے لیے کافی نہیں ہے تو یہ خیال و تصور اسلام کے ساتھ کفر کی علامت ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ بہت سے لوگ اس نقطہ کو نہیں سمجھتے ہیں۔ لیکن یہ بہت اہم ہے اس کو سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے اور یاد رکھئے کہ یہی سوچ اور خیال انسان کو ہلاکت و بربادی میں ڈال دے گا اور دائمی جہنم میں داخل کر دے گا۔

غیر مسلموں کے دنیوی علوم سے استفادہ کی شرط:

بہت سے دنیوی علوم ایسے ہیں جن کی ایجاد سے غیر مسلم قومیں کافی ترقی کر چکی ہیں اور یہ بھی حقیقت ہے کہ دنیاوی علوم و فنون صرف مسلمانوں کے لیے خاص نہیں ہے بلکہ دوسری قومیں بھی ان میں دلچسپی لے سکتی ہیں اور لی بھی ہوئی ہیں یہ کسی قوم و مذہب کے ساتھ خاص

نہیں ہے، تہذیب و ثقافت اور علمی ترقی اور تقدم میں سب مشترک ہیں اسی لیے آپ دیکھتے ہیں کہ کبھی کوئی قوم آگے بڑھ جاتی ہے تو کبھی کوئی دوسری قوم ترقی کر جاتی ہے اور یہ سلسلہ چلتا رہتا ہے ہر ایک اپنی طبع آزمائی کے مطابق آگے بڑھتا رہتا ہے۔ جیسے علم زراعت، کیمیا، فیزیا اور علم الافلاک وغیرہ یہ علوم ایسے ہیں جن سے استفادہ کرنے کو اللہ تعالیٰ نے حرام نہیں قرار دیا ہے۔ البتہ اتنا ضرور خیال رکھنا چاہیے کہ ان علوم میں کوئی ایسی شئی نہ ہو جو ہماری شریعت سے ٹکراتی ہو۔ کوئی ایسا نظریہ اور خیال نہ ہو جو اسلام کے مخالف ہو۔ اگر ان علوم میں اسلام مخالف کوئی شئی پائی گئی تو یقیناً یہ غیر قابل قبول ہوگی۔ کیونکہ اسلام حق ہے اس میں کسی قسم کا ریب و شک نہیں ہے نیز یہ علوم انسانی ایجادات و تخلیقات ہیں۔ ان میں خطا اور صواب دونوں کا احتمال رہتا ہے لہذا اگر ان علوم میں کوئی ایسی شئی مل گئی جو شریعت اسلامی سے متصادم ہے تو یقیناً اسے رد کرنا ضروری ہے۔ اس شرط کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان علوم سے استفادہ میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اس سلسلے میں ایک حدیث بیان کرنا مناسب ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو دیکھا کہ اہل مدینہ تاخیر نخل کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم لوگ اس کے عادی ہو چکے ہیں۔ شروع سے ایسا ہی کرتے چلے آئے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر تم لوگ ایسا نہ کرو تو بہتر ہے تو انہوں نے ایسا کرنا چھوڑ دیا۔ دوسرے سال دیکھا پھل کم آیا تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا: جب میں تم لوگوں کو دینی امور کے بارے میں کوئی بات بتاؤں تو اس کو لے لو اور اگر دنیاوی امور کے متعلق کچھ کہوں تو تم لوگ اس سلسلے میں زیادہ جانتے اور سمجھتے ہو حدیث کے الفاظ یہ ہیں: ((إِذَا حَدَّثَكُمْ فِي أَمْرِ مِنْ أُمُورِ دِينِكُمْ فَخَذُوا بِهِ، وَإِذَا حَدَّثَكُمْ فِي أَمْرِ مِنْ أُمُورِ دُنْيَاكُمْ فَانْتُمْ أَعْلَمُ بِأُمُورِ دُنْيَاكُمْ۔))^① گویا کہ یہاں دو امر ہیں: ایک دینی امور جو

① صحیح مسلم: ۴/۱۸۲۶، ابن ماجہ: (۲۴۷۱) حماد بن سلمہ، عن ہشام بن عروہ، عن ابیہ، عن اُمّ المؤمنین عائشہ، عن ثابت البنانی، عن انس بہ اور یہی حدیث مسند احمد (۱۵۲/۳) میں دوسری سند سے مروی ہے۔

عقائد و عبادات، اخلاق و عادات اور آداب پر مشتمل ہیں تو ان کو اسلام ہی سے اخذ کیا جائے گا رہا دنیوی امور تو دوسری قوموں سے مذکورہ بالا شرط کے ساتھ حاصل کیا جاسکتا ہے۔

سلفی دعوت کی تاریخ:

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ سلفی دعوت موجودہ دور کی پیداوار ہے۔ اس کی کوئی تاریخ نہیں ہے زیادہ سے زیادہ اس کے بارے میں یہی کہا جاسکتا ہے کہ یہ دعوت یا تو شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی طرف منسوب ہے یا محمد بن عبد الوہاب کی طرف یہی اس کی تاریخ ہے۔ لیکن یہ خیال بالکل غلط اور باطل ہے اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ ایک انصاف پسند شخص جب تعصب کی عینک اتار کر حقیقت کے آئینے میں اس کی تاریخ دیکھنے کی کوشش کرے گا تو اس کے سامنے یہ حقیقت آشکارا ہو جائے گی کہ یہی دعوت اسلام کی صحیح اور اصلی دعوت ہے۔ یہی کتاب و سنت کی دعوت ہے اور یہی وہ دعوت ہے جس کو اللہ کے رسول ﷺ لے کر مبعوث ہوئے تھے۔ یہی دعوت آخری دعوت، آخری شریعت اور تمام ادیان کی خاتم بھی ہے۔ ابتدائی دور میں اس کا نام سلفی دعوت اس لیے نہیں رکھا گیا تھا کہ اس وقت اس کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ کیونکہ اہل وقت کے مسلمان صحیح اسلام پر قائم تھے۔ جس طرح رسول اللہ ﷺ سے کوئی حکم یا کوئی عمل سنتے، یا آپ کو کوئی عمل کرتے ہوئے دیکھتے۔ بعینہ اسی طرح کرنا شروع کر دیے، ہم اپنی جانب سے کسی قسم کی آمیزش گناہ کبیرہ تصور کرتے تھے۔ اسی طرح نہ ہی کسی صحابی نے اپنا کوئی نظریہ یا اپنی کوئی فکر رواج دینے کی کوشش کی۔ سب کے سب صرف اور صرف قرآن و سنت کے واضح ارشادات و توجیہات پر عمل پیرا تھے۔ وہ سچے اور مخلص مسلمان تھے۔ اس لیے وہاں پر سلفی دعوت یا سلفی اسلام کہنے کی کوئی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔ بالکل اسی طرح ہی جس طرح ان کی اصلی زبان عربی تھی۔ بغیر کسی لحن اور بغیر کسی غلطی کے فصیح عربی بولتے تھے ان کے اچھے اچھے قصیدے، نثری مجموعے، ضرب الامثال سب فصیح عربی زبان میں موجود ہیں۔ لہذا انہیں عربی قواعد، نحو و صرف کی قطعی ضرورت نہیں تھی۔ اسی طرح پہلے کے مسلمان بھی صحیح اسلامی دعوت پر قائم تھے۔ ان کے یہاں کسی قسم کے شذوذ و انحرافات نہیں

تھے۔ کسی قسم کی بدعت اور خرافات اپنے قریب نہیں آنے دیتے تھے اس لیے وہ کس کے مقابلے میں سلفی دعوت نام رکھتے۔ اس وقت یا تو اسلام تھا یا اس کے مقابلے میں کفر لیکن جب فتنوں کا دور شروع ہوا، نئے نئے افکار و نظریات اسلام میں داخل ہونا شروع ہو گئے۔^① اغیار کی ثقافت و تہذیب پوری آرائش و زیبائش کے ساتھ مسلمانوں کی نگاہوں کو خیرہ کرنے لگیں۔ نئی نئی بدعات و خرافات جنم لینا شروع ہو گئیں اس وقت مسلمانوں نے ان کو محسوس کیا اور خالص اسلامی دعوت کو ہر قسم کی نئی آمیزش سے محفوظ رکھنے کی بھرپور کوششیں کیں اور یہ بھی واضح رہے کہ یہ دعوت اس وقت سب سے واضح انداز میں ظاہر ہوئی جب امام احمد بن حنبل کے زمانہ میں خلق قرآن کا فتنہ ظاہر ہوا۔ اس وقت تمام مسلمانوں کو اس باطل نظریہ کی طرف مائل کیا جا رہا تھا۔ اچھے اچھے لوگ بادشاہ وقت کی اذیت ناک سزا سے بچنے کے لیے بظاہر خلق قرآن کے قائل ہو گئے تھے۔ اسی نازک ترین موقع پر امام احمد بن حنبل پہاڑ کی چٹان کے مانند اپنے نظریہ پر قائم تھے۔ ہر قسم کی سزاؤں کو گلے لگا لیا مگر اسلام کی حقانیت و شفافیت پر آنچ آنے نہیں دی اس طرح قیامت تک امت مسلمہ بہت بڑے فتنے سے محفوظ ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ کروٹ کروٹ انھیں جنت الفردوس نصیب کرے۔ آمین۔ اور یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ اس وقت دو قسم کی دعوتیں وجود میں آ چکی تھیں۔ ایک اہل رائے کی دعوت، یہ وہ لوگ تھے جو ہمیشہ عقل کو نقل پر مقدم کرتے تھے۔ کتاب و سنت کے نصوص اور سلف صالحین کی واضح اور روشن ہدایت کو خاطر میں نہ لاتے تھے اور دوسری جانب وہ لوگ تھے جو کتاب و سنت ہی کو بنیاد بنائے ہوئے تھے۔ سلف صالحین کا واضح راستہ ہی ان کی اساس تھی۔ غرضیکہ جوں جوں لوگ اسلام کے چشمہ صافی سے دور ہوتے جاتے۔ غیروں کے افکار و نظریات، عقائد و خیالات سے کافی حد تک متاثر ہوتے جاتے، ان کے درمیان اسی قدر سلفی دعوت ابھرتی جاتی تھی۔

① غالباً سب سے پہلے فتنہ عصر صحابہ میں خوارج کے ظہور کی شکل میں پیدا ہوا، اس کے بعد فتنوں کا سلسلہ شروع ہو گیا جیسے ارجاء، قدر، تجہم وغیرہ وغیرہ۔

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے زمانہ میں سلفی دعوت کی تجدید:

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے زمانہ میں علم کلام پروان چڑھ چکا تھا۔ متکلمین کے نظریات و خیالات، اغیار کی ثقافت اور تہذیب مسلمانوں کے دلوں میں گھر چکی تھیں۔ بہت ہی کم مسلمان ایسے تھے جو کتاب و سنت کے منج پر قائم تھے اور سلف صالحین کے طریقہ کے پابند تھے۔ اس وقت شدت سے اس بات کی ضرورت محسوس کی جا رہی تھی کہ اسلام کی خالص دعوت کو دوسری ذخیل دعوتوں سے ممتاز کیا جائے۔ علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی تالیفات، چھوٹے بڑے رسالوں نے اس سلسلے میں بہترین کردار ادا کیا۔ ان کتابوں نے وہ صحیح اسلام پیش کیا جس کو رسول اللہ ﷺ لے کر مبعوث ہوئے اور جس پر صحابہ کرام قائم تھے۔ حق و باطل کے درمیان وہ کتابیں فرق واضح کرتیں۔ بہر حال علامہ ابن تیمیہ نے اپنے مناظرات، رسائل و کتب سے مخالفین پر حجت قائم کر دی۔ اب ان کے مخالفین کے لیے اس بات کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا کہ وہ عداوت و دشمنی کی بنیاد پر آپ کی مخالفت کریں۔ الحمد للہ اس دعوت کو اس زمانے میں بھی نمایاں مقام حاصل تھا۔ اس وقت دعوت کو ”دعوة السلف“، ”منہج السلف“ اور ”طريقة السلف“ کے نام سے جانا جاتا تھا اگرچہ اس سے پہلے بھی ان کلمات کا استعمال ہو چکا تھا اور شاعر کا مندرجہ ذیل شعر بھی اسی کی طرف اشارہ کرتا ہے:

وکل خیر فی اتباع من سلف

وکل شرفی ابتداء من خلف

”ہر قسم کی بھلائی سلف صالحین کی اتباع میں ہے اور ہر قسم کی شر اور برائی متاخرین

کی بدعات و خرافات میں ہے۔“

جیسا کہ میں نے اس سے پہلے کہا تھا کہ صوفیانہ نظریات و عقائد، اس کے طرق و سلاسل، متکلمین کے آراء و افکار، مذہبی تعصب اور نوع بنوع بدعات و خرافات لوگوں کے ذہن و دماغ میں پیوست ہو گئے تھے موضوع اور ضعیف روایات ہی کو دین سمجھا جانے لگا تھا۔ ایسے حالات میں اسلام اور اس کی خالص اور روشن تعلیمات بالکل اجنبی ہو گئی تھیں۔ ان

ناگفتہ بہ حالات میں ضرورت اس بات کی تھی کہ کوئی اٹھے اور اسلام کی شمع کو پھر سے روشن کرے۔ حق کو بال سے الگ کر کے لوگوں کے درمیان حق کو واضح کر دے تاکہ جو شخص ہلاکت کے عمیق غار میں کودنا چاہے وہ بھی واضح دلائل کے ساتھ کودے اور جو شخص حق کی واضح اور روشن راہ میں خوش عیش زندگی گزارنا چاہے وہ بھی واضح دلائل کے ساتھ بہترین زندگی گزارے۔ شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے یہی فریضہ انجام دیا اور احقاق حق اور ابطال باطل میں اپنی پوری زندگی فنا کر دی۔ ان کے بعد ان کے شاگرد عظیم علامہ ابن القیم رحمہ اللہ اور علامہ ابن کثیر آئے اور اسی نقش قدم کو اختیار کیا۔ جس کو علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے روشن کیا تھا۔ لیکن دونوں انتہائی مظلوم و بے کس تھے۔ اگرچہ مادی غلبہ دشمنوں کو حاصل تھا لیکن معنوی غلبہ اہل سنت کو ضرور حاصل تھا۔ جیسا کہ حدیث نبوی ہے:

((ولا تزال طائفة من امتی ظاہرین علی الحق، لا یضرہم من

خذلہم، حتی یأتی أمر اللہ، وہم ظاہرون علی الناس.))^①

”میری امت کی ایک جماعت برابر حق پر غالب رہے گی رسوا کرنے والے ان کو کچھ ضرر نہیں پہنچا سکیں گے، یہاں تک اللہ کا حکم آ جائے گا اور وہ لوگوں پر غالب رہیں گے۔“

شیخ محمد بن عبد الوہاب رحمہ اللہ کے دور میں سلفی دعوت کی تجدید:

جس وقت نجد کا پورا علاقہ ضلالت و گمراہی کے گھنگھور گھاؤں میں گھرا ہوا تھا، شرک و بدعت نے پورے ملک میں اپنا سکہ جما رکھا تھا۔ ایسے نازک حالات میں شیخ محمد بن عبد الوہاب رحمہ اللہ نے توحید کا علم بلند کرنا شروع کیا۔ شرک و بدعت کے خلاف توحید و سنت کی شمع روشن کرنے میں مصروف ہو گئے۔ اس راہ میں بے شمار اذیتیں برداشت کیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کی مدد کی، وقت کے امراء اور حکمرانوں نے آپ کا ساتھ دیا۔ اس کا نتیجہ یہ

① مسند احمد: ۴۳۶/۳، ۳۵، ۳۴/۵، الآحاد المناسی لابن ابی عاصم: ۳۳/۲، وابن ابی

شیبة: ۴۰۹/۶، ترمذی: (۲۱۹۲)، ابن ماجہ: (۶) وابن حبان (موارد: ۲۳۱۳) اس کی سند صحیح ہے۔

نکلا کہ سلفی دعوت غالب ہوگئی اور پورا ملک توحید و سنت کا ملک بن گیا۔ شرک و بدعت کا ایسا خاتمہ ہوا جیسے کہ اس کا وجود ہی نہیں تھا۔ اس کا اثر دوسرے ممالک پر بھی اچھا پڑا۔ اس کی تفصیل یہاں گنجائش نہیں ہے۔

سلفی دعوت کے اصول و مبادی:

اب ہم آپ کو یہ بتانا چاہیں گے کہ سلفی دعوت کی حقیقت کیا ہے؟ سلفی دعوت کا وجود کیونکر ہوا؟ نیز وہ کون سے بنیادی افکار و نظریات ہیں جن پر سلفی دعوت قائم ہے؟

آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ سب سے اہم اور بنیادی امر جس پر سلفی دعوت قائم ہے وہ عقیدہ توحید ہے یہ ایسا نازک مسئلہ ہے جس کے بارے میں اکثر مسلمان غلط فہمی کا شکار ہو گئے ہیں۔ نہ صرف عوام الناس طبقہ بلکہ خاص خاص تعلیم یافتہ طبقہ بھی اس غلط فہمی میں مبتلا ہے۔ ان کے نزدیک عقیدہ توحید یہ ہے کہ اس کائنات کا کوئی خالق، مدبر، رازق اور حاکم ہے جو صفت کمال سے متصف ہے۔ اسی حقیقت کو ثابت کرنے میں ان لوگوں نے اپنے آپ کو تھکا دیا اور اسی حقیقت سے اپنی کتابوں کو بھی بھر دیا۔ حالانکہ آپ لوگوں نے کئی بار استاذ محترم کی زبانی اس حقیقت کو سنا ہے ❶ جبکہ یہ فطری امر ہے اس کے لیے زیادہ دلائل و براہین کی ضرورت نہیں ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿إِنِّى اللّٰهُ شَكُّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ﴾ (ابراہیم: ۱۰) ”کیا اللہ کے بارے میں شک ہے جو آسمانوں اور زمینوں کا پیدا کرنے والا ہے۔“ ﴿فَطَرَتِ اللّٰهُ الَّتِىْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا لَا تَبْدِیْلَ لِخُلُقِ اللّٰهِ﴾

❶ اس کا نام ”دین العجاز“ یعنی فطری اعتقاد تھا جس کا تقاضا فطرت سلیمہ کرتی تھی جس فطرت پر اللہ نے انسان کو پیدا کیا تھا اور جس فطرت سلیمہ نے ابراہیم علیہ السلام کو اللہ کے بارے میں غور و فکر کرنے پر مجبور کر دیا تھا کہ اس مخلوق کا کوئی خالق ضرور ہے۔ کاش کہ لوگ اس فطرت کو سمجھ لیتے۔ اس کے برخلاف مختلف فرقے وجود میں آ گئے مثلاً جمہیہ جنہوں نے ”خنزیرہ“ کو حجت بنا کر تمام صفات باری کا انکار کر دیا۔ گویا یہ لوگ عدم کی پوجا پاٹ کر رہے ہیں۔ کچھ لوگ تشبیہ میں غور و خوض کرنے لگے یہاں تک کہ تجسیم کے قائل ہو گئے۔ کچھ صفات کی بے جا تاویل کرنے لگے۔ کچھ اللہ کی عبادت میں دوسروں کو شریک کرنے لگے جیسے ولی، میت، جن، وغیرہ وغیرہ۔ ان کے نام پر قربانیاں پیش کرتے ہیں۔ نذریں مانتے ہیں ان سے دعائیں مانگتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

(الروم: ۳۰) ”اللہ کی وہ فطرت ہے جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے، اللہ تعالیٰ کی خلقت میں کوئی تبدیلی نہیں ہے۔“

ہر دور اور ہر زمانے میں جب بھی انسانی نظریات و خیالات پر غور و خوض کیا گیا تو یہی نتیجہ نکلا کہ تقریباً ہر انسان کا یہی اذعان و یقین ہے کہ کوئی خالق ضرور موجود ہے جو مدبر بھی ہے اور حکیم بھی ہے صرف چند ملحدانہ نظریہ کے لوگ ہیں جن کو دھریہ، زندیق، ملحد اور کمیونسٹ بھی کہا جاتا ہے یہ لوگ خالق کے وجود پر یقین نہیں رکھتے۔ اب اگر کوئی یہ کہے کہ ان کی تعداد تو بہت زیادہ ہے روس، چین اور دوسرے کمیونسٹ ممالک کے لوگ اسی نظریہ عقیدہ کے ہیں تو یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ ان ممالک کی اکثریت یا تو یہودی ہے یا نصاریٰ یا بت پرست جو کم از کم خالق کے وجود کا یقین تو رکھتی ہے لیکن دھریہ اور ملحدانہ نظریہ کے لوگ بہت کم ہیں یہ صرف حکام ہیں جن کے ہاتھ میں عسکری امور ہیں۔ رہے باقی لوگ تو ان کی عبادت گا ہیں، کینے وغیرہ موجود ہیں، وقتاً فوقتاً ان کا اعداد و شمار بھی ہوتا رہتا ہے۔ بہر حال دنیا کی کل آبادی کے اعتبار سے ان کی تعداد بہت ہی کم ہے۔

صحیح دین کی ضرورت:

جیسا کہ گذشتہ سطور میں آپ نے پڑھا ہے کہ اکثریت ایک معبود کے وجود کا یقین رکھتی ہے۔ مگر اس یقین کے ساتھ ان لوگوں کو کس چیز کی ضرورت ہے؟ ان کو ضرورت اس بات کی ہے کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ پر صحیح ایمان رکھیں، وہ صحیح ایمان جس کو محمد ﷺ اور گذشتہ تمام انبیاء علیہم السلام لے کر مبعوث ہوئے تھے۔ وہ خالص اور صحیح اعتقاد جس کا اعتبار اور شمار ہے، جو صاحب ایمان کو جہنم سے نجات دلا کر جنت میں داخل کرے گا وہی صحیح ایمان ہے اس کے علاوہ کفر ہے اور یہ بھی سب کو معلوم ہے کہ کفار مکہ ایک خالق کے وجود پر ایمان رکھتے تھے۔ قرآن خود اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَ سَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ﴾ (العنکبوت: ۶۱)

”اور اگر تم ان سے سوال کرو کہ آسمانوں اور زمینوں کا خالق کون ہے، سورج اور چاند کو کس نے مسخر کیا؟ تو وہ ضرور کہیں گے: اللہ۔“

مگر اس کے باوجود وہ لوگ اپنے اور رب کے درمیان واسطہ اور سفارشی بنائے ہوئے تھے۔ یہی ان کی گمراہی اور شرک کا سبب بنا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُولُونَ هَؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِنْدَ اللَّهِ﴾ (یونس: ۱۸)

”وہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو نہ ان کو نقصان دے سکتی ہے اور نہ نفع اور وہ لوگ کہتے ہیں یہ سب اللہ کے یہاں ہمارے سفارشی ہیں۔“

﴿وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَى﴾ (الزمر: ۳)

”اور جنہوں نے اس کو چھوڑ کر دوسروں کو ولی بنا لیا ہے (وہ لوگ کہتے ہیں کہ)

ہم نہیں عبادت کرتے ہیں مگر اس لیے تاکہ یہ لوگ ہم کو اللہ کے قریب کر دیں۔“

جاہلی اشعار میں بھی بکثرت لفظ ”الہ“ اور لفظ ”خالق“ ملتا ہے اس کی تعظیم کرتے اور قسمیں کھاتے ہیں۔ غرضیکہ ان کا یہی اعتقاد تھا کہ یہ معبودان باطل ان کے سفارشی اور واسطہ ہیں۔ انہی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان کی دعائیں قبول کرتا ہے ان کی فریاد رسی کرتا ہے۔

ان حالات میں سلفی دعوت لوگوں کے درمیان صحیح توحید پیش کرتی ہے، وہ توحید جو انسان اور اس کے رب کے درمیان بغیر کسی واسطہ اور سفارش کے تعلق پیدا کرتی ہے۔ لوگوں کو اسی توحید کی ضرورت ہے۔

توحید کی اقسام:

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور دوسرے محقق علماء کرام نے توحید کی تین قسمیں

بیان کی ہیں:

(۱) **توحید ربوبیت:** یہ ہے کہ اس بات پر ایمان و یقین ہو کہ اس کائنات کا کوئی خالق و مالک اور رازق ہے جو صفت کمال سے متصف ہے۔

(۲) **توحید الوہیت:** یہ ہے کہ عبادت کی تمام قسموں کو صرف اللہ کے لیے خاص کیا جائے جو ایک ہے اس کا کوئی شریک و ساجھی نہیں ہے اور یہ فطری امر ہے کہ جب وہی اللہ تنہا خالق و مالک، رازق، مدبر و حاکم ہے تو پھر اس کو چھوڑ کر دوسروں کو کیوں پکارا جائے نیز دوسروں کی عبادت کیوں کی جائے؟ کیا ان کی عبادت کی جائے جو خود محتاج ہیں؟ اور جو خود مخلوق بھی ہیں؟ جو نفع و نقصان کے مالک بھی نہیں، یہ کمزور و ناتواں انسان، انتہائی عاجز و بے کس مخلوق جو اپنے لیے بھی کسی قسم کے نفع و نقصان کا مالک نہیں ہے کیسے تم اس کو پکارتے ہو اور اپنے اس رب کو چھوڑ دیتے ہو جو سب کا مالک بھی ہے اور جس کے ہاتھ میں سب کچھ ہے اور وہ رب جو کسی چیز کا جب ارادہ کرتا ہے تو صرف لفظ ”کن“ کہتا ہے اور وہ ہو جاتی ہے ایسا رب کیا تمہاری دعاؤں کو نہیں سنے گا؟ کیا وہ تم سے بعید ہے؟ کیا وہ ظالم ہے (نعوذ باللہ) تاکہ اس سے خوف محسوس کر کے دوسرے کی پناہ لیتے ہو؟ ہرگز نہیں۔ یقیناً وہ رب تو انتہائی رؤف رحیم ہے۔ انتہائی مہربانی و رحم کرنے والا ہے۔ وہ بندوں کے ساتھ بے حد مہربان ہے۔ وہ پریشان و بے کس کی فریاد کو سنتا ہے بندے کی توبہ قبول کرتا ہے، وہ بندے سے بے حد قریب ہے۔ ایک انسان اپنے گمشدہ سواری کو پا کر جتنا خوش ہوتا ہے اس سے کہیں زیادہ اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والے بندے سے خوش ہوتا ہے..... اے نادان انسان! تو ایسے مہربان و رحم کرنے والے معبود کو چھوڑ کر کیوں ایسے کمزور و ناتواں، عاجز و بے کس کی طرف پناہ لیتا ہے جو خود نفع و نقصان کا مالک نہیں۔ اسی لیے توحید الوہیت سب سے اہم ہے اور اسی اہم توحید کو لے کر رسول اللہ ﷺ مبعوث بھی ہوئے تھے اور یہی معنی ”لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ“ کا ہے یعنی معبود صرف اللہ تعالیٰ ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ اسی کلمہ کے اقرار سے انسان دائرہ اسلام میں داخل ہوتا ہے اور یہی وہ کلمہ ہے جس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا: ((من قال: لا الہ الا اللہ فخلصا من

قلبه دخل الجنة .)) ❶ ”جس نے صدق دل سے ”لا الہ الا اللہ“ کہا وہ جنت میں داخل ہو گیا۔“ گویا کہ جنت میں جانے کے لیے شرط یہ ہے کہ صدق دل سے اس کلمہ کا اقرار کرے۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس کلمہ کا معنی کیا ہے؟ کیا صرف زبان سے اس کا ادا کر دینا ہی کافی ہے یا اس کا معنی و مفہوم اچھی طرح سمجھ کر اس پر عمل کرنا ضروری ہے اور اسی کے مطابق زندگی گزارنا بھی ضروری ہے اس کلمہ کا معنی ہے ((لا معبود بحق إلا اللہ)) یعنی حقیقت میں معبود صرف اللہ تعالیٰ ہے اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں نہ حقیقی ہے نہ مجازی۔

حقیقت یہ ہے کہ بہت سے مسلمان عبادت کے صحیح مفہوم کو نہیں سمجھتے ہیں وہ یہی جانتے ہیں کہ اگر کسی نے زبان سے صرف ”لا الہ الا اللہ“ کہہ دیا تو وہ مسلمان ہو گیا اور یہ اس کے لیے کافی ہو گیا۔ حالانکہ یہ صحیح نہیں ہے بلکہ عبادت کا مفہوم بہت وسیع ہے۔ عبادت ہر اس عمل کو کہتے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے جس میں عظمت، تعظیم، دعاء، نذر و نیاز، حج، زبح، توکل، نماز، روزہ، حج و زکوٰۃ ہی کا نام نہیں ہے ان کے علاوہ مذکورہ بالا چیزوں کو بھی شامل ہے۔

بعض مشرکانہ اعمال کی چند مثالیں:

مثال کے طور پر آپ دعا اور استغانت کو لے لیجیے کہ دعا کرنا اور استغانت بھی عبادت

❶ صحیح بخاری: ۲۵/۱، بروایت ابو ہریرہؓ۔ یہی روایت صحیح بخاری: ۶۲/۱ میں انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے: ((ما من احد يشهد أن لا إله إلا الله وأن محمداً رسول الله صدقاً من قلبه إلا حرمه الله على النار .)) ”جو شخص صدق دل سے اس بات کی گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں تو اللہ تعالیٰ اس کو جہنم پر حرام کر دے گا۔“ صحیح مسلم ۵۶/۱ میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((أشهد أن لا إله إلا الله وأن رسول الله ، لا يلقى الله بهما عبد غير شاك فيهما إلا دخل الجنة .)) ”میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں جو شخص اس کلمہ پر بغیر شک و شبہ بلکہ پورے یقین کے ساتھ اللہ سے ملاقات کرے گا تو اللہ تعالیٰ جنت میں داخل کرے گا۔“ اخلاص کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک نہ کرے۔ عبادت کی تمام قسموں کو صرف اللہ کے لیے خاص کر دے۔ نہ درگاہوں، مزاروں پر جائے، نہ ان کو سجدہ کرے، نہ ان سے فریاد کرے، نہ ان کے نام پر ذبح کرے وغیرہ وغیرہ سب صرف اللہ کے لیے ہے۔

میں شامل ہے۔ لیکن یہ دعا کس سے کی جائے؟ مدد کس سے مانگی جائے؟ کیا اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر دوسروں سے دعا کی جائے گی یا مدد مانگی جائے گی؟ ہرگز نہیں، یہ دونوں عبادت ہیں اور دونوں صرف اور صرف اللہ تعالیٰ سے مانگی جائیں گی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ﴾ (الفاتحہ: ۵) ”ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد بھی طلب کرتے ہیں۔“ ان دونوں آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے ”ایاک“ کو مقدم کیا ہے یہ دونوں جگہ دونوں فعلوں پر مقدم ہے اور عربی زبان کا قاعدہ ہے کہ جب مفعول کو فعل پر مقدم کر دیا جائے تو تخصیص کا معنی دینا سے یہاں مراد معنی یعنی ”تخصیص“ ہی مراد ہے۔ یعنی ہم خاص کر کے اللہ ہی کی عبادت کرتے ہیں اور اسی سے مدد بھی مانگتے ہیں۔ اس تخصیص کا مطلب یہ ہوا کہ اس عبادت کو ہم دوسروں کے لیے نہیں کرتے ہیں، ورنہ خاص کرنے کا کوئی معنی نہیں ہوگا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ قول بھی ہے:

﴿ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ﴾ (المؤمن: ۶۰)

”تم مجھ کو پکارو میں تمہاری پکار کو سنتا ہوں یقیناً جو لوگ میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں عنقریب وہ لوگ ذلت کے ساتھ جہنم میں داخل ہوں گے۔“

اس میں واضح انداز میں یہ بات بتائی گئی ہے کہ دعا عبادت ہے اس کی مزید وضاحت رسول اللہ ﷺ کے اس قول سے ہوتی ہے آپ فرماتے ہیں:

((الدعاء هو العبادة.))

”یعنی دعا ہی اصل عبادت ہے۔“

یہی وضاحت اللہ تعالیٰ کے اس قول میں ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾

(الانعام: ۱۶۲)

”تم کہو کہ بے شک میری نماز، میری قربانی، میرا جینا اس اللہ کے لیے

ہے جو سارے جہان کا رب ہے۔“

﴿إِنِّي أَنَا فَارْهَبُون﴾ ”تم مجھ ہی سے ڈرو۔“ ﴿فَلَا تَخَافُوهُمْ وَخَافُونِي﴾ ”پس تم ان سے مت ڈرو صرف مجھ ہی سے ڈرو۔“ ﴿وَعَلَى اللَّهِ فَتَوَكَّلُوا إِن كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ﴾ ”اگر تم لوگ مومن ہو تو اللہ ہی پر بھروسہ کرو۔“ اس موضوع پر بے شمار آیات قرآنی موجود ہیں اور توحید کی یہی وہ قسم ہے جس سے اکثر مسلمان غافل ہیں اور یہی وہ توحید ہے جس پر سلفی دعوت قائم ہے۔ اب جس نے اس کے خلاف اعتقاد رکھا۔ وہ مشرک ہو گیا اس پر دائمی دخول جہنم کا حکم لگایا جائے گا۔ ہاں اگر کوئی شخص ایسا ہے جس کو یہ دعوت نہیں پہنچی ہے تو اس کا معاملہ اللہ پر ہے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کے پاس ایک رسول بھیجے گا۔ اگر اس نے اس رسول کی دعوت کو قبول کر لیا تو خیر ہے ورنہ اس کا ٹھکانا دائمی جہنم ہے۔

توحید اسماء و صفات:

یہ توحید کی تیسری قسم ہے بہت سے مسلمان نہ تو اس کو جانتے ہیں اور نہ ہی اس کے معنی و مفہوم کو سمجھتے ہیں۔ اس لیے وہ اس میں بھی دوسروں کو اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرا لیتے ہیں۔ ان کا عقیدہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ کی صفت میں بھی دوسرا شریک ہے۔ ❶ اللہ کی صفت یہ ہے کہ وہی غیب کا علم رکھتا ہے۔ اب اگر کوئی شخص یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ انسان بھی غیب جان سکتا ہے جیسے صوفیوں کا عقیدہ ہے کہ ان کے مشائخ کشف کے ذریعے دلوں کے بھیدوں کو جان جاتے ہیں کوئی شخص مشرق و مغرب میں جہاں بھی رہے۔ یہ مشائخ اس کے احوال پر مطلع ہو جاتے ہیں تو یہی شرک ہے اور یہی شرک فی الصفات بھی ہے۔

❶ توحید اسماء و صفات ان میں بعض اللہ کے اسم کے ساتھ خاص ہے اور بعض اس کے صفت کے ساتھ خاص ہے۔ اب جو اسم کے ساتھ خاص ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اس بات پر بھی ایمان و یقین ہو کہ اللہ تعالیٰ کے بہت سے اچھے اچھے اسماء ہیں جو نام بھی کتاب و سنت میں موجود ہیں ان پر ایمان لانا ضروری ہے کہ یہ سب اللہ کے نام ہیں اللہ کو انہی ناموں سے پکارنا واجب ہے اور ان ناموں کے ذریعہ دعا بھی کیا جاسکتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلِلَّهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ فَادْعُوهُ بِهَا وَذُرُوا الَّذِينَ يُلْحِدُونَ فِي أَسْمَائِهِ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ (الاعراف: ۱۸۰) ”اور اللہ ہی کے لیے اچھے نام ہیں لہذا اس کو انہی ناموں کے ساتھ پکارو، اور ان لوگوں کو“

ان صوفیوں کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ ان کے مشائخ ہر چیز پر قدرت رکھتے ہیں اور اگر وہ کسی چیز کو ”کن“ کہتے ہیں تو وہ ہو جاتی ہے۔ یہ بات تصوف کی کتابوں میں موجود ہے۔ ان کے علاوہ مشائخ کے بارے میں وہ بے شمار غلط عقائد و نظریات رکھتے ہیں جبکہ یہی شرک ہے۔ افسوس کہ متاخرین میں اس قسم کے عقائد بکثرت موجود ہیں۔ شعراء حضرات کے نعتیہ کلام میں بکثرت شرکیہ تصور پایا جاتا ہے حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے سختی سے اس سے منع کیا ہے آپ ﷺ فرماتے ہیں: ((لا تطرونی کما اطرت النصارى عیسی ابن مریم، فإنما أنا عبد فقولوا عبد الله ورسوله.)) ❶ ”تم لوگ مجھ کو حد سے زیادہ نہ بڑھاؤ جس طرح نصاریٰ نے عیسیٰ بن مریم ﷺ کو حد سے زیادہ بڑھا دیا تھا میں فقط ایک بندہ ہوں لہذا تم اللہ کا بندہ اور اس کا رسول کہو۔“

❷ چھوڑ دو جو اس کے ناموں میں الحاد کرتے ہیں عنقریب وہ اپنے اس عمل کا بدلہ ضرور پائیں گے۔“ واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ کے نام میں الحاد یہ ہے کہ اس کو اس کے غیر نام سے پکارا جائے جس نام کو بدعتیوں نے ایجاد کر لیا ہے اور اس کا ثبوت کتاب و سنت میں نہیں ہے جیسے ”یاہو“ کہہ کر پکارنا وغیرہ وغیرہ۔ حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے واضح کر دیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کو اس کے ناموں سے پکارا جائے تو وہ دعائیں قبول کرتا ہے بریدہ بن حبیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک آدمی سے اس طرح دعا کرتے ہوئے سنا: ((اللهم إني أسئلك بأني أشهد أنك أنت الله الذي لا إله إلا أنت الأحد الصمد، الذي لم يلد ولم يولد ولم يكن له كفواً أحد.)) تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((لقد سألت الله بالاسم الذي إذا سئل به أعطى، وإذا دعى به أجاب.)) (احمدہ/۳۴۹، ۳۶۰، ابوداؤد: ۱۴۹۳، ۱۴۹۴، ترمذی: ۳۴۲۵، والنسائی فی الکبریٰ، ابن ماجہ: ۳۸۵۷) ”تو نے اللہ سے اس کے اس نام سے سوال کیا ہے کہ جب اس نام سے اس سے سوال کیا جائے تو وہ دیتا ہے اور جب اس نام سے اس سے دعا کیا جائے تو قبول کرتا ہے۔“ جو صفات کے ساتھ خاص ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ جن صفات کو اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے ثابت کیا ہے اور جن صفات کو رسول اللہ ﷺ نے اللہ کے لیے ثابت کیا ہے۔ ان کو اسی طرح ثابت کیا جائے نہ ان کے معانی بدلے جائیں نہ ان کو مخلوق کی صفات سے تشبیہ دی جائے بلکہ جس طرح وہ ثابت ہیں ان کو بالکل اسی طرح ثابت کیا جائے۔ اشاعرہ کے مانند ان کی تاویل بھی نہ کی جائے۔

❶ حمیدی (۲۷) صحیح بخاری: ۲۵۶/۱، ترمذی نے ”شائل“ (۳۲۳) عبید اللہ بن عبد اللہ بن حنییہ، عن ابن عباس، عن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی سند سے۔

غور کیجیے کہ کچھ لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس تشریف لائے اور عرض کیا: ((اُنت سیدنا، وابن سیدنا)) ”یعنی آپ ہمارے سید ہیں اور ہمارے سید کے بیٹے بھی ہیں۔“ اس پر آپ ﷺ نے ان لوگوں سے ارشاد فرمایا: ((قولوا بقولکم هذا او بعض قولکم فلا یستجرئکم الشیطان.))^① ”تم اپنے اس قول کو کہو ایسا نہ ہو کہ شیطان تمہیں جری بنا دے۔“ آپ ﷺ نے ایسا اس لیے کہا تھا کہ اس میں کچھ مخالف الفاظ تھے جیسے لفظ ”ابن سیدنا“ آپ ﷺ کے والد کو ”سید“ نہیں کہہ سکتے کیونکہ وہ بھی مشرک تھے جیسا کہ صحیح حدیث سے ثابت ہے۔ اسی لیے آپ ﷺ نے اس پر تنبیہ کی تھی اس پر کچھ بچے اور بچیاں قصیدہ پڑھ رہی تھیں جس میں یہ جملہ تھا:

((وفینا نبی یعلم ما فی غد.))

”یعنی ہمارے درمیان ایک ایسا نبی ہے جو کل کی باتوں کو جانتا ہے۔“

آپ ﷺ نے اس کو سن کر سختی سے اس سے منع کیا اور فرمایا:

((لا یعلم ما فی غد إلا اللہ عزوجل.))^②

”یعنی کل کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔“

اس کے علاوہ کسی کو نہیں۔ اس سخت تنبیہ کے باوجود لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کی۔ بوسیری نے یہاں تک کہہ دیا:

دع ما ادعتہ النصاری فی نبیہم

واحکم بما شئت مدحافہ واحتکم

”یعنی تو نصاریٰ کی طرح یہ نہ کہہ کہ محمد اللہ کے بیٹے ہیں اس کے علاوہ جو چاہے کہہ۔“

① مسند احمد: ۱۵۳/۳، ۲۴۱، ۲۴۹، عفان والحسین بن موسیٰ الأشیب، کلاهما عن حماد عن ثابت، عن أنس بہ۔ اس کی سند صحیح ہے۔ شیخ البانی نے بھی اس کو صحیح کہا ہے۔ دیکھو: ”الصحیحہ“ (۱۰۹۷)۔

② مسند احمد: ۳۵۹/۶، صحیح بخاری: ۳۷۴/۳، ابوداؤد (۴۹۲۲)، ترمذی (۱۰۹۰)، ابن ماجہ (۱۸۹۲) خالد بن ذکوان المدنی، عب الریج، ”دعی ہذہ وقولی بالذی کنت تقولین“ لفظ کے ساتھ البتہ جس لفظ کو شیخ نے ذکر کیا ہے وہ ابن ماجہ کا ہے۔

یہ کھلی ہوئی گمراہی اور حق سے انحراف ہے۔^①

توحید کی دوسری قسموں کی طرح اس قسم یعنی توحید اسماء و صفات سے اکثر مسلمان ناواقف ہیں۔ اسی وجہ سے اس کی مخالفت کرتے رہتے ہیں جبکہ یہ بات متعین ہے کہ توحید ہی اسلام اور کفر کے درمیان قول فیصل ہے۔ کوئی انسان کتنا ہی زیادہ عابد و زاہد ہو۔ بکثرت نوافل ادا کرنے والا ہو۔ مختلف طریقوں سے اللہ کی قربت حاصل کرتا ہو، صلہ رحمی کرتا ہو، ان تمام اچھائیوں کے باوجود اگر اس نے عمر میں ایک مرتبہ بھی شرک کا ارتکاب کیا۔ غیر اللہ سے مدد طلب کیا۔ یا اللہ کی صفت کے مانند مخلوق کی صفت بیان کی تو اس کا سارا عمل باطل ہو گیا۔ اگر اس نے صدق دل سے توبہ نہیں کیا تو وہ ہمیشہ ہمیش کے لیے جہنم میں داخل ہوگا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ﴾

”اگر تم نے شرک کیا تو تمہارے سارے اعمال برباد ہو جائیں گے۔“

توحید کی اہمیت اور شرک کے ہولناک خطرات:

درحقیقت توحید کا مسئلہ انتہائی اہم اور نازک ہے اسی لیے آپ دیکھیں گے کہ سلفی حضرات سب سے زیادہ اسی کا اہتمام کرتے ہیں۔ رہے باقی علماء و مشائخ تو یہ لوگ مشرکانہ اعمال میں دندناتے پھرتے ہیں یہی نہیں بلکہ اس کے بارے میں سلفی حضرات سے شدید اختلافات بھی رکھتے ہیں، جنگ و جدل کی راہ اختیار کر لیتے ہیں۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ کیونکہ اصل مسئلہ نیت کا ہے اور ہماری نیت ٹھیک ہے جبکہ یہ لوگ اپنے اس مشرکانہ اعمال سے اللہ کی رضا چاہتے ہیں جو کہ سراسر غلط اور باطل ہے۔ کسی کی نیت کتنی ہی صالح اور اچھی کیوں نہ ہو اگر اس کا عمل صحیح نہیں ہے تو اس کی نیت اس کو کچھ نفع نہیں

① شیخ سعدی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ”القول السدید“ ص: ۶۸ میں کہا ہے کہ صالحین کے معاملہ میں لوگوں کی تین قسمیں ہیں: (۱) اہل جفا: یہ صالحین کو ان کا جائز مقام نہیں دیتے ہیں۔ (۲) اہل غلو: یہ ان کو حد سے زیادہ بڑھا دیتے ہیں۔ (۳) اہل حق: یہ لوگ ان کو جائز اور صحیح مقام دیتے ہیں۔

پہنچائے گی۔ بلکہ صالح نیت کے ساتھ ساتھ عمل کا صالح ہونا بھی ضروری ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا﴾ (الكهف: ۱۱۰)

”جو شخص اللہ سے ملاقات کی اُمید رکھتا ہے تو اسے چاہیے کہ وہ عمل صالح کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے۔“

نیت کے خالص ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے اور ہر قسم کے شرک سے باز رہے۔ اسی طرح کوئی عمل صالح اسی وقت ہوگا جب وہ سنت کے مطابق ہو۔ جیسا کہ مفسر ابن کثیر وغیرہ نے بیان کیا۔^① بہر حال توحید کی تینوں قسموں کو جاننا اور اس پر پورے اہتمام کے ساتھ عمل کرنا ہی نجات کا ذریعہ ہے۔

اتباع کے باب میں سلفیت اور دوسرے مذاہب کا موقف:

دوسرا اہم مسئلہ جس پر سلفی حضرات زیادہ زور دیتے ہیں اور اس کا خود اہتمام بھی کرتے ہیں وہ ہے مسئلہ اتباع یعنی اعمال میں کس کی اتباع کی جائے دینی احکام کہاں سے حاصل کئے جائیں، اسی طرح دین فہمی کا طریقہ کیا ہے؟ عام طور سے لوگوں کے ذہن و دماغ میں یہ بات بٹھا دی گئی ہے کہ بلوغت کے بعد ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ مذاہب اربعہ میں سے کسی مذہب کی تقلید کرے، اسی مذہب کو لازم پکڑے۔ اسی میں تفقہ حاصل کرے کسی بھی مسئلہ میں اس کی مخالفت ہر گز نہ کرے۔ وہ اس مذہب کی ایسی تقلید کرے کہ وہ عمل کرتا چلا جائے لیکن کبھی بھی اس عمل کی دلیل نہ پوچھے کہ یہ عمل کہاں سے ثابت ہے اور نہ ہی کسی مسئلہ

① کسی بھی عمل کے قبول ہونے کے لیے دو شرطیں ہیں: پہلی شرط: اخلاص یعنی وہ اپنے عمل میں مخلص ہو، دوسری شرط یہ ہے کہ وہ عمل سنت کے موافق ہو۔ یہی کلمہ توحید کا تقاضا بھی ہے کیونکہ ”لا إله إلا الله“ سے اخلاص کی طرف اشارہ ہے یعنی بندے کی توجہ خالص اللہ کے لیے ہو۔ ((وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ)) سے متابعت نبی کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی عمل رسول اللہ ﷺ کی سنت کے مطابق ہو۔ رسول اللہ ﷺ کے طریقے کو چھوڑ کر کسی دوسرے امام یا عالم کے طریقے کو نہیں اپنانا چاہیے۔

میں اجتہاد کی کوشش کرے، کیونکہ اجتہاد کا دروازہ بند ہو چکا ہے۔ اب اس کے سامنے تقلید کے سوا کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے۔

”تقلید“ عصر حاضر کا بہت نازک مسئلہ ہے اور یہ دین کے صحیح فہم میں بہت بڑی رکاوٹ بنا ہوا ہے۔ تقلید کے پیروکار سے جب یہ سوال ہوتا ہے کہ تمہارا یہ عمل کس دلیل کی بنیاد پر ہے تو وہ صاف یہی کہتا ہے کہ ہم فلاں مذہب کے مقلد ہیں ہم اسی کے پیروکار ہیں ہم دلیل وغیرہ نہیں جانتے ہیں۔ اسی لیے سلفی حضرات اس مسئلے میں عوام الناس سے بہت مختلف ہیں۔ ان کے نزدیک دینی فہم اور شرعی احکام جاننے کے لیے ضروری ہے کہ براہ راست کتاب و سنت سے معلومات حاصل کی جائیں اس لیے اللہ تعالیٰ کا قول ہے:

﴿اتَّبِعُوا مَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ﴾ (الاعراف: ۳)

”تم لوگ اس چیز کی پیروی کرو جو تمہاری طرف تمہارے رب کی جانب سے نازل کی گئی ہے اور اللہ کو چھوڑ کر دوسرے اولیاء کی بات نہ مانو۔“

اصل بات یہ ہے کہ دینی احکام و مسائل قرآن و حدیث سے ہی لینے چاہئیں کیونکہ یہی دونوں اصل ہیں۔ لیکن ہر انسان کے اندر اتنی صلاحیت نہیں ہوتی ہے کہ وہ براہ راست کتاب و سنت سے مسائل اخذ کر سکے۔ صاحب علم تو بآسانی کتاب و سنت سے مسائل اخذ کر سکتا ہے۔ لیکن ان پڑھ اور اُمی جس کے پاس دینی ذوق تو ضرور ہے لیکن لکھنا پڑھنا نہیں جانتا ہے اب ایسا شخص ایسے عالم کی بات پر عمل کرے گا جس کے بارے میں یہ معلوم ہے کہ وہ کتاب و سنت ہی سے مسائل اخذ بھی کرتا ہے اور بتاتا بھی ہے قابل اطمینان اور ثقہ بھی ہے جو نہ تو متعصب ہے اور نہ ہی مقلد۔

کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ﴾ (الانبیاء: ۷)

”اہل ذکر سے سوال کرو اگر تم نہیں جانتے ہو۔“

یہاں اہل ذکر سے مراد وہ شخص ہے جس کے پاس قرآن و سنت کا علم ہو۔^①
متعلم غیر مجتہد:

مجتہد اور مقلد کے درمیان ایک طبقہ ایسا ہے جس کو ”متعلم“ یا ”طالب علم“ کہا جاتا ہے۔ اس کو بھی زبان و ادب قرآن و حدیث اور تفسیر پر اچھی خاصی معلومات ہوتی ہے۔ شرعی علوم پر درک حاصل ہوتا ہے۔ اس کے باوجود یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ مجتہد کے مانند ہے یا مقلد کے مثل ہے۔ یہ ان سے بہت مختلف ہے۔ اس کو ان کے برابر نہیں کیا جاسکتا حالانکہ اگر اس کے پاس قرآنی آیات و احادیث کا تذکرہ ہوتا ہے تو وہ ان کے معانی و مفہوم کو اچھی طرح جانتا اور سمجھتا ہے۔ پھر بھی یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس کو ساری معلومات حاصل ہیں بلکہ کچھ ایسی چیزیں ضرور ہیں جن کا علم اسے نہیں ہوتا ہے اس کے لیے وہ علماء سے رجوع کرتا ہے۔ وہ لوگ اس کی بہترین رہنمائی کرتے ہیں اور صحیح معلومات فراہم کرتے ہیں۔

مقلدین کی عادت ہے کہ وہ دنیاوی امور میں بہت چھان بین کرتے ہیں۔ کوئی شے خریدنی ہوتی ہے تو کئی دکانیں دیکھ کر صحیح اور غیر صحیح، اصلی اور نقلی میں مکمل تمیز کر کے اصلی سامان خریدتے ہیں۔ لیکن شرعی امور میں اصل اور نقلی میں تمیز کرنے کی کوشش نہیں کرتے گویا کہ شرعی احکام کی ان کے نزدیک اتنی زیادہ اہمیت نہیں ہے جتنی دنیاوی امور کی اور یہی

① امام نووی رحمہ اللہ نے ”المجموع“ کے مقدمہ میں کہا ہے (۷۹/۱) ”فتویٰ میں تساہل حرام ہے اور جس کے بارے میں معلوم ہو کہ وہ تساہل برتا ہے اس سے فتویٰ لینا حرام ہے۔“ امام مسلم نے صحیح مسلم کے مقدمہ میں محمد بن سیرین سے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں: ”إن هذا العلم دين، فانظروا عمن تأخذون دينكم.“ ”یہ علم دین ہے لہذا اس شخص کو غور سے دیکھو جس سے دین حاصل کرتے ہو۔“ سوال میں تساہل بہت مذموم فعل ہے۔ بعض لوگ تساہل کے لیے موضوع روایتوں سے استدلال کرتے ہیں جیسے ”اختلاف امتی رحمۃ“ ”میری امت کا اختلاف رحمت ہے۔“ اور ”من قلد عالما لقی الله سالما“ جس نے کسی عالم کی تقلید کی وہ اللہ تعالیٰ سے صحیح و سالم ملاقات کرے گا۔ (سلسلہ ضعیفہ: (۵۸۷) و (۵۵۱) حالانکہ نفسانی خواہشات پر عمل کرنا گمراہی کی علامت ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنْ اتَّبَعَ هَوَاهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللَّهِ﴾ (القصص: ۵۰) ”اس شخص سے بڑھ کر گمراہ کون ہوگا جس نے بغیر اللہ کی ہدایت کے نفسانی خواہشات کی اتباع کی۔“

خسارے اور گمراہی کی علامت ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں عقل سلیم اور فہم صحیح عطا کرے۔ آمین
جھوٹے الزامات سے بری:

سلفی حضرات کا موقف یہی ہے کہ شرعی احکام کتاب و سنت سے لیا جائے۔ کتاب و سنت میں غور و فکر کر کے دینی فہم حاصل کی جائے۔ یہی موقف صحیح اور معتدل ہے۔ اس میں نہ افراط ہے نہ تفریط۔ اس کے باوجود مخالفین سلفیوں کی مخالفت کرتے رہتے ہیں ان پر طرح طرح کے الزامات لگاتے رہتے ہیں۔ سب سے بڑا الزام یہ ہے کہ سلفی حضرات ائمہ اربعہ کو پسند نہیں کرتے، ان کو برا بھلا کہتے ہیں، ان پر طعن و تشنیع کرتے ہیں جبکہ یہ لوگ محض عداوت و دشمنی میں ایسی باتیں کہتے ہیں۔ ان الزامات کا ان کے پاس کوئی ثبوت نہیں ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ائمہ اربعہ کا احترام اور ان کی قدر و منزلت سب سے زیادہ سلفی حضرات ہی کرتے ہیں۔ یہ لوگ ان کو ان کا صحیح اور جائز مقام دیتے ہیں۔ ان کی کتابوں سے استفادہ کرتے ہیں۔ ان کی جو باتیں قرآن و حدیث کے موافق ہوتی ہیں ان کو لے لیتے ہیں اور جو باتیں مخالف ہوتی ہیں ان کو چھوڑ دیتے ہیں۔ سلفی حضرات ان کے الزامات و اتہامات سے بالکل بری ہیں..... بعض لوگوں نے تقلید کے وجوب پر بڑی بڑی کتابیں سیاہ کر ڈالی ہیں تاکہ ان کتابوں کے ذریعہ لوگوں کو یہ تاثر دیں کہ سلفی لوگ تقلید کا انکار کرتے ہیں حالانکہ یہ سراسر غلط ہے بلکہ یہ لوگ تو جاہل کے لیے تقلید کو ثابت کرتے ہیں۔ ❶

تر بیت، تزکیہ اور صفائی قلب: ❷

تیسرا مسئلہ: روحانی اور قلبی پاکیزگی:..... ایک مسلمان کے لیے ظاہری

- ❶ صحیح بات یہ ہے کہ جاہل کے لیے بھی تقلید جائز نہیں ہے بلکہ وہ کتاب و سنت کے عالم سے مسئلہ دریافت کر کے اس پر عمل کرے گا۔ اس کا نام تقلید نہیں ہے بلکہ یہی اتباع ہے۔ تقلید تو بغیر دلیل کے کسی کی بات ماننے کا نام ہے اور یہ جائز نہیں اور یہی بات مقلدین کے یہاں ہے جب ان سے دلیل مانگو تو وہ ناراض ہو جاتے ہیں۔ (نافہم) از مترجم
- ❷ سلفی حضرات تربیت، تزکیہ اور صفائی قلب کا وہ مفہوم لیتے ہیں جو سلف صالحین کے یہاں معروف و مشہور تھا جبکہ اہل تصوف کے یہاں اس کا مفہوم بالکل مختلف ہے۔ اہل تصوف کے یہاں تزکیہ اور صفائی قلب کا وہ مفہوم ہے جس کو اہل طریقت اور اہل ذوق نے اپنے اپنے ذوق کے مطابق ایجاد کر لیا ہے اور جو مفہوم ان کو ان کے مشائخ سے

اور باطنی طہارت اور پاکیزگی بہت ضروری ہے۔ ظاہری پاکیزگی یہ ہے کہ اس کا جسم اور کپڑا

اس سے ملا ہے واضح رہے کہ ان کے کتنے مشائخ ایسے ہیں جنہیں کتاب و سنت کا ذرا بھی علم نہیں ہے چہ جائیکہ انہیں سلف صالحین کے راستے اور طریقے کی خبر ہو اور یہ بھی واضح رہے کہ بسا اوقات انسان اپنے طور پر بعض اعمال کو اچھا تصور کرتا ہے لیکن وہی اعمال کتاب و سنت کے مخالف ہونے کی وجہ سے اللہ کے نزدیک حرام ہو جاتے ہیں کیونکہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے ان کا حکم نہیں دیا ہے۔ اس کی واضح مثال تین صحابی کا واقعہ ہے جو اذواج مطہرات کے گھر تشریف لے گئے اور ان سے رسول اللہ ﷺ کی عبادات کے بارے میں سوال کرنے لگے جب انہیں بتایا گیا تو اس کو سن کر بعض نے کہا کہ میں شادی ہی نہیں کروں گا، بعض نے کہا میں کھانا ہی نہیں کھاؤں گا۔ بعض نے کہا میں سوؤں گا نہیں جب رسول اللہ ﷺ نے ان کی باتوں کو سنا تو فرمایا: ”ما بال أقوام قالوا: كذا وكذا؟ كتنا أصلى وأنام، وأصوم وأفطر، واتزوج النساء، فمن رغب عن سنتي فليس مني.“ (صحیح بخاری ۳/ ۲۳۷، صحیح مسلم: ۱۰۲/ ۲) ”اس قوم کا کیا ہوگا جنہوں نے ایسی ایسی باتیں کہی ہیں، میں تو نماز بھی پڑھتا ہوں، سوتا بھی ہوں، روزے بھی رکھتا ہوں اور افطاری بھی کرتا ہوں اور عورتوں سے شادی بھی کرتا ہوں لہذا جس نے میری سنت سے اعراض کیا وہ مجھ سے نہیں ہے۔“ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے اعمال پر نکیر کیوں کیا جبکہ ان کی نیتیں خالص تھیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس لیے انکار کیا تھا کہ ان کے وہ اعمال اور طریقہ کار شریعت کے خلاف تھے۔ کیونکہ اسلام میں رہبانیت نہیں ہے اسی طرح مسلسل نمازیں پڑھنا، شادی نہ کرنا اور مسلسل روزے رکھنا یہ سب شریعت کے خلاف ہیں۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے ان پر نکیر کی تھی۔ رسول اللہ ﷺ کے بعد صحابہ کرام کی حیات مبارکہ میں کبھی ایسے مواقع آتے ہیں جن میں بعض صحابہ سے خلاف شرع اعمال سرزد ہو جاتے تھے پھر دوسرے صحابہ ان پر سختی سے نکیر کرتے تھے۔ مثال کے طور پر ابن وضاح نے ”البدع“ ص ۳۷ میں صحیح سند کے ساتھ عبد اللہ بن جناب کا ایک واقعہ نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم ایک جماعت کے ساتھ مسجد میں بیٹھے سورہ سجدہ کی تلاوت کر رہے تھے اور رو بھی رہے تھے۔ اتنے میں میرے والد صاحب تشریف لائے ان کے ساتھ ان کی چھتری بھی تھی وہ میری جانب متوجہ ہوئے تو میں نے کہا: اے اباجا! مجھ کو کیا ہو گیا ہے؟ مجھ کو کیا ہو گیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ کیا تم علاقہ کے ساتھ نہیں بیٹھے ہوئے تھے؟ پھر کہا کہ لگتا ہے کہ یہ زمانہ حقیقت سے دور ہوتا جا رہا ہے۔ اب غور کا مقام یہ ہے کہ وہ لوگ قرآن کی تلاوت کر رہے تھے لیکن اجتماعی شکل میں کسی مخصوص سورت کی تلاوت کرنا اور اس پر رونا یہ شریعت کے مخالف ہے۔ اس لیے یہ حرام ہے اسی لیے خباب بن ارت رضی اللہ عنہ نے اپنے صاحبزادے کو زبردستی توجہ کیا تھا اور قریب تھا کہ ان کو اس پر سزا بھی دیتے۔ اس قسم کے بے شمار واقعات ہیں جنہیں کتابوں میں دیکھا جاسکتا ہے۔ اب صوفیاء کے اعمال اور اذکار، ان کی نمازیں وغیرہ اسی انداز کی ہوتی ہیں۔ ان کے اذکار و اذکار جو مخصوص تعداد کے ساتھ ہوتے ہیں۔ ان کی بعض نمازیں، یہ سب خلاف شرع ہونے کی وجہ سے حرام ہیں اور خلاف شرع عمل سے کبھی تزکیہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس لیے اس سے بچنے کی کوشش کرنی چاہیے اور ہر وہ عمل بجالانا چاہیے جو شریعت سے ثابت ہوتا کہ اس عمل سے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہو نہ کہ اس کا غضب۔

ہر قسم کی غلاظت اور ناپاکی سے پاک ہو اور ظاہری عمل بھی کتاب و سنت کے مطابق ہو، باطنی طہارت یہ ہے کہ اس کا اعتقاد اس کا قلب و جگر، اس کی فکر شرک و بدعت اور ہر قسم کے باطل افکار و خیالات سے پاک ہو۔ توحید خالص کو اچھی طرح سمجھتا بھی ہو اور اس پر پختہ ایمان و یقین بھی ہو۔ اس کے سارے اعمال کتاب و سنت کی تعلیمات کے عین مطابق ہوں نہ افراط ہو نہ تفريط ہو ہر طرح کے غلو سے پاک ہو۔ نماز و حج گناہ پابندی وقت کے ساتھ ساتھ سنت کے مطابق ادا کرتا ہو۔ یہ تزکیہ اور تصفیہ کا بہترین طریقہ ہے۔ لیکن لوگوں نے اس واضح اور پاکیزہ تعلیمات کو چھوڑ کر صوفیانہ طریقے کو اپنا لیا ہے جبکہ صوفیوں کے نزدیک روحانی اور قلبی پاکیزگی کے لیے ان کا اپنا خود ساختہ طریقہ ہے۔ جو کتاب و سنت کے سراسر خلاف ہے۔ مشائخ تصوف نے طہارت و پاکیزگی کا خود ساختہ طریقہ ایجاد کیا اور لوگوں سے کہہ دیا کہ یہ طریقہ قربت الہی کا بہترین طریقہ ہے۔ لیکن معلوم ہونا چاہیے کہ تصوف کا پہلا درجہ ابتداء ہے اور بدعی اعمال و اذکار ہیں اور اس کا آخری درجہ زندقہ ہے۔ انسان جب سب سے پہلے تصوف میں داخل ہوتا ہے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ پہلے کوئی عمل انجام دے اور یہی بدعی عمل اس کو اہل سنت سے جدا کرے گا نیز یہی بدعی عمل اس کے اور اہل سنت کے درمیان تفریق کرے گا۔ واضح رہے کہ اہل سنت کتاب و سنت کی واضح تعلیمات پر قائم ہیں سلف صالحین کے راستے کو لازم پکڑتے ہیں جبکہ صوفی انہی چیزوں سے اختلاف کرتا ہے اور اپنے آپ کو اہل سنت ہونے کا دعویٰ بھی کرتا ہے۔ ٹھیک ہے اگر آپ اہل سنت ہیں تو اپنے لیے خلاف شرع طریقہ مخصوص کیوں کرتے ہیں؟ کیوں ایسے اوراد و اذکار کو اختیار کر کے انھیں لازم پکڑتے ہیں جو شریعت کے خلاف ہیں۔ آپ کیوں مخصوص طریقہ اور مخصوص ذکر لازم پکڑے ہوئے ہیں؟ کیوں مسلمانوں کے اندر تفرقہ ڈالتے ہیں؟ کوئی شاذلی ہے، کوئی رفاعی ہے، کوئی قادری اور چشتی ہے یہ سب کہاں سے آگئے؟ درحقیقت یہی طریقے اور یہی اعمال اللہ کے دین میں نئی نئی ایجادات ہیں اور یہی بدعت شریعت کے خلاف اعمال ہیں گویا کہ یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کی ہدایت کو کافی نہیں سمجھتے ہیں، اور نہ ہی سلف صالحین کے فہم، اور

کے طریقے کو صحیح سمجھتے ہیں۔ بلکہ اپنے ذوق و طبع اور اپنی خواہش کے مطابق جو چاہتے ایجاد کر لیتے ہیں مگر انھیں یہ بات ضرور معلوم ہونی چاہیے کہ دین اسلام ان کی ایجادات ان کی بدعات و خرافات سے بری ہے۔ ان کے من گھڑت اعمال اور طریقے سب ضلالت و گمراہی کے راستے ہیں اور قرآن و سنت سے دور کرنے کے ذریعے ہیں (یہی وجہ ہے کہ جب مسلمانوں سے پوچھا جاتا ہے کہ توحید کسے کہتے ہیں، اتباع رسول اللہ ﷺ کیا ہے؟ تو وہ لاعلمی کا اظہار کر دیتے ہیں اس کے برعکس صوفیوں کے طریقے، ان کے کارنامے، تقریباً ہر فرد کے زبان زد ہوتے ہیں (فالعیاذ باللہ) سلفی حضرات انہی طریقوں کا کلی طور پر انکار کرتے ہیں اور کیوں نہ انکار کریں جبکہ یہ کلی طور پر اسلام کے مخالف ہیں۔ یہ صرف اصطلاح کی بات نہیں ہے جیسے بعض لوگ خیال کرتے ہیں کہ یہ صرف اصطلاح کا فرق ہے رسول اللہ ﷺ یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے میں یہ اصطلاح نہیں تھی ورنہ باتیں وہی ہیں۔ لیکن یہ بہت بڑی غلط فہمی ہے۔ اگر صرف اصطلاح کی بات ہوتی تو کسی کو کوئی اعتراض نہیں تھا یہاں تو پورا ڈھانچہ ہی بدلا ہوا ہے۔ قرآن مجید موجود ہے، احادیث نبویہ موجود ہیں ان دونوں میں کہیں ان کے عقیدے ان کے خود ساختہ اعمال نہیں دکھا سکتے۔ لہذا یہ کہنا کہ صرف اصطلاح کا فرق ہے کہ یہ صرف مسلمانوں کو دھوکہ دینے کے لیے ہے ورنہ حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

(فالعیاذ باللہ)

نظریہ کشف:

صوفیوں کا عقیدہ ہے کہ تمام امور کے حقائق اور غیب کی باتیں جاننے کا بہترین طریقہ اور ذریعہ ”کشف“ ہے وہ کشف کے ذریعہ تمام چیزوں کا ادراک کر لیتے ہیں۔ شریعت سے کچھ بھی رہنمائی نہیں حاصل کرتے بلکہ ان کا اپنا خود ساختہ طریقہ کشف ہی ان کے لیے کافی ہے۔ بعض لوگ تو اپنی کتابوں کو آگ میں جلا ڈالتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تم لوگ علمِ مردوں یعنی میت سے حاصل کرتے ہو اور ہم لوگ زندوں سے حاصل کرتے ہیں ایسا زندہ جو کبھی مرتا نہیں ہے۔ یہ نظریہ کشف ہے جو سراسر باطل ہے۔ جب انسان ان کے طریقے اور تعلیمات

پر غور کرتا ہے تو ویسے ان کی ساری باتیں اسلام کے خلاف نظر آتی ہیں۔ بلکہ یہی کاہن کی باتیں ہیں اور یہی کہانت ہے۔ یہ لوگ دعویٰ کرتے ہیں کہ فرشتے ان کو ساری باتوں کی خبر کرتے ہیں، لیکن جب ان سے دلیل پوچھی جاتی ہے تو خاموش ہو جاتے ہیں بہر حال یہی ضلالت و گمراہی کا راستہ ہے لہذا اس سے بچنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

بدعت سے اجتناب:

گزشتہ سطور میں جو تین اہم اور بنیادی باتیں بیان کی گئی ہیں وہی سلفی دعوت کے اصول ہیں لیکن اسی پر بس نہیں ہیں بلکہ مزید اور بھی ہیں جن سے سلفی دعوت متصف ہوتی ہے جیسے بدعات و محدثات سے اجتناب، یہ بدعات اتنی خطرناک، اور بدنما داغ ہیں کہ جب سے یہ اسلام میں داخل ہوئیں اس کے حسن و جمال کو داغدار بنا دیا اور اللہ کے احکام کو بدل دیا۔ اسلام کی روشن اور واضح تعلیمات کو سماج سے ختم کر دیا۔ لوگوں کو ضلالت و گمراہی کے دلدل میں پھانس دیا۔ یہ سلفی حضرات ہیں جو ان کی غلطیوں کی گرفت کرتے ہیں، ان کے ناپاک عزائم سے لوگوں کو متنبہ کرتے ہیں۔ ان کے اسلام مخالف عقائد و نظریات کو طشت از بام کرتے ہیں۔ یہ جان لو کہ بدعت کوئی آسان چیز نہیں ہے اور نہ کوئی فروعی مسئلہ ہے، بلکہ یہ اللہ کی شریعت میں استدراک ہے اور اپنی رائے اور عقل سے قانون سازی ہے۔ پھر لوگوں کو یہ باور کرایا جاتا ہے کہ اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی قربت حاصل ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے شریعت کو مکمل کر کے نازل کیا تھا پھر اس کے بعد یہ آیت نازل کی تھی:

﴿الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَاتَّمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ

لَكُمْ الْإِسْلَامَ دِينًا﴾ (المائدہ: ۳)

”آج میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو مکمل کر دیا ہے اور تمہارے اوپر اپنی

نعمت کا اتمام کر دیا ہے اور تمہارے لیے اسلام کو دین کے طور پر پسند کر لیا ہے۔“

اللہ تعالیٰ کے اس نازل کردہ دین میں ان کی خود ساختہ باتیں داخل نہیں ہیں۔ اب ان خود ساختہ بدعات کو دین بنا کر پیش کرنا اور ان کو قربت الہی کا بہترین ذریعہ بنانا، یہ اللہ کے

دین میں زیادتی نہیں تو اور کیا ہے؟ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے بدعات و خرافات کے بارے میں سخت تنبیہ کی تھی آپ ﷺ فرماتے ہیں: ((إياكم ومحدثات الأمور)) ”تم نئی نئی باتوں یعنی بدعتوں سے بچتے رہو۔“^۱ یہ اتنا عظیم جملہ ہے اور اتنا اہم ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کو خطبہ حاجت میں شامل کر لیا تھا اور ہر ہفتہ جمعہ کے خطبے میں پڑھتے بھی تھے یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ رسول اللہ ﷺ بدعت کی خطرناکی کو کتنی شدت سے محسوس کر رہے تھے اسی لیے امت کو بھی اس سے متنبہ کر رہے تھے اور کتاب و سنت کو لازم پکڑنے پر ابھارتے بھی رہتے تھے۔

بدعت سے اتنی سخت تنبیہ کے باوجود ان صوفیوں کی نگاہوں میں جیسے پردہ پڑا ہوا ہے اور کانوں میں ڈاٹ پڑا ہوا ہے کہ نہ دیکھتے اور نہ سنتے اور نہ ہی اس سے عبرت حاصل کرتے ہیں۔ سلفی احادیث ضعیفہ اور موضوعہ سے بھی اجتناب کرتے ہیں:

آج کل موضوع اور ضعیف حدیثوں کا چلن بھی عام ہو گیا اور ان صوفیوں کا پورا اعتماد انہی موضوع اور ضعیف روایتوں پر ہے۔ ان کا اثر شیخ کے علماء و خطباء اور بڑے بڑے مصنفین

۱ اس کی تخریج گزر بھی ہے۔ اتباع سنت اور اجتناب بدعت و خرافات پر کتاب و سنت میں بے شمار دلائل ہیں مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اتَّبِعْ مَا أَوْحَىٰ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُفْرِكِينَ﴾ (الاعراف: ۱۰۶) ”تمہارے اوپر تمہارے رب کی جانب سے جو چیز نازل کی گئی ہے تم اس کی پیروی کرو، نہیں ہے کوئی معبود مگر وہی؟؟ اور مشرکوں سے اعراض کیجیے۔“ عریاض بن ساریہ سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے ہم کو نماز پڑھائی پھر ہماری جانب متوجہ ہو کر بلیغ نصیحت کی جس سے آنکھیں انکھار ہو گئیں، دل دہل گئے، کسی کہنے والے نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ کیا یہ آخری نصیحت تو نہیں ہے؟ آپ ہمیں کس بات کا حکم دیتے ہیں تو آپ نے فرمایا: ((أوصيكم بتقوى الله والسمع والطاعة، وإن عبدا حبشياً، فإنه من يعش منكم بعدى فسيرى اختلافاً كثيراً فعليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين، تمسكوا بطن، وعضوا عليها بالنواجذ، وإياكم ومحدثات الأمور، فإنه كل محدثة بدعة، وكل بدعة ضلالة.)) ”میں تمہیں اللہ سے تقویٰ کا اختیار کرنے کی وصیت کرتا ہوں اور سب و طاعت کی وصیت کرتا ہوں۔ اگرچہ حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو، بے شک تم میں سے جو میرے بعد زندہ رہے گا وہ بہت زیادہ اختلاف دیکھے گا تم ایسے موقع پر میری سنت کو لازم پکڑو، ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کی سنت کو لازم پکڑو۔ اس کو مضبوطی سے پکڑے رکھو اور بدعتوں سے بچو، کیونکہ ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔“

و معلمین پر بھی اس طرح پڑا کہ دین کے نام پر بڑی بڑی کتابیں لکھی گئیں۔ ان میں بھی موضوع اور ضعیف روایتیں بھری ہوئی ہیں جبکہ رسول اللہ ﷺ ان جھوٹی روایتوں سے بری ہیں۔ آپ ﷺ نے اس سے بڑی سختی کے ساتھ روکا ہے اور اس قسم کی موضوع روایتوں کو بیان کرنے کا انجام بڑا بھیانک بتایا ہے پھر بھی لوگ اس سے باز نہیں آتے آپ ﷺ فرماتے ہیں:

((کذب علی لیس ککذب علی أحدکم .))^①

”یعنی میرے خلاف جھوٹ بولنا تم میں سے کسی کے خلاف جھوٹ بولنے کے مانند نہیں ہے۔“

سلفی دعوت اس کے سخت خلاف ہے۔ بلکہ یہی وہ تنہا دعوت ہے جو ضعیف اور موضوع کو صحیح احادیث سے الگ کرتی ہے۔

محمد بن عبد الوہاب رحمہ اللہ کے منہج دعوت کا سرسری جائزہ:

استاذ محمد عبد عباسی حفظہ اللہ نے اپنے خطاب میں ذکر کیا تھا کہ شیخ محمد بن عبد الوہاب رحمہ اللہ کا شمار سلفی داعیوں میں ہوتا ہے۔ بات بالکل صحیح ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ عقیدہ میں بہت ٹھوس سلفی تھے اور آپ حضرات نے ان کے خطاب میں تفصیل سے سلفی دعوت کے بارے میں سماعت فرمایا۔ انہوں نے واضح انداز میں اس حقیقت کا اظہار کیا کہ سلفی دعوت کتاب و سنت کی طرف دعوت دیتی ہے۔ اس کا مقصد وحید یہ ہے کہ کتاب و سنت کی تعلیمات عام ہو۔ لوگ اسلام کو قرآن و حدیث کی روشنی میں جاننے اور پہچاننے کی کوشش کریں اور تھلید کو دین و مذہب نہ بنائیں بلکہ اس سے قطعی پرہیز کریں۔ جب سلفی دعوت کا مذہب اور منہج یہ ہے تو اب یہ حقیقت بھی جان لینی چاہیے کہ شیخ محمد بن عبد الوہاب رحمہ اللہ عقیدہ میں ٹھوس سلفی مذہب پر قائم تھے۔ بلکہ اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ اسلامی ممالک میں بالعموم اور نجد و حجاز علاقے میں بالخصوص دعوت توحید کو عام کرنے میں علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے بعد محمد بن

① صحیح بخاری، ۱۱۲/۲، صحیح مسلم: ۱۳۴۳/۳۔

عبدالوہاب رحمہ اللہ کو بھی یہ مقام حاصل ہے اور غالباً ہر قسم کی شرک و بدعت، اوہام و خرافات اور بت پرستی کی غلاظت سے پاک و صاف توحید خالص پر توجہ دینے ہی کی وجہ سے سلفی دعوت پر مکمل توجہ نہیں دے سکے۔ کیونکہ خالص عقیدہ توحید کے ساتھ ساتھ خالص اتباع نبی بھی ضروری ہے لیکن ان کے زمانہ میں ان سے پہلے اور ان کے بعد بھی لوگوں نے مذہب ہی کو دین بنا رکھا تھا۔ تقلیدی جکڑ بند یوں میں لوگ گھرے ہوئے تھے۔^①

واضح رہے کہ جس نے تقلید کو ترک کیا وہ ہر قسم کے انحرافات سے محفوظ رہا۔ یہی وہ باتیں تھیں جن کی طرف استاذ عبدالعباسی نے اپنے کلمات میں اشارہ کیا ہے۔ چونکہ شیخ الاسلام کی دعوت توحید تک محدود تھی اس لیے یہ دعوت شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی دعوت سے بہت مختلف تھی۔ کیونکہ علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے صرف توحید ہی کی دعوت نہیں دی تھی بلکہ انہوں نے عام اسلام کی دعوت کو کتاب و سنت کی روشنی میں پیش کیا تھا۔ انہوں نے سختی سے احادیث ضعیفہ استعمال کرنے سے روکا اور اس بات سے بھی روکا کہ ضعیف احادیث

① یہاں شیخ رحمہ اللہ اس وقت کے تقلیدی ماحول کی طرف اشارہ کر رہے ہیں بلکہ یہ ماحول آج بھی قائم ہے کہ لوگ احکام میں آج بھی حنبلی مذہب پر قائم ہیں۔ یہ بات ذہن نشین رہے کہ میں نے ”حنبلی مذہب“ کہا ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ کا مذہب نہیں کہا ہے۔ کیونکہ دونوں میں بہت فرق ہے۔ آج کل بالعموم متاخرین حنابلہ کی تالیفات پر اعتماد کیا جاتا ہے جبکہ ان میں امام احمد رحمہ اللہ کے بہت سے اقوال و اجتہادات کی مخالفت پائی جاتی ہے۔ بلکہ بعض کتابوں میں اصحاب مذہب کے اقوال بھرے ہوئے ہیں ان میں کتاب و سنت سے کہیں کوئی دلیل نہیں ملتی ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ شیخ عبدالرزاق عقیلی رحمہ اللہ کو جب شیخ ابراہیم نے مردروی کی کتاب ”الانصاف“ پڑھنے کے لیے دی تو شیخ عبدالرزاق کا بیان ہے کہ میں نے پوری کتاب کا مطالعہ کیا لیکن شروع سے آخر تک صرف تین بار رسول اللہ ﷺ کا ذکر پایا۔ (دیکھو: فتاویٰ اور مسائل الشیخ عبدالرزاق عقیلی ۱/ ۵۵، ۵۶) بلکہ بعض ائمہ مذہب کے نزدیک تقلید اتنی عام ہو گئی تھی کہ اس کی وجہ سے وہ مسائل اعتقاد میں لغزش کھا گئے۔ جیسے قاضی ابویعلیٰ اور ابن قدامہ اگرچہ بعض نے ان کی جانب سے معذرت بھی کی ہے۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ سلفی دعوت سے مراد مکمل اسلام ہے جس میں عقیدہ و احکام دونوں شامل ہیں اور اللہ کے نبی ﷺ دونوں لے کر مبعوث ہوئے تھے پھر ایک کو لے کر دوسرے کو چھوڑ دینا یا اس کو ثانوی مقام دینا صحیح نہیں ہے۔ اس سے کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ شیخ البانی شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب کی تنقیص کر رہے ہیں بلکہ مقصود ان کا منہج بیان کرنا ہے تاکہ بعد کے لوگ بالخصوص طلباء اور اہل علم اس حقیقت کو سمجھیں اور اس سے استفادہ کریں۔

پر شرعی احکام کی بناء رکھی جائے۔ اس کے برعکس شیخ الاسلام محمد بن عبد الوہاب کی دعوت میں یہ بات بالکل نہیں تھی۔ ان کی توجہ نہ تو حدیث پر تھی اور نہ ہی سلفی فقہ پر بلکہ وہ بھی مذہب کے اعتبار سے حنبلی تھے اور حدیث میں انھیں وہی مقام حاصل تھا جو ان کے غیر کو ہے۔ ان کا کوئی فقہی اثر بھی ایسا نہیں ہے جو اس بات میں ہماری رہنمائی کرے کہ وہ فقہی مسائل میں بھی علامہ ابن تیمیہ کی طرح سلفی منہج پر قائم تھے۔^① غالباً ان کے سامنے کوئی عذر رہا ہوگا جس کی بناء پر انہوں نے ایسا کیا ہوگا جیسا کہ ابھی میں نے اشارہ کیا ہے۔ اتنا ضرور ہے کہ حدیث کے معاملے میں وہ بھی دوسروں کی مانند تھے صحیح اور ضعیف کی معرفت ان کو زیادہ نہیں تھی۔ اس کی دلیل ان کی وہ کتاب ہے جو آج تک لوگوں میں عام ہے اس کا نام ہے ”آداب المشیٰ إلی المسجد“ اس کے شروع میں ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی وہ روایت مذکور ہے جو بے حد ضعیف ہے۔ اس روایت کو ابن ماجہ نے اپنی سنن میں بھی ذکر کیا ہے۔ اس کی سند اس طرح ہے: ((فضیل بن مرزوق، عن عطیة العوفی والسعدی ایضاً)) لیکن وہ عوفی سے زیادہ مشہور ہے، عن ابی سعید الخدری۔ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنے گھر سے مسجد کی طرف نکلے اور کہا: ((اللہم إنی أسألك بحق السائلین علیک وبحق ممشیٰ هذا))^②..... الخ

شیخ نے اپنی کتاب میں اس حدیث کو ذکر کیا ہے لیکن اس کی ضعف کی طرف اشارہ نہیں

① جیسا کہ بتایا جاتا ہے کہ حدیث میں کتاب الحمر ر لا بن عبد الہادی کی مختصر پائی جاتی ہے۔ شیخ محمد طحان نے اس کی طرف اشارہ کیا تھا۔ لیکن شیخ کی طرف سے یہ کوئی تعصب کی بنیاد پر نہیں تھا۔ بلکہ ان کی زیادہ توجہ اس وقت کے رائج شرک و بدعات پر تھی اور اس میں واضح طور پر سلفی عقیدہ کی مدافعت کی اور اس میں وہ کامیاب بھی رہے۔ اسی لیے وہ مسائل پر زیادہ توجہ نہ دے سکے۔ لیکن علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی دعوت کامل اور شامل تھی۔ وہ عقیدہ و احکام سب کو شامل تھی۔

② مسند احمد: ۲۱/۳، ابن ماجہ: (۲۲۸) ابن خزیمہ نے التوحید: ۶/۱، الطبرانی نے الدعاء: (۴۲۱) مذکورہ سند سے۔ لیکن اس کی سند میں ”عطیہ العوفی“ سخت ضعیف بلکہ صاحب مناکیر ہے۔ خاص طور سے جب وہ ابوسعید سے روایت کرتا ہے یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس نے ابوسعید کلبی سے روایت کیا ہے تو یہ متکلم فیہ شخص ہے۔ اس پر تفصیلی بحث کتاب ”ہدم المنارة“ ص: ۱۴۰ میں موجود ہے۔

کیا، نیز اس میں پائی جانے والی دونوں علتوں کا بھی ذکر نہیں کیا دوسری بات یہ ہے کہ یہ حدیث عقیدہ توحید کے سخت خلاف ہے کیونکہ اس میں مخلوق سے واسطہ کا ذکر ہے اس قسم کی حدیث کا نہ صرف علامہ ابن تیمیہ ہی مخالفت کرتے ہیں بلکہ ہر وہ سلفی منہج و فکر کا شخص مخالفت کرے گا جس کے پاس ذرا بھی بصارت و بصیرت ہوگی کیونکہ اس میں صراحۃً مخلوق سے واسطہ لے کر دعا کرنے کا ذکر ہے جو کہ عقیدہ و منہج کے سراسر خلاف ہے ❶ اگر حدیث صحیح ہوتی تو اس کی کچھ تاویل بھی کی جاسکتی تھی جیسا کہ میں نے اپنی بعض کتابوں میں اس کا تذکرہ کیا ہے لیکن یہ حدیث ضعیف بھی ہے اور عقیدہ کے مخالف بھی ہے پھر اس کو مسجد کے آداب میں ذکر کیا گیا ہے کہ جب آدمی اپنے گھر سے نکلے تو اس طرح کی دعا پڑھے۔

یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور شیخ الاسلام محمد بن عبد الوہاب میں بہت فرق ہے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اپنی ہر دعوت، اور دعوت کے ہر گوشے میں سلفی تھے۔ جبکہ محمد عبد الوہاب رحمہ اللہ میں یہ بات نہیں تھی۔ میرا مقصد صرف اس بات کی طرف متنبہ کرنا تھا اور ہر صاحب حق کو اس کا جائز حق دینا تھا۔ الحمد للہ شیخ محمد عبد الوہاب کا میرے دل میں بہت احترام ہے اور علامہ ابن تیمیہ کے بعد وہی شخص ہیں جنہوں نے صدائے توحید بلند کیا اور اس راہ میں کسی ملامت گر کی ملامت کی پرواہ نہیں کی۔

شیخ عبد عباسی کے کلام پر ایک تنبیہ:

شیخ عید عباسی نے اپنے خطاب میں بیان کیا کہ عام لوگ حتیٰ کہ کفار مکہ توحید ربوبیت پر یقین رکھتے تھے یہ بات بالکل درست ہے لیکن دوران کلام انہوں نے یہ بھی بتایا کہ وہ لوگ اس بات پر بھی یقین رکھتے تھے کہ اللہ خالق ہے، مدبر اور حکیم بھی ہے۔ یہاں میں یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ اس بارے میں میرا نقطہ نظر کچھ اور ہے۔ اگر وہ اپنے بیان میں صرف اتنا

❶ حقیقت یہ ہے کہ شیخ پر یہاں کوئی جرح مقصود نہیں ہے کیونکہ کسی بھی عالم سے خطا واقع ہو سکتی ہے۔ ممکن ہے کہ شیخ نے دوسروں کے اس حدیث کی تحسین کرنے کی وجہ سے دھوکہ میں واقع ہو گئے ہوں پھر بھی عقیدہ ہو یا احکام دونوں میں ضعیف احادیث سے اجتناب کرنا چاہیے، صحیح حدیثیں کافی ہیں۔

کہتے کہ وہ لوگ اللہ کے بارے میں خالق اور مدبر ہونے کا عقیدہ رکھتے تھے تو کوئی بات نہیں تھی لیکن انہوں نے کہا کہ ان کا اللہ کے ”حکیم“ ہونے پر بھی یقین تھا یہ کل نظر ہے میں اس کو نہیں مانتا۔ کیونکہ کفار مکہ اللہ کو ”حکیم“ نہیں مانتے تھے۔ افسوس تو یہ ہے کہ جمہور مسلمانوں کا بھی یہی عقیدہ ہے۔ میں اسی پر آپ لوگوں کو متنبہ کرنا چاہتا ہوں۔ پھر اس صفت کے بارے میں بعض اسلامی جماعتیں بھی شک میں پڑ گئی ہیں۔ آپ اشاعرہ کی کتابیں اٹھا کر دیکھیں کہ یہ لوگ کس طرح اس صفت کی تاویل کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ”حکیم“ حکم سے ہے ”حکمت“ سے نہیں اور حکیم ہے فعل کے وزن پر جو بمعنی فاعل ہوتا ہے یعنی وہ حاکم ہے۔^① وہ حاکم اس معنی کر کے نہیں ہے کہ وہ اشیاء کو بناتا ہے پھر اس میں اس کی حکمت بھی شامل ہوتی ہے جب اشاعرہ کے نزدیک اس صفت کا یہ معنی ہے تو گویا کہ وہ اس کا انکار کرتے ہیں۔ ان کی کتابیں اس قسم کی باتوں سے بھری ہیں۔ ان سے جب سوال ہوتا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ چھوٹے چھوٹے بچوں کو عذاب دینے یا تکلیف دینے میں کیا حکمت ہے؟ اسی طرح جانوروں کو عذاب دینے میں کیا حکمت ہے؟

درحقیقت ایک پختہ مومن جو اللہ تعالیٰ کی حکمت پر ایمان رکھتا ہے۔ وہ یہی کہتا ہے کہ اللہ کی حکمت کا مجھے علم نہیں ہے۔ اگرچہ بعض علماء توحید اس کی حکمت بیان کرنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن میرا اعتقاد و یقین یہی ہے کہ ہر مسلمان اللہ تعالیٰ کے تصرفات میں اس کی حکمتوں کو نہیں تلاش کر سکے گا لہذا نتیجہ یہی نکلا کہ اس پر ایمان رکھا جائے گا جیسا کہ مومن کی صفت ہے کہ وہ غیب پر بھی ایمان رکھتے ہیں۔ نمازیں قائم کرتے ہیں۔ اب غیب پر ایمان ہی

① علامہ ہراس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ”الحکیم“ بھی ہے۔ وہ یا تو فعل بمعنی فاعل ہے یعنی ”ذوالحکم“ یعنی حکم والا یعنی وہی ذات اشیاء پر حکم لگاتی ہے یا فعل بمعنی مفعول ہے یعنی جو اشیاء کو حکم اور مضبوط بناتا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ”الحکیم“ ذوالحکمتہ کے معنی میں ہے۔ قرآن مجید میں ”الحکیم“ اور ”الحکم“ دونوں بکثرت موجود ہیں جو اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ حکیم ہے حکمت والا ہے اور ایسا حاکم ہے جو اپنے بندوں کے درمیان فیصلہ کرے گا۔ تعالیٰ اللہ عما یقولون من التعطیل والتاویل۔

مومن صادق اور مومن کاذب کے درمیان صحیح فیصلہ کرے گا۔ جب اللہ نے اپنے حکیم ہونے کی صفت بیان کی ہے تو ہمیں اس پر ایمان لانا ضروری ہے چاہے ہم اس کی حکمت سمجھ سکیں یا نہیں یا اس کی حکمت ہمارے سامنے ظاہر ہو یا نہ ہو۔ چونکہ اشاعرہ اللہ تعالیٰ کے بعض تصرفات کے ادراک میں عاجز ہو گئے ہیں اس لیے وہ نص قرآنی سے منحرف ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿فَعَالٌ لِّمَآ يُرِيدُ﴾ اور ﴿لَا يُسْأَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ لَا يَسْأَلُونَ﴾ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ جو کچھ کرتا ہے اس کے بارے میں سوال نہ کیا جائے کیونکہ وہ وہ کام انجام دیتا ہے جس کے اندر کوئی حکمت نہیں۔ ﴿فَعَالٌ لِّمَآ يُرِيدُ﴾ کا مطلب ہے کہ وہ زمین کے ظالم و جابر حاکموں کے مانند اپنے جبروت کی حدود میں تصرف کرتا ہے وہ کسی عدل و انصاف کے ساتھ مقید نہیں ہے اور نہ ہی کسی حکمت کے ساتھ وہ ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ﴾ کہتے ہیں لیکن اس میں بھی غلو سے کام لیتے ہیں حتیٰ کہ قرآن و حدیث میں موجود بہت سی صفات کا انکار کر دیتے ہیں اس کے باوجود ان کی تاویلیں کرتے رہتے ہیں، کیوں؟ وہ کہتے ہیں کہ ہم اس سے اللہ تعالیٰ کو منزرہ کرتے ہیں۔ پھر یہ لوگ ان سب کو بھلا کر اللہ تعالیٰ کی وہ صفت بیان کرتے ہیں جو دنیاوی ظالم و جابر بادشاہوں کی ہوئی ہے یعنی وہ بغیر عدل و حکمت کے جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ تعالیٰ اللہ عما یقولون۔

اشاعرہ کے تناقضات:

جو شخص بھی فہم سلف اور منہج سلف سے روگردانی کرے گا اور کتاب و سنت کی واضح تعلیمات میں اپنی عقلی موشگافیوں سے گل کھلانا شروع کرے گا تو یقیناً گمراہی کے عمیق غار میں جا گرے گا۔ یہی حال اشاعرہ کا ہوا کہ انہوں نے کھل کر اپنی مشہور کتاب ”الجوہرۃ“ میں یہ کہہ دیا کہ ”اللہ تعالیٰ فرمانبرداروں کو عذاب دے سکتا ہے اور نافرمانوں کو ثواب، اس کی شرح بعض اشاعرہ نے یہ کی ہے..... تعالیٰ اللہ عما یقول الظالمون علواً کبیراً..... کہ اللہ تعالیٰ محمد ﷺ کو جہنم کے نچلے طبقہ میں ڈال سکتا ہے اور مردود ابلیس کو اس مقام میں پہنچا سکتا ہے جس مقام اعلیٰ کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((أرجوا ان اکون أنا هو)) ﴿۱﴾ ”کہ میں اس میں ہوں گا۔“ اس طرح ضلالت و گمراہی والی بات کون کرے گا ظاہر بات ہے کہ جس کی عقل پر پردہ پڑ گیا ہو اور وہ حق و ناحق میں کچھ بھی تمیز نہ کر سکتا ہو، جب ان لوگوں سے دلیل مانگی جاتی ہے کہ تم نے اتنی بڑی بات کس بنیاد پر کہی ہے تو وہ یہ جواب دیتے ہیں کہ قرآن میں آیت کریمہ مطلق ہے یعنی ﴿فَعَالٌ لِّمَا يُرِيدُ﴾ یہ مطلق ہے اس کے اطلاق سے یہ معنی پیدا ہوتا ہے کہ اللہ کے پاس عدل نہیں ہے حاشا اللہ۔ کیا اللہ تعالیٰ کوئی کام بغیر حکمت کے کرے گا۔ حاشا للہ۔ تعالیٰ اللہ عما یقولونہ۔

اہل سنت کا طریقہ استدلال:

اہل سنت کا طریقہ یہ ہے کہ وہ کسی ایک نص کو بنیاد بنا کر کسی مسئلہ پر حکم نہیں لگاتے ہیں بلکہ اس مسئلہ میں مختلف نصوص کو جمع کرتے ہیں پھر کوئی نتیجہ اخذ کرتے ہیں اور ہم بھی یہی بات ہمیشہ کہتے رہتے ہیں۔ ”فعال لما یرید“ اس نص سے اللہ تعالیٰ یہ بتانا چاہتا ہے کہ اس کے درمیان اور اس کے عمل کے درمیان کوئی حائل نہیں ہو سکتا۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ حکیم نہیں ہے، وہ عادل نہیں ہے۔ اگر وہ ذات باری عدل نہیں کرے گا تو کون کرے گا؟ اللہ تعالیٰ تو خود فرماتا ہے:

﴿أَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِينَ كَالْمُجْرِمِينَ ۚ مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ﴾

”کیا ہم مسلمانوں کو مجرموں کے مانند کر دیں گے تمہیں کیا ہو گیا ہے تم لوگ کیسے حکم لگاتے ہو۔“

دنیا میں ظالم و جابر بادشاہوں کی حالت تو یہ ہے کہ اچھے اور صالح آدمی کو بالکل غرق کر دیتے ہیں اور اگر کوئی نوکری دیتے ہیں تو بہت معمولی قسم کی جس سے خود کا گزر اوقات بہت مشکل ہے اہل و عیال کی تو دور کی بات اسی طرح فاسق و فاجر، چور، ڈاکو وغیرہ کو اعلیٰ سے اعلیٰ نوکریاں اونچی سے اونچی تنخواہوں کے ساتھ دیتے ہیں یہ دنیاوی بادشاہوں کی حالت

ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی ذات بہت بلند ہے وہ اعلیٰ و اکمل ہے وہ صفت کمال کے منافی ہر چیز سے منزہ ہے میں انہی باتوں پر آپ لوگوں کو متنبہ کرنا چاہتا تھا۔

اسی لیے سلفی دعوت تمام مسلمانوں کو کتاب و سنت کی طرف دعوت دیتی ہے۔ وہ علماء کلام کے قیل و قال سے دور رہنے کی دعوت دیتی ہے کیونکہ ان کے کلام میں الحاد و کفر ہے۔ جیسا کہ آپ نے ابھی دیکھا۔^❶

دوسری دعوتوں کے مقابلے میں سلفی دعوت کی خصوصیت:

یہ بات ذہن نشین رہے کہ سلفی دعوت اس معنی میں دوسری دعوتوں سے مل جاتی ہے کہ وہ بھی دعویٰ کرتے ہیں کہ ان کی بنیاد کتاب و سنت ہے۔ اس طرح سلفی دعوت کی گویا کوئی فضیلت اور خصوصیت نہیں ہے لیکن جب آپ غور کریں گے تو آپ محسوس کریں گے کہ سلفی دعوت صرف یہی نہیں کہتی ہے کہ کتاب و سنت کو بنیاد بنا دیا احکام و مسائل میں انہی دونوں کی طرف رجوع کرو، بلکہ اس کی اہم دعوت یہ ہے جو دوسروں میں نہیں ہے کہ وہ یہ کہتی ہے کہ کتاب و سنت کو اس طرح سمجھنے کی کوشش کرو جس طرح سلف صالحین نے سمجھا ہے۔ اپنے فہم کو ان کے فہم کے مطابق بنانے کی کوشش کرو۔ نیز انہی سلف صالحین کے منہج کو اختیار کرو۔ اس منہج کو نہیں اختیار کرو گے تو گمراہ ہو جاؤ گے۔ اسی کی طرف رسول اللہ ﷺ نے حدیث میں اشارہ کیا ہے جب آپ ﷺ نے فرمایا: ((کلہا فی النار إلا واحدة)) یعنی سارے فرقے جہنمی ہیں سوائے ایک جماعت کے، صحابہ کرام نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! وہ جماعت کون سی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ((ہی ما أنا علیہ وأصحابی)) یہ وہ جماعت ہے جس پر میں ہوں اور میرے اصحاب۔ ایک دوسری روایت میں ہے: ((علیکم

❶ اسی لیے ائمہ کرام نے متفقہ طور پر علم کلام سے روکا ہے۔ امام شافعی نے کہا: میرا فیصلہ متکلمین کے بارے میں یہ ہے کہ ان پر کوڑے برسائے جائیں اور انہیں اونٹ پر بٹھا کر محلوں اور قبیلوں میں گھمایا جائے اور یہ صدا لگائی جائے: کہ جس نے متکلمین کے اقوال کو لیا اور کتاب و سنت کو چھوڑا اس کا یہی انجام ہوگا۔ (مناقب الشافعی للبیہقی:

بسنّتی و سنة الخلفاء الراشدين)) تم میری سنت کو لازم پکڑو اور خلفاء راشدین کی سنت کو لازم پکڑو۔

جب آپ ان احادیث میں غور کریں گے تو دیکھیں گے کہ ان میں وہ قید موجود ہے جس کو سلفی حضرات مضبوطی سے پکڑے ہوئے ہیں اور وہ قید یہی ہے: کتاب و سنت اور منہج سلف صالحین کا فہم یہی چیز ان کو دوسری جماعتوں سے ممتاز کرتی ہے اور یہی اصل ہے۔ اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے صرف یہی نہیں کہا کہ جس پر میں ہوں یا صرف میری سنت کو لازم پکڑو بلکہ آپ نے صحابہ کرام کے بارے میں بھی کہا کہ جس پر میں ہوں اور میرے اصحاب، میری سنت کو لازم پکڑو اور خلفاء راشدین کی سنت کو۔ یہ مفہوم قرآن مجید سے ماخوذ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ ۖ وَسَاءَتْ مَصِيرًا﴾

(النساء: ۱۱۵)

”اور جو شخص اس کے سامنے ہدایت واضح ہو جانے کے بعد رسول کی مخالفت کرتا ہے اور مومنوں کے راستے کے علاوہ دوسرے راستے پر چلتا ہے تو ہم اس کو اسی کا والی بنادیں گے اور اس کو جہنم میں داخل کر دیں گے اور جہنم برا ٹھکانا ہے۔“

اب آپ غور کریں کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ﴿وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ﴾ کیوں کہا؟ یہ جملہ بیانیہ ہے جو بہت اہم ہے۔ وہ چاہتا تو صرف اتنا کہہ سکتا تھا کہ ﴿وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ﴾ لیکن اس نے رسول کی مخالفت میں اس جملے کو بھی ملا دیا: ﴿وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ﴾ یعنی جو شخص مومنوں کے راستے کو چھوڑ دیتا ہے وہ بھی رسول کی مخالفت میں داخل ہے۔ یہی منہج سلف ہے۔ اسی بارے میں علامہ ابن القیم رحمہ اللہ نے کہا تھا کہ علم وہ ہے جس کو اللہ اور اس کے رسول اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا ہو۔

خلاصہ کلام یہ کہ سلفی دعوت کی بنیاد یہ ہے کہ قرآن و سنت کا فہم اسی طرح ہو جس طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سمجھا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا عقیدہ ہر قسم کی بدعات و خرافات سے محفوظ ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عقیدہ و منہج سے جب دور ہو گئے تو معتزلہ، جبریہ، قدریہ، شیعہ مرجیہ وغیرہ جیسے فرقے وجود میں آ گئے اور بہت سے اسلامی مفکرین منہج صحابہ سے ہٹ کر اسلام کے نام پر ایسی ایسی باتیں لکھتے ہیں جن کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں لیکن یہ غلطیاں اور خرابیاں وہی گرفت کر سکتا ہے جو کتاب و سنت کو مضبوطی سے پکڑنے کے ساتھ ساتھ صحابہ کرام کے منہج پر قائم ہو۔ یہ چند نصیحتیں ہیں اور نصیحت مومنوں کے لیے نفع بخش ہے اسی پر اکتفاء کرتا ہوں۔

والحمد لله رب العالمین



سلفی منہج کی تعریف

(تالیف:.....محمد بن عمر بن سالم بازمول)

معاشرے میں ”سلفی“ اور ”سلفی منہج“ بہت عام ہے۔ بعض لوگ ایسے ضرور پائے جاتے ہیں جو اپنے آپ کو ”سلفی“ کہتے ہیں، لیکن ”سلفی“ کیا ہے، اس کا منہج و مسلک کیا ہے؟ لوگ اپنے آپ کو سلفی کیوں کہتے ہیں؟ حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی تو معلوم ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ مسلمانوں کی اکثریت انہی چاروں ائمہ کرام کی جانب اپنے آپ کو منسوب بھی کرتی ہے۔ مگر یہ ”سلفی“ کہاں سے آگئے اور یہ اپنے آپ کو ”سلفی“ کیوں کہتے ہیں؟ ان کا عقیدہ و مسلک کیا ہے؟ آئیے! ان تمام سوالات کے جوابات آئندہ سطور میں تفصیل کے ساتھ ملاحظہ کریں:

لیکن قبل اس کے کہ ہم مذکورہ سوالات کے جوابات میں داخل ہوں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے ”سلفی“ اور ”منہج“ کے لغوی معنی معلوم کریں اور دیکھیں کہ اصحاب لغت نے ان دونوں لفظوں کے کیا معنی بتائے ہیں تاکہ باقی مباحث سمجھنے میں آسانی ہو۔

”سلفی“ کا لغوی مفہوم:

لفظ ”سلفی“ سلف کی طرف منسوب ہے۔ گزرے ہوئے آباء اجداد پر اس لفظ کا اطلاق ہوتا ہے گویا کہ آباء اجداد ”سلف“ ہیں، یہ لفظ مفرد ہے۔ اس کی جمع ”سُلافاً“، واسلاف ہے، گزرے ہوئے لوگوں کے لیے ”قوم سلاف“ بولا جاتا ہے، اور ”منہج“ کا معنی واضح راستہ اور طریق ہے۔ یہاں مراد وہ راستہ اور وہ واضح علامت ہے جسے منزل تک رسائی کے لیے اختیار کیا جاتا ہے۔ اب سلفی سے مراد وہ واضح راستہ اور طریقہ ہے جس کو اختیار کرنے میں رسول اللہ ﷺ

① یہ مفید کتابچہ اس کی افادیت کے پیش نظر اس کتاب میں شامل کر دیا گیا تاکہ قارئین کو اس موضوع پر زیادہ سے زیادہ معلومات مل سکیں۔

اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی صحیح اتباع اور پیروی حاصل ہوتی ہے یا صحابہ کرام کے راستے پر چلنے کی توفیق نصیب ہوتی ہے، کیونکہ انھوں نے کلی طور پر رسول اللہ ﷺ کی اتباع کی تھی اور مضبوط طریقے سے سنت نبوی پر عمل پیرا تھے۔ یہ بات ذہن نشین رہے کہ سلف صالحین کی طرف نسبت کر کے ”سلفی“ کہنا اہل علم سے ثابت ہے، اور ”سلفیہ“ وہی راستہ ہے جس پر اہل حدیث ہیں اور یہی اہل حدیث اہل سنت و الجماعت بھی ہیں۔ ان کو کبھی اہل حدیث، اہل سنت و الجماعت، کبھی سلفی اور سلف کے پیروکار کہہ کر پکارا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ ۖ وَسَاءَتْ مَصِيرًا﴾

(النساء: ۱۱۵)

”جو شخص اس کے سامنے ہدایت واضح ہو جانے کے بعد رسول کی مخالفت کرتا ہے اور مومنوں کے راستے کو چھوڑ کر غیر کی پیروی کرتا ہے تو ہم اس کو اسی کا والی بنادیں گے اور اس کو جہنم میں داخل کردیں گے اور جہنم بہت برا ٹھکانا ہے۔“

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مذکورہ آیت میں مومنوں کے راستے سے کیا مراد ہے؟ تو اس کا آسان سا جواب یہی ہے کہ اس سے وہ راستہ مراد ہے جس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم گامزن تھے۔ اب اس راستے کو چھوڑ کر دوسرے راستوں کو اختیار کرنا یہی غیر مومنوں کا راستہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((عليكم بسنتي ، وسنة الخلفاء الراشدين المهديين من بعدي .))^①

① مسند احمد: ۴/ ۱۲۶، ۱۲۷، دارمی نے مقدمہ باب اتباع السنة میں، ترمذی نے کتاب العلم باب ما جاء في الآخذ بالسنة واجتناب البدع میں نمبر حدیث: ۲۶۷۶، ابوداؤد نے کتاب السنہ، باب لزوم السنہ حدیث: ۴۶۰۷ میں، ابن ماجہ نے مقدمہ باب اتباع سنة الخلفاء الراشدين میں حدیث نمبر: ۴۲، ۴۵ اور امام ترمذی نے اس حدیث کے بارے میں کہا یہ حدیث حسن ہے صحیح ہے۔ علامہ البانی نے ارواء الغلیل ۸/ ۱۰۷ میں نقل کر کے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ حدیث: نمبر ۲۳۵۵ ہے۔

”تم لوگ میری سنت کو لازم پکڑو، اور میرے خلفاء راشدین کی سنت کو لازم پکڑو۔“

ابو حاتم بن حبان نے رسول اللہ ﷺ کے قول ((علیکم بسنتی)) کے بارے میں کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا یہ قول اس بات میں واضح دلیل ہے کہ جس نے بھی آپ ﷺ کی سنت پر عمل کیا، اس پر ہمیشگی اختیار کرتا رہا اور اسی سنت کے مطابق کہتا بھی رہا سنت کو چھوڑ کر کسی دوسرے آراء و اقوال کی طرف مائل نہیں ہوتا تو ایسا شخص اس جماعت سے ہوگا جو بروز قیامت جہنم سے نجات پائے گی۔

سیدنا ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لا تزال طائفة من أمتی علی الحق ظاہرین ، لا یضرہم من

یخذلہم حتی یاتی أمر اللہ .)) ❶

”میری امت کا ایک گروہ مسلسل حق پر غالب رہے گا، اس کو ذلیل و خوار کرنے والے اسے نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔ یہاں تک کہ اللہ کا حکم آجائے، یعنی قیامت آجائے۔“

امام ابو عیسیٰ ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے کہا کہ میں نے علی بن مدینی سے سنا، انھوں نے اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد کہا کہ اس حدیث سے مراد ”اہل حدیث“ ہیں۔ ❷

معاویہ بن ابوسفیان سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے درمیان کھڑے ہوئے اور فرمایا:

((الا إن من قبلکم من أهل الکتاب افرقوا علی ثنتین

وسبعین ملة ، وإن هذه الملة ستفترق علی ثلاث وسبعین ،

❶ یہ حدیث متواتر ہے۔ اقتضاء الصراط المستقیم ص ۹۳ نظم المتناثر، ص ۹۳۔

❷ سنن ترمذی، کتاب الفتن، باب ما جاء فی الائمة المضلین، حدیث نمبر: ۲۲۲۹۔

ثنتان وسبعون في النار و واحدة في الجنة، وهي الجماعة.)) ❶

”خبردار تم سے پہلے اہل کتاب بہتر فرقوں میں بٹ گئے تھے اور یہ ملت تہتر فرقوں میں بٹے گی بہتر جہنم میں جائیں گے اور ایک جنت میں اور وہ جماعت ہے۔“

ابام ترمدی نے عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری امت پر ہو بہو وہی چیزیں آئیں گی جو بنی اسرائیل پر آئی تھیں اور بے شک بنی اسرائیل بہتر فرقوں میں بٹ گئے تھے اور میری امت تہتر فرقوں میں بٹے گی۔ سب کے سب جہنمی ہوں گے سوائے ایک جماعت کے، لوگوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! وہ جماعت کون سی ہوگی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جس پر میں ہوں اور میرے صحابہ کرام ہیں۔

سلفی اصول و ضوابط:

آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ سلفی جماعت تین اصولوں پر قائم ہیں:

- ۱: عبادت کی تمام قسموں کو صرف اور صرف اللہ وحدہ لا شریک کے لیے ادا کرنا۔
- ۲: جماعت کو لازم پکڑے رہنا، اس سے علیحدگی نہ اختیار کرنا اور ہمیشہ سمع و طاعت کے اصول پر قائم رہنا۔
- ۳: ہر قسم کی بدعات و خرافات اور بدعتیوں سے دور رہنا۔

”سوال: جناب! آپ نے سلفی جماعت کے اصول تو بتادیے یہ تو صرف آپ کا دعویٰ ہوا ہے اور ہم نے سنا ہے کہ کوئی بھی دعویٰ بغیر دلیل کے باطل ہوتا ہے، لہذا آپ سے گزارش ہے کہ آپ اپنے ان دعویٰ کی دلیل بتا دیجیے؟“

”جواب: یقیناً دعویٰ بغیر دلیل کے باطل ہوتا ہے۔ ہم آپ کو دلیل ضرور دیں گے اور یہ بھی

❶ مسند احمد: ۴/۱۰۲، ابوداؤد، کتاب السنة، باب شرح السنة حدیث: ۴۵۹۲، الاجری نے الشریعة ۱۳۲/۱ محقق طبع، نمبر (۳) اس کی اعادہ صحیح ہے۔ جامع الاصول: ۳۲/۱، سلسلۃ الاحادیث الصحیحة للالبانی، ۲۰۴۔

جان لیجیے کہ ہماری دلیل کسی عالم یا مفتی کا قول نہیں ہوگا۔ بلکہ ہم سب کے نبی جناب محمد رسول اللہ ﷺ کے اقوال مبارک ہوں گے۔ اب دلیل ملاحظہ فرمائیے:

عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

((وَعَظَنَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَوْمًا - بَعْدَ صَلَاةِ الْغَدَاةِ - مَوْعِظَةً بَلِيغَةً ذَرَفَتْ مِنْهَا الْعُيُونُ، وَوَجَلَتْ مِنْهَا الْقُلُوبُ، فَقَالَ رَجُلٌ: إِنَّ هَذِهِ مَوْعِظَةٌ مُودَّعٌ فَمَاذَا تَعْهَدُ إِلَيْنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ: أَوْصِيكُمْ بِتَقْوَى اللَّهِ، وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَإِنْ عَبْدٌ حَبَشِيٌّ، فَإِنَّهُ مَنْ يَعِشْ مِنْكُمْ يَرَى اخْتِلَافًا كَثِيرًا. وَإِيَّاكُمْ وَمُحَدَّثَاتِ الْأُمُورِ فَإِنَّهَا ضَلَالَةٌ، فَمَنْ أَدْرَكَ ذَلِكَ مِنْكُمْ فَعَلَيْهِ بِسُنَّتِي، وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمَهْدِيِّينَ عَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ.)) ❶

”رسول اللہ ﷺ نے ایک دن صبح کی نماز کے بعد ہم لوگوں کو بڑے فصیح و بلیغ انداز میں نصیحت کی، آنکھیں اشک بار ہو گئیں، دل دہل گئے اور خوفزدہ ہو گئے، یہاں تک کہ ایک صحابی پریشان ہو کر اٹھ کھڑے ہوئے اور فرمانے لگے: اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا یہ آخری نصیحت تو نہیں ہے؟ لہذا آپ ہمیں کس چیز کا حکم دیتے ہیں؟ اب آپ ﷺ نے فرمایا: ((أَوْصِيكُمْ بِتَقْوَى اللَّهِ..... عَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ.)) میں تمہیں تقویٰ اختیار کرنے کی وصیت کرتا ہوں اور سماع و طاعت اختیار کرنے کی، اگرچہ کوئی حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو، اس لیے کہ تم میں سے جو شخص زندہ رہے گا وہ بہت اختلافات دیکھے گا، اور یاد رکھو نئے نئے امور سے بچتے رہو، کیونکہ یہ ضلالت و گمراہی ہیں، اب اگر تم میں سے کوئی شخص اس کو پالے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ اس موقع پر میری سنت کو

❶ اس کی تخریج پہلے گزر چکی ہے۔

لازم پکڑے اور خلفاء راشدین کی سنت کو لازم پکڑ لے، اور اس کو دانتوں سے مضبوطی سے پکڑے رہے، یعنی فتنوں کے وقت مضبوطی کے ساتھ سنت پر قائم رہے۔“

دوسری دلیل ملاحظہ کیجیے! ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((إِنَّ اللَّهَ يَرْضَى لَكُمْ ثَلَاثًا، وَيَسْخَطُ لَكُمْ ثَلَاثًا، يَرْضَى لَكُمْ أَنْ تَعْبُدُوهُ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا، وَأَنْ تَعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا، وَأَنْ تَتَصَحَّحُوا، مَنْ وَلَاهُ اللَّهُ أَمْرَكُمْ وَيَسْخَطُ لَكُمْ قِيلَ وَقَالَ، وَإِضَاعَةَ الْمَالِ، وَكَثْرَةَ السُّؤَالِ.)) ❶

”بے شک اللہ تعالیٰ تم سے تین باتوں سے خوش ہوتا ہے اور تم سے تین باتوں سے ناراض ہوتا ہے۔ جن تین باتوں سے خوش ہوتا ہے وہ یہ ہیں: تم سب اسی اللہ واحد کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ، اور سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو اور اللہ تعالیٰ نے جس کو تمہارے امور کا حاکم بنا دیا اس کے ساتھ خیر خواہی کرو اور جن تین باتوں سے ناراض ہوتا ہے وہ یہ ہیں: قیل و قال سے، مال ضائع کرنے سے، اور کثرت سوال سے۔“

یہی معنی زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے فرماتے ہوئے سنا: www.kitabosunnat.com

((نضر الله امرءاً سمع منا حديثاً فحفظه حتى يبلغه غيره، فرب حامل فقه ليس بفقيه، ورب حامل فقه إلى من هو أفقه منه، ثلاث خصال لا يغفل عليهن قلب مسلم ابداً: إخلاص العمل لله، ومناصحة ولاة الأمر ولزوم الجماعة،

❶ مؤطا امام مالك، باب ما جاء في إضاعة المال، وذی الوجہین، حدیث: ۱۸۶۳، مسند احمد میں بھی اسی طرح ہے۔ صحیح مسلم، کتاب الأضیة باب النهی عن كثرة المسائل من غیر حاجة حدیث نمبر: ۱۷۱۵، سوائے اس قول کے: ”وَأَنْ تَتَصَحَّحُوا مِنْ وَلَاهِ اللَّهِ أَمْرَكُمْ۔“

فإن دعوتهم تحيط بهم من ورائهم)) ❶

”اللہ تعالیٰ ایسے شخصوں کو تروتازہ رکھے جس نے ہم سے حدیث کو سنا، پھر اس کو محفوظ کر لیا یہاں تک دوسروں کو پہنچاتا ہے کیونکہ بہت سے فقہ کے حامل فقیہ نہیں ہوتے ہیں اور بہت سے فقہ کے حامل اس کے زیادہ فقیہ ہوتے ہیں۔ تین خصلتیں ایسی ہیں جن سے مسلمان کا دل کبھی بھی حسد نہیں کرتا ہے، اخلاص عمل، حاکم وقت کے لیے نصیحت اور جماعت کا التزام۔“

سلف صالحین کے فہم کے مطابق

کتاب و سنت کی اتباع میں اللہ تعالیٰ کی اتباع کرنا

سوال: اللہ تعالیٰ کی عبادت کیسے کی جائے، کیا وہ شخص آزاد ہے کہ جس طرح چاہے اپنی مرضی کے مطابق اس کی عبادت کرتا جائے یا شریعت نے کچھ اصول و ضابطے متعین کیے ہیں؟

جواب: جی ہاں، شریعت نے عبادت کے اصول و ضوابط ضرور متعین کیے ہیں۔ وہ یہ ہیں کہ اللہ کی عبادت اس طرح کی جائے جس طرح شریعت نے بتایا ہے اس میں انسانی مرضی کا کوئی دخل نہیں ہے۔

سوال: کلمہ اخلاص کیا ہے؟ اور براہ کرم اس کلمے کی حقیقت واضح کر دیجیے؟

جواب: کلمہ اخلاص یہ ہے: ”اشھد ان لا الہ الا اللہ، واشھد ان محمدا عبده ورسوله“ اب اس کلمے کی حقیقت ملاحظہ فرمائیے: اس کلمے کا اقرار کرنے والا کہتا ہے کہ ”میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی دوسرا معبود نہیں ہے اور اس بات کی بھی گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں۔“ گویا دین اسلام انہی دونوں اصولوں پر قائم ہے۔ پہلی اصل یہ ہے کہ اس کلمے کا اقرار کرنے والا یہ کہتا ہے کہ اب صرف

❶ یہ حدیث مختلف سندوں سے ثابت ہے۔ ان میں سے بعض صحیح بعض حسن اور بعض میں علت ہے۔

اور صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں گے اب اس کی عبادت میں کسی دوسرے کو ہرگز شریک نہیں کریں گے۔ عبادت کی جتنی قسمیں ہیں انھیں صرف اللہ تعالیٰ کے لیے بجالائیں گے۔ دوسری اصل یہ ہے: ہم اللہ تعالیٰ کی عبادت اب اپنی مرضی کے مطابق نہیں کریں گے، بلکہ جس طرح عبادت کرنے کا طریقہ ثابت ہے اسی طریقے سے اس کی عبادت کریں گے، یعنی شریعت سے جس طرح ثابت ہے اسی طرح اپنی مرضی کا کوئی دخل نہیں ہے۔

یہ وہ بنیادی اصول ہیں جن پر سلفی منہج قائم ہے، یعنی شریعت کی پیروی میں عبادت الہی کو انجام دینا۔ اب اگر کسی نے اس کی مخالفت کی تو وہ صراط مستقیم سے بھٹک گیا۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((إِنِّي قَدْ تَرَكْتُ فِيكُمْ شَيْئَيْنِ لَنْ تَضِلُّوا بَعْدَهُمَا: كِتَابَ اللَّهِ،

وَسُنَّتِي، وَلَنْ يَتَفَرَّقَا حَتَّى يَرْدَا عَلَيَّ الْحَوْضَ.))^①

”میں نے تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑی ہیں تم ان دونوں کے بعد کبھی بھی گمراہ نہیں ہو گے: اللہ کی کتاب اور میری سنت، اور یہ دونوں جدا نہیں ہوں گے یہاں تک دونوں کے دونوں میرے پاس حوض کے پاس آئیں گے۔“

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حجتہ الوداع کے موقع پر لوگوں کو خطاب کیا۔ آپ ﷺ نے اس میں فرمایا:

((يَا أَيُّهَا النَّاسُ، إِنِّي قَدْ تَرَكْتُ فِيكُمْ مَا إِنْ اعْتَصَمْتُمْ بِهِ فَلَنْ

① سنن دارقطنی: ۲۴۵/۴، مستدرک (علوش ۲۸۴/۱، نمبر ۳۲۴) بیہقی ۱۱۴/۱، مجمع الزوائد ۱۶۳/۹ میں ہے اس کو بزار نے روایت کیا ہے اس میں ایک راوی صالح بن مویٰ ^{نظا} لکھی ہے اور وہ ضعیف ہے۔ حاکم میں حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں: عن ابی صالح عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ انی قد ترکت فیکم شیئین لن تضلوا بعدہما، کتاب اللہ وسنتی ولن یتفرقا حتی یردا علی الحوض۔ لیکن تمام سندوں میں ”صالح بن مویٰ“ ہے لیکن حاکم و بیہقی نے اسی مقام پر ابن عباس سے حدیث نقل کیا ہے اس میں ہے: یا ایہا الناس، انی قد ترکت فیکم ما ان اعتصمتم بہ فلن تضلوا ۳۱ ابدا کتاب اللہ وسنة نبیہ ﷺ۔ ”موطا میں ہے: ”ترکت فیکم امرأ لن تضلوا ما تمسکتم بہما کتاب اللہ وسنة نبیہ۔“ ان تمام شواہد سے حدیث حسن لغیرہ کے درجہ تک پہنچ جاتی ہے۔

تصلوا أبدا: کتاب اللہ، و سنة نبیہ .)) ❶

”اے لوگو! میں نے تمہارے درمیان ایسی چیز چھوڑی ہے کہ اگر تم اس کو مضبوطی سے پکڑے رہو گے تو کبھی بھی گمراہ نہیں ہو گے، اللہ کی کتاب اور اس کے نبی کی سنت۔“

کثیر بن عبد اللہ بن عمرو بن عوف اپنے باپ سے وہ اپنے دادا سے روایت کر کے کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں نے تمہارے درمیان دو امر کو چھوڑا ہے کہ اگر تم ان دونوں کو مضبوطی سے پکڑے رہو گے تو کبھی بھی گمراہ نہ ہو گے۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کے نبی ﷺ کی سنت۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں: ((ترکت فیکم سنة نبیہ ﷺ .)) ❷

حقیقت یہی ہے کہ جس نے بھی کتاب و سنت کو مضبوطی سے پکڑ لیا وہ ہدایت یاب ہو گیا اور یہ بات واضح رہے کہ مخلوق میں سب سے زیادہ کتاب و سنت کو جاننے اور سمجھنے والے صحابہ کرام ہیں لہذا جو شخص سلف صالحین کے فہم کے مطابق کتاب و سنت کی پیروی کرے گا وہ یقیناً کامیاب و کامران ہوگا۔

جماعت کو لازم پکڑنا اور حاکم وقت کی

سمع و طاعت کرنا ضروری ہے

سوال: سلف صالحین کی خصوصیت کیا ہے؟

جواب: سلف صالحین کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ جماعت کو لازم پکڑتے ہیں۔ حاکم وقت کے حقوق کی رعایت کرتے ہیں اور یاد رکھئے کہ ان حقوق میں سب سے اہم حق یہ ہے کہ ان کی سمع و طاعت کی جائے۔ ہاں، اگر وہ معصیت کا حکم دیں تو ان کی اطاعت

❶ پہلے گزر چکا ہے۔

❷ ابن عبد البر نے تمہید میں اس کو نقل کیا ہے۔

نہیں ہے۔ ❶

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَ أُولَى الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا﴾

(النساء: ۵۹)

”اے لوگو! جو ایمان لائے ہو تم اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور حاکم وقت کی بھی بات مانو اگر وہ تم میں سے ہو، پھر اگر کسی معاملے میں تنازع ہو جائے تو اس کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹا دو اور اگر تم اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو یہ سب سے بہتر اور اچھی تاویل ہے۔“

اس آیت میں اس بات پر واضح دلیل ہے کہ حاکم وقت کی اس وقت تک اطاعت ضروری ہے جب تک وہ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کا حکم نہ دیں، علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک قافلہ بھیجا۔ ایک انصاری شخص کو اس کا امیر بنادیا اور لوگوں کو حکم دیا کہ ان کی بات مانیں تو وہ امیر لوگوں پر غصہ ہو گئے اور کہنے لگے: کیا رسول اللہ ﷺ نے تم لوگوں کو اس بات کا حکم نہیں دیا تھا کہ تم لوگ میری بات مانو؟ لوگوں نے جواب دیا: کیوں نہیں، امیر صاحب نے کہا کہ میں نے تم کو حکم دیا تھا کہ تم لکڑیاں جمع کرو اور ان کو بھڑکا دو، پھر تم سب کے سب اس میں داخل ہو جاؤ۔ لوگوں نے ایسا ہی کیا کہ لکڑیاں جمع کیں اور اس کو بھڑکا دیا، پھر جب اس میں داخل ہونا چاہا تو ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ ان میں سے ایک نے کہا: ہم نے رسول اللہ ﷺ کی پیروی اس لیے کی ہے تاکہ آگ سے

❶ ”لا طاعة لولی الامر اذا امر بمعصية الله“ یعنی حاکم وقت کی اس وقت اطاعت نہیں ہے جب وہ اللہ کی نافرمانی کا حکم دیں لیکن اگر وہ کسی حرام کام کرنے کا حکم دیں تو اس وقت ان کی نافرمانی واجب ہے بلکہ اللہ کا حکم اور اس کی اطاعت واجب ہے۔

نجات ملے تو کیا ہم اس میں داخل ہو جائیں؟ وہ آپس میں ایسے ہی باتیں کر رہے تھے کہ اتنے میں آگ ٹھنڈی ہو گئی اور ان کا غصہ بھی کم ہو گیا۔ جب اس واقعہ کا ذکر رسول اللہ ﷺ سے کیا گیا تو آپ نے فرمایا: ”لو دخلوها ما خرجوا منها ابدا، إنما الطاعة في المعروف“ اگر لوگ اس میں داخل ہو جاتے تو اس سے کبھی نجات نہ پاتے اور یاد رکھو کہ اطاعت معروف میں ہے۔“

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((السمع والطاعة حق، مالم يؤمر بالمعصية، فإذا امر بمعصية فلا سمع ولا طاعة.))^①

”سمع اور طاعت حق ہے جب تک معصیت کا حکم نہ دیا جائے لیکن جب معصیت کا حکم ہو تو ایسی صورت میں سمع و طاعت نہیں ہے۔“

رسول اللہ ﷺ نے حاکم وقت کی اطاعت کی بڑی اہمیت بتائی ہے، بلکہ اسے سلامتی کا راستہ قرار دیا ہے۔ بسر بن عبید اللہ حضرمی سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ مجھ سے ابوادریس خولانی نے بیان کیا، انھوں نے حذیفہ بن یمان سے سنا وہ کہتے تھے کہ لوگ رسول اللہ ﷺ سے بھلائی کے بارے میں سوال کرتے تھے اور میں آپ سے برائی کے بارے میں سوال کرتا تھا تا کہ اس کی نشاندہی ہو جائے اور اس میں واقع ہونے سے بچ سکوں۔ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! ہم دور جاہلیت اور شر میں تھے کہ رب العالمین نے ہم کو بھلائی سے نوازا، اب آپ فرمائیں کہ کیا اس بھلائی کے بعد بھی کوئی شر ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں، میں نے عرض کیا: کیا اس شر کے بعد بھی کوئی بھلائی ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں، اور اس میں ”دخن“ ہوگا۔ میں نے سوال کیا: دخن کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ایک قوم ہوگی (اس کی صفت یہ ہوگی کہ) وہ میری ہدایت و رہنمائی کو چھوڑ کر دوسرے راستے کی طرف دعوت دے

① صحیح بخاری، کتاب الجہاد والسير، باب السمع والطاعة للإمام (۲۹۵۵)، صحیح مسلم،

کتاب الإمارة، باب وجوب طاعة الإمام في غير معصية الخ..... (۱۸۳۹)۔

گی، تم ان کو پہچانو گے اور انکار بھی کرو گے۔ میں نے عرض کیا: کیا اس خیر کے بعد بھی کوئی شر ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں کچھ ایسے داعی ہوں گے جو جہنم کی طرف بلائیں گے جو شخص ان کی بات مان لے گا وہ اس کو جہنم میں ڈال دیں گے۔ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ہمیں ان کی پہچان بتا دیجیے! آپ ﷺ نے فرمایا: وہ ہم میں سے ہوں گے اور ہماری زبان میں بات کریں گے، میں نے عرض کیا: اگر یہ زمانہ مجھ کو مل جائے تو آپ مجھے کس چیز کا حکم دیتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: مسلمانوں کی جماعت کو لازم پکڑو اور ان کے امام کو بھی لازم پکڑو۔“ میں نے عرض کیا: اگر مسلمانوں کی نہ کوئی جماعت ہو اور نہ ہی کوئی امام ہو تب کیا کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تم ان تمام فرقوں سے بچ کر رہو اور کسی درخت کے جڑ کو مضبوطی سے پکڑے رہو یہاں تک کہ تمہاری موت آجائے اور تم اسی پر قائم رہو۔^①

یہی حدیث کے دوسرے لفظ کے ساتھ وارد ہے اس میں ہے۔ ”سمع و طاعت واجب ہے اگر تمہارے مال و جائداد کو لے لیا جائے اور تم کو کوڑے لگائے جائیں“ ابوسلام سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ حذیفہ بن یمان نے کہا: میں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! ہم برائیوں میں تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو بھلائیوں سے نوازا اور ہم اسی بھلائی میں ہیں تو کیا اس بھلائی کے بعد بھی کوئی شر ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، سب نے عرض کیا: کیا اس برائی کے بعد بھی کوئی خیر ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، پھر میں نے عرض کیا: کیا اس بھلائی کے بعد بھی کوئی برائی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، سب نے کہا! کیسے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: میرے بعد کچھ ایسے ائمہ و علماء ہوں گے جو نہ میری ہدایت پر رہیں گے اور نہ ہی میری سنت کو اختیار کریں گے۔ ان میں کچھ ایسے لوگ ہوں جن کے دل انسانی ڈھانچے میں شیطان کے دل ہوں گے۔ حذیفہ کہتے ہیں کہ میں نے کہا اللہ کے رسول ﷺ اگر اس زمانے کو پالوں تو کیا کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ایسی حالت میں تم امیر کی سنو اور اس کی اطاعت کرو اگرچہ تمہیں مارا جائے اور تمہاری جائداد کو لے لیا

① صحیح بخاری، کتاب مناقب، باب عہد مات النبوة فی الاسلام، حدیث: ۳۶۰۶۔

جائے مگر سمع و طاعت کو کبھی نہ چھوڑنا۔

خالد بن خالد یشکری کہتے ہیں: تستر کے فتح کے وقت میں وہاں سے نکل کر کوفہ آ گیا تھا۔ وہاں ایک مسجد میں داخل ہوا، پھر میں ایک حلقہ میں شامل ہو گیا۔ اس میں ایک اچھے شکل و صورت والے شخص کو دیکھا، وہ حجاز کا لگ رہا تھا۔ میں نے پوچھا: یہ کون شخص ہیں؟ لوگوں نے کہا: تم ان کو نہیں جانتے ہو؟ میں نے کہا: ہاں، میں نہیں جانتا ہوں۔ لوگوں نے بتایا: یہی حذیفہ بن یمان صاحب رسول اللہ ﷺ ہیں، پھر میں بیٹھ گیا۔ وہ لوگوں سے بیان کر رہے تھے۔ انھوں نے کہا: لوگ رسول اللہ ﷺ سے بھلائی کے بارے میں سوال کرتے تھے اور میں آپ سے برائیوں کے بارے میں سوال کرتا تھا۔ یہ سن کر قوم نے ان پر نکیر کی تو انھوں نے کہا: میں عنقریب تمہیں بتاؤں گا جس کا تم انکار کر رہے ہو۔ جس وقت اسلام آیا تو ایسا امر لایا جو زمانہ جاہلیت سے بالکل مختلف تھا اور مجھے قرآن حکیم میں فہم عطا کیا گیا۔ لوگ آتے اور بھلائی کے بارے میں سوال کرتے اور میں آپ سے برائی کے بارے میں سوال کرتا۔ سب نے کہا: اے اللہ کے رسول! کیا اس بھلائی کے بعد بھی کوئی برائی ہے، جیسا کہ اس سے پہلے برائی تھی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اس سے بچنے کا راستہ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تلوار، میں نے عرض کیا: کیا اس تلوار کے بعد بھی کچھ ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، ناپسندیدہ 'مارت' ہوگی اور مصالحت ہوگی لیکن دلوں میں کینہ کپٹ موجود رہے گا۔ میں نے عرض کیا: پھر اس کے بعد کیا ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: پھر ضلالت و گمراہی کی طرف دعوت دینے والے پیدا ہوں گے تو اگر اس وقت اللہ کے لیے زمین میں کوئی خلیفہ ہو وہ تمہیں کوڑے لگائے، تمہارے مال پر قبضہ کر لے تب بھی اس کو لازم پکڑے رہو۔ ورنہ موت کو ترجیح دو اس حال میں کہ تم درخت کے جڑ کو مضبوطی سے پکڑے رہو۔ میں نے کہا: پھر کیا ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اس کے بعد دجال نکلے گا اس کے ساتھ آگ اور نہر ہوگی۔ جو اس کی آگ میں گر گیا اس کا اجر واجب ہو گیا اور اس کا گناہ بھی مٹا دیا گیا اور جو اس کی نہر میں گرا تو اس کا اجر ختم ہو گیا اور اس کا گناہ واجب ہو گیا۔ میں

نے کہا: پھر اس کے بعد کیا ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: گھوڑا بچہ جنے گا، پس کوئی سوار نہیں ہوگا یہاں تک قیامت قائم ہو جائے گی۔^①

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے حاکم وقت کی طاعت کو لازم پکڑنے کا حکم دیا ہے اگرچہ ہمیں اس کی عادت و حرکات پسند نہ ہوں۔

عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((خِيَارُ أَيْمَتِكُمُ الَّذِينَ تُحِبُّونَهُمْ وَيُحِبُّونَكُمْ، وَيُصَلُّونَ عَلَيْكُمْ وَتُصَلُّونَ عَلَيْهِمْ، وَشِرَارُ أَيْمَتِكُمُ الَّذِينَ تُبْغِضُونَهُمْ وَيُبْغِضُونَكُمْ، وَتَلْعَنُونَهُمْ وَيَلْعَنُونَكُمْ. قِيلَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، أَفَلَا نُنَابِذُهُمْ بِالسَّيْفِ؟ فَقَالَ: لَا مَا أَقَامُوا فِيكُمْ الصَّلَاةَ، وَإِذَا رَأَيْتُمْ مِنْ وَلَا تَكُمُ شَيْئًا تَكْرَهُونَهُ فَاتَّكِرُوا عَمَلَهُ وَلَا تَنْزِعُوا يَدًا مِنْ طَاعَةٍ. وَفِي رِوَايَةٍ: خِيَارُ أَيْمَتِكُمُ الَّذِينَ تُحِبُّونَهُمْ وَيُحِبُّونَكُمْ، وَتُصَلُّونَ عَلَيْهِمْ وَيُصَلُّونَ عَلَيْكُمْ، وَشِرَارُ أَيْمَتِكُمُ الَّذِينَ تُبْغِضُونَهُمْ وَيُبْغِضُونَكُمْ، وَتَلْعَنُونَهُمْ وَيَلْعَنُونَكُمْ. قَالُوا: قُلْنَا: يَا رَسُولَ اللَّهِ أَفَلَا نُنَابِذُهُمْ عِنْدَ ذَلِكَ؟ قَالَ: لَا مَا أَقَامُوا فِيكُمْ الصَّلَاةَ، لَا مَا أَقَامُوا فِيكُمْ الصَّلَاةَ، أَلَا مَنْ وَلِيَ عَلَيْهِ وَالٍ فَرَأَاهُ يَأْتِي شَيْئًا مِنْ مَعْصِيَةِ اللَّهِ فَلْيَكْرَهُ مَا يَأْتِي مِنْ مَعْصِيَةِ اللَّهِ وَلَا يَنْزِعَ يَدًا مِنْ طَاعَةٍ.))^②

”تمہارے بہتر حاکم وہ ہیں جن کو تم پسند کرتے ہو اور وہ تم کو پسند کرتے ہیں۔ وہ تمہارے لیے دعا کرتے ہیں اور تم ان کے لیے دعا کرتے ہو، اور تمہارے برے حاکم وہ ہیں جن کو تم ناپسند کرتے ہو اور وہ تم کو ناپسند کرتے ہیں تم ان پر

① مسند احمد: ۳۸۶/۵، ابن حبان: ۲۹۸/۱۳.

② صحیح مسلم، کتاب الإمامۃ، باب خیار الأئمة وشرارہم، رقم الحدیث: ۱۸۵۵.

لعن طعن کرتے ہو اور وہ تم پر لعن طعن کرتے ہیں۔ عرض کیا گیا: اے اللہ کے رسول! کیا ہم ایسے حاکموں کو تلوار سے نہ دفع کریں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں جب تک وہ تمہارے درمیان نماز قائم کرتے رہیں اور جب تم اپنے حاکموں سے کوئی ناپسندیدہ چیز دیکھو تو دل سے اس کو برا جانو لیکن ان کی اطاعت سے ہاتھ مت کھینچو۔“

ایک روایت میں ہے: ”تمہارے بہتر امام وہ ہیں جن کو تم پسند کرتے ہو اور وہ تم کو پسند کرتے ہیں۔ تم ان کو دعائیں دیتے ہو وہ تم کو دعائیں دیتے ہیں اور تمہارے برے حاکم وہ ہیں جن کو تم ناپسند کرتے ہو وہ تم کو ناپسند کرتے ہیں تم ان پر لعن طعن کرتے ہو اور وہ تم پر لعن طعن کرتے ہیں۔ ہم نے کہا: اے اللہ کے رسول! ایسے برے حاکم کو ہم دور نہ کریں؟ آپ نے فرمایا: نہیں، جب تک وہ نماز پڑھتے رہیں لیکن جب کوئی کسی حاکم کو گناہ کا کام کرتے دیکھے تو اس کو برا جانے اور اس کی اطاعت سے ہاتھ نہ کھینچے۔“

یقیناً رسول اللہ ﷺ نے امیر کی اطاعت کو بڑی اہمیت دی ہے بلکہ اس کو دخول جنت کا سبب بتایا ہے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((كُلُّ أُمَّتِي يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَنْ أَبِي قَالَ: قَالَ: مَنْ أَطَاعَنِي دَخَلَ الْجَنَّةَ، وَمَنْ عَصَانِي فَقَدْ أَبِي.)) ①

”میری امت کا ہر فرد جنت میں داخل ہوگا مگر جس نے انکار کیا۔ لوگوں نے کہا: یا رسول اللہ! کون انکار کرے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جس نے میری اطاعت

① صحیح بخاری، کتاب الإعتصام بالكتاب والسنة، باب الإقتداء بالسنن، (۷۲۸۰)، صحیح مسلم،

کتاب الإمارة، باب وجوب طاعة الأمراء غير معصية، حدیث: ۱۸۳۵۔

کی وہ جنت میں داخل ہوگا اور جس نے میری نافرمانی کی تو اس نے انکار کیا۔“
ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ أَطَاعَنِي فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ، وَمَنْ عَصَانِي فَقَدْ عَصَى اللَّهَ،
وَمَنْ أَطَاعَ أَمِيرِي فَقَدْ أَطَاعَنِي، وَمَنْ عَصَى أَمِيرِي فَقَدْ
عَصَانِي.))^①

”جس نے میری اطاعت کی تو اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی تو اس نے اللہ کی نافرمانی کی اور جس نے میرے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے میرے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔“

مذکورہ بالا احادیث میں آپ غور فرمائیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کس طرح امیر کی اطاعت کو اپنی اطاعت اور اس کی نافرمانی کو اپنی نافرمانی قرار دیا ہے۔ اسی طرح آپ نے امیر کی اطاعت کو دخول جنت کا سبب بتایا ہے اور اس کی نافرمانی کو جہنم میں داخلے کا سبب بتایا ہے۔ گویا نتیجہ یہ نکلا کہ جس نے امیر کی اطاعت کی اس نے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کی اور جس نے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوگا۔ اسی طرح جس نے امیر کی نافرمانی کی اس نے رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کی اور جس نے رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کی وہ جنت میں داخل نہ ہوگا، بلکہ رسول اللہ ﷺ نے بتایا کہ جس نے امیر سے بیعت نہیں کی اور اس کی اطاعت سے خارج ہو گیا وہ مسلمانوں کی جماعت سے نکل گیا۔

عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لَا يَحِلُّ دَمُ أَمْرِي مُسْلِمٍ يَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَّا بِأَحَدِي ثَلَاثٍ: الثِّبْتُ الزَّانِي، وَالنَّفْسُ بِالنَّفْسِ،

① صحیح بخاری، کتاب الاحکام، حدیث (۷۱۲۷)، صحیح مسلم، کتاب الإمارة، باب وجوب طاعة الأمر فی غیر معصیة، حدیث (۱۸۲۵)۔

وَالْتَّارِكُ لِدِينِهِ الْمُفَارِقُ لِلْجَمَاعَةِ .)) ❶

”وہ مسلمان جو اس بات کی گواہی دیتا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں ایسے مسلمان کا خون حلال نہیں ہے مگر تین میں سے کسی ایک وجہ سے: شادی شدہ زانی، نفس کے بدلے نفس، دین کو چھوڑنے والا جماعت کو چھوڑنے والا ہے۔“

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے ترک دین اور ترک جماعت کو ایک قرار دیا ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ رَأَى مِنْ أَمِيرِهِ شَيْئًا يَكْرَهُهُ فَلْيُضْبِرْ عَلَيْهِ ، فَإِنَّهُ مَنْ فَارَقَ الْجَمَاعَةَ شِبْرًا فَمَاتَ إِلَّا مَاتَ مَيِّتَةً جَاهِلِيَّةً .)) ❷

”جس نے امیر میں کوئی ایسی چیز دیکھی جس کو وہ ناپسند کر رہا ہے تو اس کو چاہیے کہ اس پر صبر کر لے کیونکہ جو بالشت بھر جماعت سے الگ ہو گیا وہ جاہلی موت مرا۔“

نافع سے روایت ہے کہ:

((جَاءَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ إِلَى عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مُطْعِمٍ حِينَ كَانَ مِنْ أَمْرِ الْحَرَّةِ مَا كَانَ زَمَنُ يَزِيدَ بْنِ مُعَاوِيَةَ فَقَالَ: اطْرَحُوا لِأَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ وَسَادَةً! فَقَالَ: إِنِّي لَمْ آتِكَ لِأَجْلَسَ ، أَتَيْتُكَ لِأُحَدِّثَكَ حَدِيثًا سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُهُ ، سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: مَنْ خَلَعَ يَدًا مِنْ طَاعَةِ لَقِيَ اللَّهَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَا حُجَّةَ لَهُ ، وَمَنْ مَاتَ وَلَيْسَ فِي عُنُقِهِ بَيْعَةٌ مَاتَ مَيِّتَةً جَاهِلِيَّةً .)) ❸

❶ صحیح بخاری، کتاب الدیات، حدیث: (۶۸۷۸)، صحیح مسلم، کتاب القسامہ والمحاربین، الخ، حدیث: (۱۶۷۶)۔

❷ صحیح بخاری، کتاب الفتن، حدیث (۱۵۴)، صحیح مسلم، کتاب الإمارة، باب وجوب ملازمة جماعة المسلمين، الخ حدیث (۱۸۴۸)۔

❸ صحیح مسلم، کتاب الإمارة، باب وجوب ملازمة..... الخ، حدیث (۱۸۵۱)۔

”عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما عبداللہ بن مطیع کے پاس تشریف لائے جس وقت یزید بن معاویہ کے زمانہ میں حرہ کا واقعہ پیش آیا تھا۔ عبداللہ بن مطیع نے کہا کہ ابو عبد الرحمن کے لیے بیٹھک لاؤ انھوں نے کہا: میں آپ کے پاس بیٹھنے کے لیے نہیں آیا ہوں۔ میں تو صرف اس لیے آیا ہوں کہ آپ سے ایک حدیث بیان کروں جس کو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے، آپ ﷺ فرما رہے تھے: ”جو شخص اطاعت سے اپنا ہاتھ کھینچ لے وہ روز قیامت اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملے گا کہ اس کی کوئی حجت نہیں ہوگی اور جو شخص اس حال میں کہ اس نے کسی سے بیعت نہ کی ہو تو اس کی موت جاہلیت کی موت ہوگی۔“

عرباض بن ساریہ سے روایت ہے کہ:

((وَعَظَّنَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَوْمًا - بَعْدَ صَلَاةِ الْغَدَاةِ - مَوْعِظَةً بَلِيغَةً ذَرَفَتْ مِنْهَا الْعُيُونُ، وَوَجَلَتْ مِنْهَا الْقُلُوبُ، فَقَالَ رَجُلٌ: إِنَّ هَذِهِ مَوْعِظَةٌ مُودِعٌ فَمَاذَا تَعْهَدُ إِلَيْنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ: أَوْصِيكُمْ بِتَقْوَى اللَّهِ، وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَإِنْ عَبْدٌ حَبَشِيٌّ، فَإِنَّهُ مَنْ يَعِشْ مِنْكُمْ يَرَى اخْتِلَافًا كَثِيرًا. وَإِيَّاكُمْ وَمُحَدَّثَاتِ الْأُمُورِ فَإِنَّهَا ضَلَالَةٌ، فَمَنْ أَدْرَكَ ذَلِكَ مِنْكُمْ فَعَلَيْهِ بِسُنَّتِي، وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمَهْدِيِّينَ عَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ.)) ❶

”ایک دن رسول اللہ ﷺ نے نماز صبح کے بعد فصیح و بلیغ نصیحت کی جس سے آنکھیں نمناک ہو گئیں، دل دہل گئے، ایک آدمی نے کہا: اے اللہ کے رسول! کیا یہ آخری نصیحت ہے؟ آپ ہمیں کس چیز کا حکم دیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: میں تمہیں تقویٰ اور سماع و طاعت کی نصیحت کرتا ہوں۔ اگرچہ کوئی حبشی غلام ہی

❶ اس کی تخریج گزر چکی ہے۔

کیوں نہ ہو، کیونکہ تم میں سے جو شخص زندہ رہے گا وہ بہت زیادہ اختلافات دیکھے گا اور سنو تم لوگ نئے نئے امور سے بچتے رہو، کیونکہ یہ گمراہی ہے اور تم میں سے جو شخص اس کو پالے تو اس کو میری سنت اور خلفاء راشدین کی سنت کو لازم پکڑنی چاہیے اس کو دانتوں سے مضبوطی سے پکڑے رہنا چاہیے۔“

یہ رسول اللہ ﷺ کی وصیت ہے، اس میں آپ نے مندرجہ ذیل امور پر اختصار کیا ہے:

(۱)..... اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرنا کیونکہ تقویٰ تمام بھلائی کی اصل ہے۔

(۲)..... حاکم وقت کی اطاعت کرنا اگرچہ وہ حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ اسی میں دنیا اور مسلم معاشرے کی بھلائی ہے اور اختلاف کے موقع پر تقویٰ کی وصیت، حاکم وقت کی سمع و طاعت، سنت رسول ﷺ اور خلفاء راشدین کی سنت کی طرف رجوع، یہ فتنہ و فساد دفع کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ اسی میں اصلاح مضمر ہے۔ آپ دوبارہ حدیث میں غور کریں تو محسوس کریں گے کہ رسول اللہ ﷺ نے جملہ اسمیہ استعمال کیا ہے نہ کہ جملہ فعلیہ۔ مثلاً:

آپ نے یہ نہیں کہا: ((اوصیکم بان تتقوا اللہ، وان تسمعوا تطیعوا لامیر ولو تامر علیکم عبد حبشی)) بلکہ آپ نے ((اوصیکم بتقوی اللہ والسمع والطاعة)) استعمال کیا ہے جو جملہ اسمیہ ہے تاکہ یہ دوام و ثبوت اور استقرار پر دلالت کرے بخلاف جملہ فعلیہ کے، کیونکہ یہ حدوث فعل پر دلالت کرتا ہے۔ نیز حدیث میں مسلمان سے مطالبہ کیا جا رہا ہے کہ وہ اس صفت کو لازم پکڑیں، تاکہ وہ دائم و ثابت رہے اور یہ تقویٰ اور امیر کی سمع و طاعت اور اس سے عدم خروج کے لیے لازم ہے اور جب حالت یہ ہو تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ جماعت ضروری ہے۔ تمیم داری سے روایت ہے کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں لوگ تعمیر مکان میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے لگے تو اس وقت عمر نے کہا: اے عرب کی جماعتو! زمین کو لازم پکڑو، کیونکہ نہیں ہے اسلام مگر جماعت کے ساتھ اور نہیں ہے جماعت مگر امارت کے ساتھ اور نہیں ہے امارت مگر طاعت کے ساتھ، پس جس کو

قوم نے علم و فقہ کی بنیاد پر سردار بنایا ہوگا تو وہ اپنے لیے اور لوگوں کے لیے باعث حیات ہوگا اور جس کو قوم نے بغیر علم و فقہ کے سردار بنایا ہوگا تو وہ خود اپنے لیے اور قوم کے لیے باعث ہلاکت و بربادی ہوگا۔

اس بات کا علم ضروری ہے کہ بغیر جماعت کے دین نہیں اور بغیر امامت کے جماعت نہیں اور بغیر سمع و طاعت کے امامت نہیں اور حاکم وقت کی اطاعت اطاعت سے خروج سے سب سے بڑا فساد ہے اور ہدایت کی راہ سے راہ فرار ہے۔^①

حسن بصری کہتے ہیں: اللہ کی قسم! دین بغیر حاکم کے قائم نہیں رہ سکتا، اگر وہ ظالم ہی کیوں نہ ہو، اللہ کی قسم! ان کی اصلاح ان کے فساد سے زیادہ ہوتی ہے۔^②

ابن رجب کہتے ہیں کہ: حاکم وقت کی سمع و طاعت میں دنیا کی سعادت ہے، انہی کے ساتھ بندوں کی مصلحتیں ہیں، انہی کی وجہ سے اپنے دین کو غالب کرتے ہیں اور اپنے رب کی فرمانبرداری بھی کرتے ہیں۔ البتہ حاکم وقت کی اطاعت سے روگردانی کرنا، ان کے خلاف خروج اللہ اور اس کے رسول کی معصیت اور مخالفت ہے۔ اہل السنۃ والجماعۃ اور سلف صالحین کی بھی مخالفت ہے۔^③

مسلمان حاکم وقت کے ظلم و زیادتی پر صبر کرنا ضروری ہے:

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے کہا کہ ”مسلمان حاکموں کے ظلم و زیادتی پر صبر کرنا اہل سنت والجماعت کے اصول میں داخل ہے۔“^④

یہ بات حق ہے کیونکہ حاکموں کے ظلم و عدوان پر صبر کرنے میں بہت بڑی مصلحت ہے اور اس سے مختلف قسم کے فساد کا ازالہ ہوتا ہے اور یہ بھی جاننا چاہیے کہ حاکم وقت کو نصیحت کرنا اور ان کے حق میں بھلائی چاہنا دین میں داخل ہے۔ جیسا کہ تمیم داری سے روایت ہے کہ نبی

② جامع العلوم والحکم: ۱۱۷/۲

① نصیحة مهمة ص ۲۳

③ نصیحة مهمة ص ۲۹

④ مجموع الفتاویٰ ۱۷۹/۲۸، بواسطہ /لسنة فيما يتعلق بولی الأمة ص ۴۹

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((الَّذِينَ النَّصِيحَةُ قُلْنَا: لِمَنْ؟ قَالَ: لِلَّهِ، وَلِكِتَابِهِ، وَلِرَسُولِهِ،

وَلِأَيِّمَةِ الْمُسْلِمِينَ وَعَامَّتِهِمْ.))^①

”دین نصیحت ہے، ہم نے کہا: کس کے لیے؟ فرمایا: اللہ کے لیے، اس کی کتاب

کے لیے، اس کے رسول کے لیے اور تمام ائمہ مسلمین اور عوام کے لیے۔“

حدیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ ”تین چیزیں ایسی ہیں جن پر مومن کا دل خیانت نہیں

کرتا ہے: اللہ کے لئے اخلاص عمل، (۲) مسلمان حاکم کے ساتھ خیر خواہی اور (۳)

مسلمانوں کی جماعت کو لازم پکڑنا، کیونکہ دعوت انہیں کے درمیان ہے۔“

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جس نے ان تینوں امور کو انجام دیا تو اس کے دل میں کسی

قسم کا حسد، کینہ، عداوت و دشمنی نہیں رہے گی۔ ابو نعیم اصبہانی کہتے ہیں کہ جس نے امیروں

اور حاکموں کو نصیحت کی وہ ہدایت یاب ہوا اور جس نے ان کو دھوکہ دیا تو وہ راہ حق سے بھٹک

گیا اور اس نے ظلم کیا۔^②

بے شک جماعت کی اساس و بنیاد، دلوں کا باہم ملاپ اور فتنوں کے سامنے ثابت قدم

رہنا یہی توحید ہے۔ جب یہ حقیقت مسلم ہے تو جاننا چاہیے کہ سلف کے نزدیک جہاد صرف

امام وقت کے ساتھ ہے اور اسی کے حکم سے ہے، جیسا کہ حدیث میں وارد ہے:

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ أَطَاعَنِي فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ، وَمَنْ عَصَانِي فَقَدْ عَصَى اللَّهَ،

وَمَنْ يُطِيعِ الْأَمِيرَ فَقَدْ أَطَاعَنِي، وَمَنْ يَعِصِ الْأَمِيرَ فَقَدْ

عَصَانِي، وَإِنَّمَا الْإِمَامُ جُنَّةٌ يُقَاتَلُ مِنْ وَرَائِهِ وَيَتَّقَى بِهِ، فَإِنْ

أَمَرَ بِتَقْوَى اللَّهِ وَعَدَلَ فَإِنَّ لَهُ بِذَلِكَ أَجْرًا، وَإِنْ قَالَ بِغَيْرِهِ فَإِنَّهُ

① صحیح مسلم، کتاب الإیمان، حدیث: ۵۵۰۔

② فضیلة العادلین: ص ۱۴۰۔

عَلَيْهِ مِنْهُ.)) ❶

”جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی، اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی اور جو میری اطاعت کرے گا اس نے گویا میری اطاعت کی اور جو میری نافرمانی کرے گا اس نے میری نافرمانی کی، بے شک امام ڈھال ہے، اس کے پیچھے سے قتال کیا جاسکتا ہے اور اس کی وجہ سے لوگ بچتے ہیں۔ اگر اس نے اللہ سے ڈرنے کا حکم دیا اور انصاف کیا تو اس کے لیے اس کا اجر ہے اور اگر اس کے خلاف کیا تو اس پر وبال۔“

یہ لوگ اس کے ذمہ کی حفاظت کرتے ہیں، لہذا حلیف پر ظلم و زیادتی نہیں کرتے ہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہے:

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ قَتَلَ مُعَاهِدًا لَمْ يَرِحْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ، وَإِنَّ رِيحَهَا تُوْجَدُ مِنْ مَسِيرَةِ أَرْبَعِينَ عَامًا.)) ❷

”جس نے کسی حلیف کو قتل کیا تو وہ جنت کی بو نہیں پائے گا جب کہ اس کی خوشبو چالیس سال کی مسافت سے پائی جاتی ہے۔“

صفوان بن سلیم سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((أَلَا مَنْ ظَلَمَ مُعَاهِدًا أَوْ انْتَقَصَهُ أَوْ كَلَفَهُ فَوْقَ طَاقَتِهِ أَوْ أَخَذَ مِنْهُ شَيْئًا بِغَيْرِ طِبِّ نَفْسٍ فَأَنَا حَاجِبُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ.)) ❸

”خبردار جس نے کسی حلیف پر ظلم کیا یا اس کی بدگوئی کی یا اس کی طاقت سے زیادہ اس کو مکلف کیا یا اس کی رضامندی کے بغیر اس سے کچھ لے لیا تو قیامت

❶ صحیح بخاری، کتاب الجہاد والسير باب یقاتل من وراء الامام، حدیث: (۲۹۵۷)، صحیح

مسلم کتاب الإمارة باب وجوب طاعة الإمام، الخ حدیث: ۱۸۲۵.

❷ صحیح بخاری، کتاب الجزية باب اثم من قتل الخ، حدیث: ۳۱۶۶.

❸ ابوداؤد، کتاب الخراج والإمارة، حدیث: ۲۰۵۲.

کے دن میں اس کے لیے حجت ہوں گا۔“

یہ لوگ امام کے خلاف خروج کرتے ہیں اور نہ اس سے اختلاف کرتے ہیں اور نہ ہی ان کو کافر قرار دیتے ہیں، ہاں اگر دلیل کی بنیاد پر ان سے کفر سرزد ہو تو ان کے خلاف اس وقت خروج کرتے ہیں جب انھیں مکمل یقین ہو کہ فساد پر قابو پالیں گے اور اس کے ملک پر اور لوگوں پر کوئی فساد برپا نہیں ہوگا۔ ورنہ اس سے باز رہنا بہتر اور واجب ہے۔

جنادہ بن امیہ سے روایت ہے کہ:

((دَخَلْنَا عَلَىٰ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ وَهُوَ مَرِيضٌ قُلْنَا: أَصْلَحَكَ اللَّهُ، حَدَّثَ بِحَدِيثٍ يَنْفَعُكَ اللَّهُ بِهِ سَمِعْتَهُ مِنَ النَّبِيِّ ﷺ، قَالَ: دَعَانَا النَّبِيُّ ﷺ فَبَايَعَنَا فَقَالَ فِيمَا أَخَذَ عَلَيْنَا أَنْ بَايَعَنَا عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ فِي مَنْشَطِنَا وَمَكْرَهِنَا، وَعُسْرِنَا وَيُسْرِنَا، وَآثَرَةٍ عَلَيْنَا، وَأَنْ لَا نُنَازِعَ الْأَمْرَ أَهْلَهُ، إِلَّا أَنْ تَرَوْا كُفْرًا بَوَاحًا عِنْدَكُمْ مِنَ اللَّهِ فِيهِ بُرْهَانٌ.)) ❶

”ہم عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کے پاس گئے وہ بیمار تھے ہم نے عرض کیا کہ ہم سے حدیث بیان کیجیے اللہ تعالیٰ آپ کو اچھا رکھے ایسی کوئی حدیث ہے جس سے اللہ تعالیٰ فائدہ دے اور جس کو تم نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہو انھوں نے عرض کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم کو بلایا، ہم نے آپ سے بیعت کی اور بیعت میں آپ ﷺ نے ہم سے یہ اقرار لیا کہ ہم خوشی و ناخوشی اور تنگی و فراخی الغرض ہر حال میں آپ ﷺ کا حکم سنیں گے اور اسے بجالائیں گے گو ہم پر، دوسروں کو ترجیح ہی کیوں نہ دیا جائے اور آپ ﷺ نے یہ بھی اقرار لیا کہ سلطنت کی بابت ہم حکمرانوں سے، جھگڑا نہیں کریں گے مگر اس صورت میں کہ جب اسے اعلانیہ کفر کرتے دیکھو یا کفر کہ جس کے متعلق اللہ کی طرف سے تمہارے پاس

❶ صحیح بخاری، کتاب الفتن حدیث: ۷۰۵۶، صحیح مسلم کتاب الإمارة حدیث: ۱۷۰۹.

دلیل بھی موجود ہو۔“

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے کہا: اسی لیے اہل سنت والجماعت کا اصول یہ ہے کہ ہمیشہ جماعت کو لازم پکڑے رہنا چاہئے اور امراء و حکام سے قتال نہیں کرنا چاہئے، کسی فتنے کے موقع پر بھی قتال نہیں کرنا چاہئے۔ اس کے برخلاف نفس پرست جیسے معتزلہ ہیں تو ان کا خیال یہ ہے کہ امراء و حکام سے قتال جائز ہے یہ ان کے اصول میں داخل ہے۔^①

یہ لوگ وہ طریقہ قطعی نہیں اختیار کرتے جو جماعت کے اختلاف کا سبب بنے، بلکہ ان کی کوشش ہوتی ہے کہ لوگ امراء اور حکام سے حسن ظن رکھیں۔ اسی لیے یہ لوگ نہ تو منبر و محراب پر ان کا بے ادبی سے ذکر کرتے ہیں اور نہ ہی جلسے جلوس میں یا اپنی تقریروں میں ان کے خلاف آوازیں کتے ہیں۔ اسی مفہوم پر گزشتہ نصوص دلالت کرتی ہیں اور یہی مفہوم سلف صالحین کے قول و عمل سے بھی ثابت ہے۔ یہ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ ہیں ان سے کہا گیا تم عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس کبوں نہیں جاتے، پھر ان سے بات کرتے تو انھوں نے کہا: کیا تم لوگ سمجھتے ہو کہ میں ان سے باز نہیں کرتا، میں تم کو سناؤں، اللہ کی قسم! میں ان سے بات کر چکا ہوں جو مجھ کو اپنے اور ان کے درمیان کرنا تھی، البتہ میں نے یہ نہیں چاہا کہ وہ بات کھولوں جس کا کھولنے والا پہلے میں ہی ہوں۔^②

یہ عبد اللہ بن اوفی ہیں۔ مسند احمد میں ہے سعید بن جہان کہتے ہیں کہ میں عبد اللہ بن ابی اوفی کے پاس آیا۔ وہ نابینا تھے میں نے ان سے سلام کیا، انھوں نے مجھ سے کہا: تم کون ہو؟ میں نے کہا: میں سعید بن جہان ہوں۔ انھوں نے کہا: تمھارے والد نے کیا کیا؟ وہ کہتے تھے: میں نے کہا: ان کو ازرقہ نے قتل کر دیا ہے۔ انھوں نے کہا: اللہ کی لعنت ہو ازرقہ پر، اللہ کی لعنت ہو ازرقہ پر۔ رسول اللہ ﷺ نے ہم سے بیان کیا ہے کہ وہ جہنم کے کتے ہیں۔ میں پوچھا کہ صرف ازرقہ یا خوارج بھی ان میں شامل ہیں؟ فرمایا: خوارج بھی ان میں شامل

① الإستقامۃ ۲/۲۱۵۔

② صحیح بخاری ۳۲۶۰، صحیح مسلم ۲۹۸۹، الفاظ صحیح مسلم کے ہیں۔

ہیں۔ وہ کہنے لگے کہ میں نے کہا: بادشاہ تو لوگوں پر ظلم و زیادتی کرتا ہے اور ان کے ساتھ بدسلوکی بھی کرتا ہے وہ کہتے ہیں کہ انھوں نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور اپنے ہاتھ سے شدت کے ساتھ دبا دیا، پھر کہنے لگے: اے ابن جہان تمھارے اوپر افسوس ہے، تم سواد اعظم کو لازم پکڑو، تم سواد اعظم کو لازم پکڑو، اگر بادشاہ تم سے کچھ سنے تم اس کے پاس اس کے گھر آؤ اور جو کچھ تم جانتے ہو اس کے متعلق اس کو خبر کرو اگر اس نے قبول کر لیا تو بہتر ہے ورنہ اسے چھوڑ دو کیونکہ تم اس سے زیادہ معلومات نہیں رکھتے ہو۔“^①

بدعت اور بدعتی سے اجتناب

سوال: بدعت اور بدعتی کے بارے میں سلفی حضرات کا کیا موقف ہے؟

جواب: سلفی حضرات کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ خود بدعت اور بدعتی سے بچتے ہیں اور لوگوں کو بھی ان دونوں سے بچنے کی تلقین کرتے رہتے ہیں، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے سختی کے ساتھ اس سے خبردار کیا ہے آپ ﷺ فرماتے ہیں:

((وَيَاكُمْ وَمُحَدَّثَاتِ الْأُمُورِ فَإِنَّهَا ضَلَالَةٌ، فَمَنْ أَدْرَكَ ذَلِكَ مِنْكُمْ فَعَلَيْهِ بُسْتِي، وَسَنَةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمَهْدِيِّينَ عَضُوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ))^②

”تم لوگ دین میں نئے نئے امور سے بچو، کیونکہ یہ بہت بڑی گمراہی ہے، لہذا تم میں سے جو شخص اس کو پالے تو اس موقع پر اس کو چاہیے کہ میری سنت کو اور ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کی سنت کو لازم پکڑے اور اس پر مضبوطی سے جمار ہے۔“

ہاں اگر کوئی بدعتیوں کے ساتھ رہنا چاہتا ہے تو اس وجہ سے ان کی مصاحبت اختیار

① الحاکم: ۶۶۰/۳، الطیالسی (۸۲۲)، ابن ابی عاصم فی السنۃ (۹۰۵)، الکامل لابن عدی ۴۴۱/۲۔

② اس کی تخریج پہلے گزر چکی ہے۔

کرے تاکہ وہ بدعت کی تردید کرے گا۔ ان کو بدعت سے باز رکھنے کی کوشش کرے گا، کیونکہ بدعت سے روکنا نفلی عبادات سے بہتر اور افضل ہے۔

سوال: آپ نے بڑی عجیب بات کہہ دی کہ بدعت سے روکنا نفلی عبادات سے افضل ہے، یہ کیسے؟

جواب: جی ہاں جناب! میں نے عجیب بات نہیں کی ہے بلکہ یہ تو اہل سنت کے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے کہی ہے: جب آپ سے پوچھا گیا کہ بھلا بتائیے کہ ایک شخص روزہ رکھتا ہے، نمازیں پڑھتا ہے، اعتکاف بھی کرتا ہے آپ کے نزدیک وہ زیادہ بہتر ہے یا وہ شخص جو بدعت اور اہل بدعت کے بارے میں بات کرتا ہے؟ تو آپؐ نے بڑے اچھے انداز میں جواب دیا کہ جو شخص روزہ رکھتا ہے، نمازیں پڑھتا ہے اور اعتکاف کرتا ہے تو وہ یہ اعمال اپنے لیے کرتا ہے لیکن جو شخص بدعت اور اہل بدعت پر لب کشائی کرتا ہے تو وہ سارے مسلمانوں کے لیے ہوتا ہے اور یہ زیادہ افضل ہے۔ ❶

ابومظفر سمعانی رحمہ اللہ نے کہا: ہمیں اتباع کا حکم دیا گیا ہے اور اس کو ہمارے اوپر واجب قرار دیا گیا ہے اور ہمیں بدعت سے روکا گیا ہے اور اس پر زجر و توبخ کی گئی ہے اور یاد رکھئے کہ اہل سنت کا شعار یہ ہے کہ وہ سلف صالحین کی پیروی کرتے ہیں اور ہر قسم کی بدعتوں کو لات مارتے ہیں۔ ❷

علامہ اصہبانی رحمہ اللہ نے کہا: آدمی کو ہر قسم کی بدعات و خرافات سے بچنا چاہیے کیونکہ ہر بدعت ضلالت و گمراہی ہے اور سنت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی احادیث کو مکمل طور پر تصدیق کیا جائے۔ حدیث کے متعلق یہ نہ سوال کیا جائے کہ کیوں اور کیسے؟ اور یہ بھی ذہن نشین رہے کہ دین میں بحث و مباحثہ، جدل و کلام بھی بدعت ہے۔ یہ عمل دلوں میں شکوک و شبہات پیدا کر دیتا ہے اور ہمیشہ حق و صواب کی راہ میں مانع رہتا ہے اور یہ بات بھی واضح

❶ مجموع الفتاویٰ: ۲۸/۲۳۱۔

❷ الإنصار لأهل الحديث لأبي المظفر السمعاني بواسطة صوت المنطق والكلام (ص ۵۸)۔

ہے کہ علم کثرت روایت کا نام نہیں ہے بلکہ علم اتباع کا نام ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام رضی اللہ عنہم کی پیروی کی جائے اگرچہ علم تھوڑا ہی کیوں نہ ہو، لیکن جس نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین رضی اللہ عنہم کی مخالفت کی تو وہ ضلالت و گمراہی میں بھٹک گیا اگرچہ وہ بڑا علم والا ہی کیوں نہ ہو۔^①

سلفی حضرات کی پہچان یہ ہے کہ یہ لوگ اہل بدعت کی صحبت سے منع کرتے ہیں۔ حسن سے منقول ہے: وہ کہتے ہیں کہ اہل بدعت کے ساتھ مت بیٹھو ورنہ تمہارا دل بیمار ہو جائے گا۔^②

(۱)..... یا تو وہ دوسروں کے لیے فتنہ بنے گا۔ (۲)..... یا اس کے دل میں کچھ واقع ہوگا جس سے وہ گمراہ ہو کر جہنم میں جا گرے گا۔ (۳)..... یا وہ یہ کہے گا: واللہ! مجھے اس کی پروا نہیں ہے یہ وہ لوگ کیا بات کرتے ہیں میں تو اپنے آپ سے مطمئن ہوں، پھر جس نے بھی لحظہ بھر اپنے دین پر اللہ کو امین بنایا تو اللہ تعالیٰ اس سے اس کو چھین لے گا۔^③

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ثابت ہے انھوں نے کہا: اہل ہواء و نفس کے ساتھ ہرگز مت بیٹھو، کیونکہ ان کی صحبت سے دل بیمار ہو جائے گا۔^④

اسی لیے آپ دیکھتے ہوں کہ یہ لوگ بدعت سے سخت منع کرتے ہیں کیونکہ یہ بدعت کفر کا پوسٹ آفس ہے، یعنی یہی بدعت کفر کا راستہ ہموار کرتی ہے۔

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ کہتے ہیں: ہمارے شیخ نے فرمایا: حقیقت کافر نے بدعت فاجرہ سے شادی کی، پھر ان دونوں کے درمیان دنیا و آخرت کا خسارہ پیدا ہوا۔ “یعنی جب کسی کے اندر کفر اور بدعت دونوں جمع ہو گئیں تو اس کا نتیجہ سوائے دنیا و آخرت کے خسارہ کے اور کچھ نہیں ہوگا۔

① الحجۃ فی بیان المحجۃ، ۲/ ۴۳۷، ۴۳۸.

② کتاب فیہ ما جاء فی البدع لابن وضاح/ تحقیق بدر البدر/ ص ۱۰۴، وبنحوہ ص ۱۱۰.

③ کتاب فیہ ما جاء فی البدع لابن وضاح/ تحقیق بدر البدر/ ص ۱۰۴.

④ الشریعة للآجری ص ۶۰.

پھر اگر اس نے اس گھائی کو پاڑ کر لیا اور نور سنت کی وجہ ان بدعات و خرافات سے نجات حاصل کر لیا۔ سلف صالح کی سچی پیروی کر کے جملہ خرافات سے اپنے آپ کو محفوظ و مامون کر لیا تو اب دوبارہ ان کو قریب آنے نہ دو ورنہ اس میں ملوث ہو جاؤ گے، پھر دوبارہ اس سے نکلنا مشکل ہو جائے گا۔

سلفی منہج کی پیروی کا حکم

سوال: سلفی منہج کا کیا حکم ہے؟

جواب: سلفی منہج کی پیروی ہی اصل دین ہے جس کی اتباع اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم سے ضروری ہے۔ یہی بات گزشتہ صفحات میں بھی بتائی گئی ہے۔

آجری محمد بن حسین رحمہ اللہ (م ۳۶۰ھ) کہتے ہیں: ایک عقل مند مومن کی پوری کوشش یہ ہوتی ہے کہ وہ کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کی پیروی کر کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین عظام رضی اللہ عنہم کی روشن راہ کو اختیار کر کے، ائمہ کرام کے اقوال پر عمل کر کے جن کے ذکر سے وحشت نہیں محسوس ہوتی نجات پانے والی جماعت میں داخل ہو جائے، جیسے سفیان ثوری، اوزاعی، مالک بن انس، شافعی، احمد بن حنبل، ابو عبیدہ القاسم بن سلام، اور ان میں وہ مشائخ بھی داخل ہیں جو ان سب کے نقش قدم پر تھے، جس چیز سے ان حضرات نے انکار کیا اس کا ہم بھی انکار کر دیں گے اور جس کو انھوں نے قبول کیا اسے ہم بھی قبول کریں گے۔ اس کے علاوہ تمام چیزوں سے کنارہ کش ہو جائیں گے۔^①

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے کہا: مشروع علم، اور مشروع عبادت وہ ہے جو رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت ہو لیکن جو چیز بعد والے لوگوں سے ثابت ہے اسے اصل قرار دینا درست نہیں ہے اگرچہ اس کا موجد یا اس کا انجام دینے والا معذور ہو یا اجتہاد کی وجہ سے اجر کا مستحق ہو گیا ہو۔

① کتاب الأربعین حدیثاً للآجری، تحقیق بدر البدر، اضاء السلف، (۱۴۲۰ھ)۔

اب جس نے اصول و فروع مسائل میں کتاب و سنت اور آثارِ صحابہ کو بنیاد بنایا تو اس نے نبوت کی راہ کو پایا۔ اسی طرح جس نے ارادہ، عبادت، عمل اور اعمال کے اصول و فروع خواہ اس کا تعلق قلبی احوال سے ہو یا بدنی اعمال سے، ان سب کے متعلق سماع کی بنیاد ایمان و سنت اور رسول اللہ ﷺ کی ہدایت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی راہ کو بنایا تو اس نے نبوت کی راہ کو پایا اور یہی راستہ ائمہ کرام کا بھی ہے۔^①

سلفی منہج کی پیروی کی فضیلت

سوال: اگر کوئی سلفی منہج کو اختیار کر لے تو اس کو کیا حاصل ہوگا؟

جواب: یقیناً جس نے سلفی منہج کی پیروی کی اس نے بہت بڑی فضیلت حاصل کر لی، مثلاً:

- ۱: سلفی منہج ہر قسم کے اختلافات سے نجات پانے کا بہترین ذریعہ ہے۔
- ۲: سلفی منہج ضلالت و گمراہی سے نجات پانے کا بہترین ذریعہ ہے۔
- ۳: اس کی طرف نسبت میں رسول اللہ ﷺ کی طرف نسبت کا شرف ہے۔
- ۴: سلفی منہج کی پیروی سے شیطانی راستوں سے نجات پائی جاسکتی ہے۔
- ۵: سلفی منہج کی پیروی میں مسلمانوں کو ذلت و رسوائی سے کلی نجات حاصل ہے۔
- ۶: اسی منہج میں بیماری اور علاج کی صحیح تشخیص ہے۔
- ۷: اس میں مکمل شریعت ہے۔
- ۸: اسی منہج میں مکمل مکارم اخلاق ہے۔
- ۹: اسی منہج پر عمل کر کے مسلمان جہنم کے دردناک عذاب سے محفوظ ہو سکتا ہے۔
- ۱۰: اسی منہج پر عمل کر کے مسلمان جنت میں داخل ہوگا۔
- ۱۱: اسی منہج میں سنت کا احیا بھی ہے۔
- ۱۲: یہی سلفی منہج تحریب اور گروپ بندی سے نجات کا بہترین ذریعہ ہے۔

ان فضیلتوں میں سے ہر فضیلت اس بات کی متقاضی ہے کہ اس منہج کو مضبوطی سے پکڑنا واجب ہے۔

تنبیہ..... ہر وہ شخص جو اپنے آپ کو سلفی کہتا ہے یا اہل سنت والجماعت یا اہل حدیث کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرتا ہے کوئی ضروری نہیں ہے کہ ایسا شخص واقعی انہی میں سے ہو۔ جب تک اس کے اعمال و کردار کو اچھی طرح جانچ و پڑتال نہ لیا جائے۔ کتاب و سنت کی واضح تعلیمات اور صحابہ کرام و تابعین عظام کے طرز عمل پر اس کو جانچ نہ لیا جائے۔ اگر اس کا عمل و کردار واقعتاً کتاب و سنت اور صحابہ کرام کے طرز عمل کے موافق ہے تو یقیناً وہ انہیں میں سے ہے اور اگر مخالف ہے تو نہیں۔

ابو مظفر سمعانی رحمہ اللہ نے کہا: ہمیں اتباع کا حکم دیا گیا ہے اور بدعت سے سختی کے ساتھ منع کیا گیا ہے۔ نیز اہل سنت کا شعار یہی ہے کہ وہ سلف صالحین کی پیروی کرتے ہیں اور ہر قسم کی بدعات و خرافات سے دور رہتے ہیں۔ ❶

سلفی کی علامات

سوال: اصلی سلفی کی پہچان کیا ہے؟

جواب: اصلی سلفی کی پہچان مندرجہ ذیل ہے۔ ان علامات کی بنیاد پر اصلی سلفی کو نقلی سلفی سے پہچانا جاسکتا ہے۔

❶: اصلی سلفی کی سب سے بڑی علامت یہ ہے کہ ان کے نزدیک دوستی اور دشمنی کی بنیاد رسول اللہ ﷺ کی سچی اور صحیح اتباع ہے۔

❷: ان کا شعار معاملہ میں مکمل اتباع ہے۔

❸: وہ تمام امور میں اعتدال پسندی کو اختیار کرتے ہیں۔

❹: وہ حق پر ثابت قدم رہتے ہیں۔ ان کے اندر استقرار پایا جاتا ہے اور وہ باہم متفق و متحد

❶ الانتصار لأهل الحديث لأبي المظفر السمعاني بواسطة صون المنطق والكلام، ص ۱۵۸.

رہتے ہیں۔

۵: وہ شرعی علوم کو حاصل کر کے انہی کے مطابق زندگی گزارتے ہیں اور انہی کے مطابق دین کو قائم کرتے ہیں۔
اب آپ آئندہ سطور میں مذکورہ بالا علامات کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں:

پہلی علامت

دوستی و دشمنی کی بنیاد رسول اللہ ﷺ کی سچی اتباع ہے

سلفی حضرات کی سب سے بڑی علامت یہ ہے کہ ان کے نزدیک کتاب و سنت کو چھوڑ کر دوستی و دشمنی یا دلاء و براء کی کوئی دوسری بنیاد نہیں ہے۔ یہ لوگ کسی شخص یا کوئی کتاب یا کوئی اصول کو بنیاد بنا کر گروپ بندی کے قائل ہرگز نہیں ہیں۔

اب رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ کر جس شخص نے بھی کسی دوسرے پیروکار کو دوستی اور دشمنی کا معیار بنایا وہ یقیناً گروپ بندی کا شکار ہو گیا اور ایسا شخص ہمیشہ افتراق و انتشار کا سبب بنتا رہے گا۔

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے حدیث افتراق پر گفتگو کرتے ہوئے کہا ہے: ”ان فرقوں کی تعیین کے بارے میں علماء نے کتابیں لکھی ہیں، اپنے مقالات میں ان کا تذکرہ کیا ہے، لیکن متعین کر کے یہ کہنا کہ یہی فرقہ بہتر فرقوں میں سے ایک ہے اس کے لیے دلیل چاہیے۔“
ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّي الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْإِثْمَ وَ
الْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَأَنْ تُشْرِكُوا بِاللَّهِ مَا لَمْ يُنْزَلْ بِهِ سُلْطَانًا وَأَنْ
تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ﴾ (الاعراف: ۳۳)

”تم کہہ دو کہ بے شک میرے رب نے تمام فواحش کو حرام قرار دیا ہے ان میں سے جو ظاہر ہیں اور جو پوشیدہ اور گناہ کو اور ناحق ظلم کو اور اس بات کو بھی کہ تم اللہ

کے ساتھ کسی ایسی چیز کو شریک کر جس کے لیے اس نے کوئی دلیل نہیں نازل کی اور اس بات کو بھی کہ تم اللہ کے خلاف وہ بات کہو جس کو تم نہیں جانتے ہو۔“

دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلَالًا طَيِّبًا وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ ۝ إِنَّمَا يَأْمُرُكُمْ بِالسُّوءِ وَالْفَحْشَاءِ وَأَنْ تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۝﴾ (البقرہ: ۱۶۸ تا ۱۶۹)

”اے لوگو! زمین میں جو پاکیزہ حلال ہیں ان کو کھاؤ اور شیطان کے نقش قدم کی پیروی مت کرو، بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے، وہ تمہیں برائی اور فحش کاموں کا حکم دیتا ہے اور اس بات کا بھی کہ تم اللہ کے خلاف وہ بات کہو جس کو تم نہیں جانتے ہو۔“

نیز فرمایا:

﴿وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ﴾ (الاسراء: ۳۱)

”اور جس چیز کا تمہیں علم نہیں ہے تم اس کے پیچھے مت پڑو۔“

کتنے ایسے لوگ ہیں جو ظن اور نفسانی خواہشات کی وجہ سے ان فرقوں کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ یہ اہل سنت والجماعت سے ہیں اور جو ان کی مخالفت کرے وہ بدعتی ہے۔ لیکن یہ کھلی ہوئی گمراہی ہے کیونکہ اہل حق اور اہل سنت کا متبوع اور امام صرف ایک ہے، اور وہ رسول اللہ ﷺ ہیں جن کے بارے میں قرآن ناطق ہے:

﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۝ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ۝﴾ (النجم: ۴ تا ۳)

”اور وہ خواہشات سے کچھ نہیں بولتے، وہ تو صرف ایک وحی ہوتی ہے جو ان کی طرف کی جاتی ہے۔“

آپ ﷺ کی ہی ذات گرامی وہ ہے جس کی ہر بات کو تصدیق کرنا اور ہر اوامر میں آپ ﷺ کی پیروی کرنا واجب اور ضروری ہے۔ یقیناً آپ ﷺ کو چھوڑ کر یہ مقام

کسی دوسرے امام کو ہرگز نہیں حاصل ہے۔ بلکہ حقیقت امر یہ ہے کہ ہر ایک کی بات کو لیا بھی جاسکتا ہے اور چھوڑا بھی جاسکتا ہے سوائے رسول اللہ ﷺ کے۔ اب رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ کر جس نے کسی ایسے شخص کو چن لیا کہ اسی سے محبت کرتا ہے اور اس کی موافقت بھی کرتا ہے وہ اہل سنت والجماعت میں سے نہیں ہے اور جس نے اس کی مخالفت کی وہ بدعتی ہے، جیسا کہ یہ بات متکلمین کے گروپ میں زیادہ پائی جاتی ہے تو ایسا شخص یقیناً بدعتی ضلالت و گمراہی اور فرقہ پسند ہے۔^①

اس سے واضح ہو گیا کہ فرقہ ناجیہ کا سب سے زیادہ حقدار اہل حدیث و سنت ہیں، جن کا امام رسول اللہ ﷺ کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہے اور یہی اہل حدیث رسول اللہ ﷺ کے احوال اور اقوال و افعال کو سب سے زیادہ جانتے بھی ہیں۔ صحیح و غیر صحیح میں فرق کرتے ہیں، سنت کے معانی و مفاہیم کو صحیح طرح جانتے اور سمجھتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ سے محبت ہی دوستی و دشمنی کا معیار ہے۔ جو چیز رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں ہے وہ دین نہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت ہی پر ان کا اعتقاد و اعتماد ہے۔^②

① علامہ ابن تیمیہ مجموع الفتاویٰ ۷/ ۲۱۷، ۲۱۸ میں کہتے ہیں کہ کتاب و سنت میں اسلام ظاہر کرنے والوں کی دو قسمیں ہیں: مومن یا منافق، منافق جہنم کے نچلے طبقہ میں ہوگا اور دوسرا مومن ہے۔ پھر مومن کبھی ناقص الایمان ہوتا ہے اور کبھی مکمل ایمان والا ہوتا ہے۔ پھر کہتے ہیں کہ مقصود یہاں یہ ہے کہ کسی شخص کو محض اس کی گناہ کی وجہ سے، یا کسی بدعت کی وجہ سے اگرچہ وہ بدعت کی طرف بلاتا ہی کیوں نہ ہو، کافر نہیں کہا جاسکتا باطن میں، مگر یہ کہ وہ منافق ہو، لیکن جس کے دل میں رسول اللہ ﷺ اور آپ کی لائی ہوئی شریعت پر ایمان ہے لیکن وہ کسی بدعتی عمل کا مرتکب ہو گیا تو اسے کافر نہیں کہا جاسکتا۔ خوارج جو سب سے زیادہ بدعتی اور امت کے قاتل اور ان پر کفر کا حکم لگانے والے تھے۔ لیکن صحابہ نے انھیں کافر نہیں کہا نہ ہی علی رضی اللہ عنہ نے اور نہ کسی نے، بلکہ ان پر ظالم مسلمانوں کا حکم لگایا۔ یہی حکم بہتر فرقوں کا ہے۔ ان میں جو منافق ہے وہ باطن میں کافر ہے اور جو منافق نہیں ہے بلکہ باطن میں اللہ و رسول پر ایمان رکھتا ہے تو وہ شخص باطن میں کافر نہیں ہے اور کبھی بعض میں نفاق کا حصہ ہوتا ہے اس میں وہ نفاق نہیں ہوتا ہے جس کی وجہ سے جہنم کے نچلے طبقے میں ہوگا اور جس نے کہا کہ بہتر فرقوں میں سے ہر ایک کو کافر ہو گیا۔ ملت سے خارج ہو گیا تو اس نے کتاب و سنت اور اجماع صحابہ کی مخالفت کی، ائمہ اربعہ کی بھی مخالفت کی کیونکہ ان میں سے کسی نے بھی بہتر فرقوں میں سے کسی کو کافر نہیں کہا ہے بلکہ بعض مقالات بعض کو کافر کہتا ہے۔

دوسری علامت

سلفی کا شعار اتباع ہے

وہ دینی امور جن کا اتفاق ہے اور وہ سنت جس کے خلاف بدعت و ضلالت ہے ان کو بیان کرتے ہوئے ابو محمد عبد اللہ بن ابی زید قیروانی کہتے ہیں کہ سنت کو قبول کرنا ہے یہ سنت نہ تو کسی رائے کی مخالفت کرتی ہے اور نہ ہی کسی قیاس کی، سلف صالحین نے جس سنت کی تاویل کی ہے ہم بھی اس کی تاویل کریں گے اور جس پر عمل کیا ہے ہم بھی اس پر عمل کریں گے اور جس کو انھوں نے چھوڑ دیا ہے ہم بھی اس کو چھوڑ دیں گے۔ ہمارے اندر اتنی ہمت ہے کہ جس کو انھوں نے مضبوطی سے پکڑا تھا ہم بھی اس کو مضبوطی سے پکڑیں۔ جس کو انھوں نے واضح طرح بیان کیا ان میں ہم ان کی اتباع کریں گے۔ ان کے استنباطات کو مانیں گے۔ ان کی جماعت سے الگ ہونا پسند نہیں کریں گے۔ یہی اہل سنت کا قول ہے اور یہی امام مالک کا قول بھی ہے۔^①

ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ (ابن ابی زینین) نے کہا: جان لو کہ سنت قرآن کی دلیل اور شرح ہے۔ اس کا ادراک عقل و قیاس سے نہیں ہو سکتا۔ بلکہ ائمہ کرام کی اتباع کر کے ہی اس کو جانا جاسکتا ہے اور جس راہ پر جمہور امت گامزن ہے اس کو اپنا کر سنت کو معلوم کیا جاسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کچھ قوموں کا ذکر بڑے اچھے انداز میں کیا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَبَشِّرْ عِبَادِيَ ۝ الَّذِينَ يَسْتَمِعُونَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَاهُمُ اللَّهُ وَأُولَٰئِكَ هُمْ أُولُوا الْأَلْبَابِ ۝﴾ (الزمر: ۱۷ تا ۱۸)

”میرے ان بندوں کو خوشخبری سنا دو جو بات کو سنتے ہیں تو اچھی بات کی پیروی کرتے

ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی ہے اور یہی عقل مند ہیں۔“

① الجامع لابن ابی زید القیروانی (ص ۱۱۷)

اور فرمایا:

﴿وَإِنَّ هَذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ ذَلِكُمْ وَصَّكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾

(الانعام: ۱۵۳)

”بے شک یہ میرا سیدھا راستہ ہے۔ لہذا تم لوگ اسی پر چلو اور دوسرے مختلف راستوں پر مت چلو ورنہ تم کو اس کے راستے سے الگ کر دیں گے، اسی کا اس نے تم کو حکم دیا ہے تاکہ تم لوگ ڈرو۔“^①

ابومظفر سمعانی رحمہ اللہ نے کہا: ہمیں اتباع کا حکم دیا گیا ہے اور بدعت سے سختی کے ساتھ روکا گیا ہے اور اہل سنت کی پہچان یہ ہے کہ وہ سلف صالحین کی پیروی کرتے ہیں اور ہر قسم کی بدعت و ضلالت سے باز رہتے ہیں۔^②

علامہ اصہبانی رحمہ اللہ نے کہا: آدمی کو چاہیے کہ وہ بدعات و خرافات سے بچے، کیونکہ ہر نئی چیز بدعت ہے اور سنت رسول اللہ ﷺ کے آثار کی تصدیق کا نام ہے اور سنت کے بارے میں ”کیوں“ اور ”کیسے چھوڑ دے“ دین میں بحث و مباحثہ بدعت ہے، اس سے دلوں میں شک پیدا ہوتا ہے اور حق و صواب کی پہچان کے مانع ہوتا ہے۔ علم کثرت روایت کا نام نہیں ہے بلکہ یہ اتباع کا نام ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم کی پیروی کی جائے، اگرچہ علم میں کم ہی کیوں نہ ہوں اور جو شخص صحابہ اور تابعین کی مخالفت کرتا ہے وہ گمراہ ہے اگرچہ اس کے پاس بہت زیادہ علم ہی کیوں نہ ہو۔^③

انھوں نے یہ بھی کہا: ”لوگوں کے لیے دینی امور کو واضح کر دیا ہے، لہذا ہمارے اوپر صرف اتباع باقی رہ گیا ہے کیونکہ دین اللہ کی جانب سے آیا ہے۔ لوگوں کے عقول و آراء پر

① اصول السنة لابن ابی زمنین مع تخريجہ رياض الحنة ص ۳۵.

② الانتصار لأهل الحديث للسمعاني بواسطة صون المنطق والكلام ص ۱۵۸.

③ الحجة في بيان المحجة ۲/۴۳۷، ۴۳۸.

اس کی بنیاد نہیں ہے رسول اللہ ﷺ نے امت کے سامنے سنت کو واضح کر دیا ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے کھول کھول کر بیان کر دیا ہے۔ لہذا جس نے دین کے کسی معاملے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مخالفت کی تو وہ گمراہ ہو گیا۔“^۱

اب رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ کر نہ تو کسی کو پیر و مرشد بنایا جاسکتا ہے نہ ہی صدر اور نہ ہی کوئی تنظیم یا گروپ بندی۔

وہ لوگ ان علماء کے پیروکار ہیں جو سلف صالحین کی فہم کی بنیاد پر کتاب و سنت کی اتباع کرتے ہیں۔ نہ ان کے پاس کوئی خفیہ تنظیم ہے اور نہ ہی پوشیدہ بیعت اور نہ ہی خفیہ ملاقات، نہ ہی کوئی باطنی ترتیب، وہ حاکم وقت سے کوئی شے پوشیدہ بھی نہیں رکھتے ہیں۔ بلکہ عام لوگوں سے بھی کسی چیز کو پوشیدہ نہیں رکھتے ہیں۔ بلکہ وہ حاکم وقت اور عام مسلمانوں کے ساتھ رہتے ہیں۔

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ائمہ کرام جیسے مالک، حماد بن زید، ثوری اور ان کی مانند دوسرے لوگوں نے وہی بات کہی جو شریعت مطہرہ لے کر آئی ہے۔ اسی میں ہدایت ہے اور اسی میں شفا بھی ہے۔ لیکن جس کو مسلمانوں کی راہ کا علم نہیں ہے وہ اس کے بدلے وہ چیز لیتا ہے جو ان کے پاس ہوتی ہے اور یہی بدعت و ضلالت کا سبب بن جاتی ہے اور اسی وجہ سے انسان ہلاک ہو جاتا ہے۔ اسی لیے لوگ کہتے ہیں: سنت کو مضبوطی سے پکڑنا اور اس پر قائم رہنا نجات کا سبب ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ نے کہا: سنت سفینہ نوح کی مانند ہے جو اس پر سوار ہو گیا وہ نجات پا گیا اور جو اس کے پیچھے رہا وہ ہلاک ہو گیا۔ یقیناً یہ مثال بالکل حق ہے کیونکہ نوح علیہ السلام کی کشتی میں وہی لوگ سوار ہوئے تھے جنہوں نے نبیوں کی تصدیق کی تھی اور ان کی باتوں پر عمل کیا تھا۔ لیکن جو اس پر سوار نہیں ہوا اس نے یقیناً نبیوں کو جھٹلایا۔ واضح رہے کہ سنت کی اتباع درحقیقت اس شریعت کی اتباع ہے جو اللہ کی جانب سے آئی ہے۔ لہذا سنت کی پیروی کرنے

والا شخص اس مقام میں ہے جو نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں سوار ہو گیا اور شریعت پر عمل نہ کرنے والا اس شخص کے مقام میں ہے جو کشتی میں سوار نہ ہو سکا۔

اسی طرح جب مومن بندہ فلسفیوں اور متکلمین کے مقالات میں غور و فکر کرتا ہے جن میں سراسر ضلالت و گمراہی ہے تو وہ دیکھتا ہے کہ قرآن و سنت ان کے احوال واقعی کو کھول کھول کر واضح کرتے ہیں۔ حق و باطل کے درمیان واضح طور پر فرق بیان کرتے ہیں۔

آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مخلوق میں سب سے زیادہ علم داں تھے۔ اسی طرح وہ کفار اور منافقین کے ساتھ جہاد میں بھی وہ سب سے زیادہ مضبوط تھے۔ جیسا کہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ان کے بارے میں کہا ہے: ”تم میں سے اگر کوئی اقتدا کرنا چاہتا ہے تو ان کی اقتدا کرے جو وفات پا چکے ہیں، یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی۔ کیونکہ زندہ شخص فتنے سے مامون و محفوظ نہیں ہے، یہ لوگ محمد ﷺ کے نیک ساتھی تھے۔ امت کے نیک لوگ تھے، ان کا علم گہرا تھا، ان میں تکلف نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے نبی کی صحبت اور دین قائم کرنے کے لیے پیدا کیا تھا۔ لہذا ان کے حق کو پہچانو، اور ان کی راہ کو مضبوطی سے پکڑو، بے شک وہ سب کے سب صراط مستقیم پر قائم تھے۔“^①

تیسری علامت

وہ تمام امور میں اعتدال پسندی کے قائل ہیں

اسلام کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ اعتدال پسندی اور میانہ روی کی تعلیم دیتا ہے۔^② اعتدال پسندی دین کی اہم علامت ہے۔

① مجموع الفتاویٰ : ۱۳۷/۴

② الإسلام مقاصده وخصائصه، د محمد العقلة ص ۵۰ کو دیکھو، علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: ”اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو کچھ ایسی خصوصیات عطا کی ہیں جن کی وجہ سے آپ ﷺ دوسرے انبیاء پر ممتاز ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو افضل شریعت عطا کی جس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کی امت کو سب سے بہترین امت قرار دیا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات، انبیاء و رسل، آسمانی کتابوں پر ایمان لائے ہیں اعتدال پسندی سے کام لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو معروف کا حکم دیا اور منکر سے روکا۔ پاکیزہ اشیاء کو ان کے لیے حلال کیا اور ان پر خباثت کو حرام رکھا۔“

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۝ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ ۝﴾

ہم حرام کر دیا۔ طہیات میں سے کچھ بھی ان پر حرام نہیں کیا جس طرح یہود پر کیا تھا۔ ان کے لیے خباثت کو حلال نہیں کیا جس طرح نصاریٰ نے حلال کر لیا تھا۔ طہارت و نجاست کے باب کو ان پر تنگ نہیں کیا جیسا یہود پر تنگ کیا تھا۔ ان سے حدیث اور نبوت کی طہارت کو ختم نہیں کیا جیسے نصاریٰ پر ختم کر دیا تھا ان کے یہاں خباثت سے پاکیزگی واجب نہیں تھی اور نہ ہی نماز کے لیے وضو اور نہ نماز کے لیے نجاست سے اجتناب ضروری نہیں، بلکہ وہ بہت سی عبادتیں ناپاکی کی حالت میں ادا کرتے ہیں۔ وہ راہب کی فضیلت بیان کرتے ہیں کہ ”اس نے چالیس سال تک پانی نہیں چھوا“ اسی لیے وہ ختنہ نہیں کرتے ہیں۔ جبکہ یہ ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے یہود کے یہاں جب عورت کو حالت حیض میں ہوتی ہے تو اس حالت میں نہ وہ اس کے ساتھ کھانا کھائیں گے اور نہ ہی پانی پیئیں گے اور نہ ہی اس کے ساتھ ایک گھر میں بیٹھیں گے۔ نصاریٰ کے یہاں حائضہ عورت سے وطی حرام نہیں۔ یہودی نجاست کو صاف نہیں کرتے بلکہ اگر کپڑے میں لگ جائے تو اس کو قہنجی سے کاٹ دیتے ہیں۔ نصاریٰ نے یہاں کوئی ایسی نجس چیز نہیں جس کا کھانا حرام ہو۔ جس کے ساتھ نماز حرام ہو، ان کے برخلاف مسلمان شریعت میں اعتدال پسند ہیں۔ انھوں نے منسوخ شریعت کی وجہ سے ناخ شریعت کا انکار نہیں کیا جس طرح یہودیوں نے کیا اور نہ ہی کسی شرعی حکم کو بدلا اور نہ ہی کسی ایسی شریعت کا ایجاد کیا جس کا اللہ نے حکم نہ دیا ہو جس طرح نصاریٰ نے کیا۔ نہ ہی انھوں نے نصاریٰ کی طرح انبیاء و صالحین کے بارے میں غلو سے کام لیا اور نہ ہی یہودیوں کی طرح ان کی حق تلفی کی۔ نہ ہی خالق کو مخلوق کی صفت سے متصف کیا اور نہ ہی مخلوق کو خالق کی صفت سے متصف کیا جس طرح نصاریٰ نے کیا۔ انھوں نے اللہ کی عبادت کرنے میں یہود کی طرح تکبر نہیں کیا اور نہ ہی نصاریٰ کی طرح اس کی عبادت میں کسی کو شریک کیا۔ اسلام میں اہل سنت والجماعت کا مقام وہی ہے جیسے دوسری ملتوں میں اہل اسلام، یہ لوگ نہ تو اللہ کی صفات کا انکار کرتے ہیں اور نہ اس کو دوسری مخلوق سے تشبیہ دیتے ہیں۔ وہ لوگ اللہ کی وہ صفت بیان کرتے ہیں جس کو اللہ نے خود اپنے لیے بیان کیا ہے یا جس کو رسول اللہ ﷺ نے بیان کیا ہے۔ وہ اس کے ساتھ کسی کو شریک بھی نہیں کرتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ﴾ اس کے مانند کوئی شے نہیں ہے، مملکت کی تردید میں یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ﴾ اور وہ سب و بصیر ہے۔ معطلہ کی رد میں اللہ کا قول: ﴿قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ ۝ اللَّهُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ ۝ لَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ﴾ وہ سبذ جو صفت کمال کا مستوجب ہے۔ الاحد: جس کا کوئی شریک و ساجھی نہ ہو۔ اہل سنت اللہ تعالیٰ کے افعال میں بھی اعتدال پسند ہیں وہ معتزلہ کی طرح تقدیر کو جھٹلاتے نہیں اور نہ ہی جبریت کی طرح اللہ تعالیٰ کی حکمت اس کی رحمت و عدل کا انکار کرتے ہیں۔ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں بھی اعتدال پسند ہیں نہ تو غلو کر کے ان کو الوہیت یا نبوت کے مقام پر پہنچاتے ہیں اور نہ ہی کسی کی تکفیر یا تفسیق کرتے ہیں۔ یہ لوگ امت کے بہترین لوگ ہیں۔

”تو ہم کو صراط مستقیم کی راہ دکھا، ان لوگوں کی راہ جن پر تو نے انعام کیا ہے نہ ان لوگوں کی راہ جن پر تیرا غضب ہوا ہے اور نہ ہی ان لوگوں کی راہ جو گمراہ تھے۔“

اس آیت کریمہ میں وجہ استدلال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صراط مستقیم کی یہ صفت بیان کی ہے نہ تو یہ یہودیوں کا راستہ ہے جو دین میں غلو کرتے ہیں اور نہ ہی نصاریٰ کا راستہ ہے جو عبادت میں غلو کرتے تھے، یہاں تک یہ لوگ شرعی حدود سے تجاوز کر گئے صرف عبادت ہی میں نہیں بلکہ عقیدہ میں بھی۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ وَلَا تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ إِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُولُ اللَّهِ وَكَلِمَتُهُ أَلْقَاهَا إِلَى مَرْيَمَ وَرُوحٌ مِنْهُ فَآمِنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَلَا تَقُولُوا ثَلَاثَةٌ إِنَّهُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِنَّمَا اللَّهُ إِلَهٌ وَاحِدٌ سُبْحَنَهُ أَنْ يَكُونَ لَهُ وَلَدٌ لَهُ مَا فِي السَّمُوتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَكَفَى بِاللَّهِ وَكِيلًا﴾ (النساء: ۱۷۱)

”اے اہل کتاب! تم دین میں غلومت کرو اور اللہ کے بارے میں حق کے سوا مت کہو، بے شک مسیح عیسیٰ بن مریم اللہ کا پیغمبر اور اس کا کلمہ ہیں جس کو مریم کی طرف القاء کیا ہے اور اس کی جانب سے روح ہے۔ لہذا تم لوگ اللہ اور اس کے پیغمبروں پر ایمان لے آؤ اور نہ کہو یہ تین ہیں۔ اس سے باز آ جاؤ یہ تمہارے لیے بہتر ہے۔ بے شک اللہ ایک معبود ہے وہ پاک ہے اس بات سے کہ اس کا کوئی لڑکا ہو آسمانوں اور زمین میں ساری چیزیں اس کی ہیں اللہ ہی کا ساز ہے۔“

اس آیت کریمہ کی روشنی میں جب صراط مستقیم یہود و نصاریٰ کے راستہ کے علاوہ ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ یہود و نصاریٰ کا راستہ غلو کا راستہ ہے تو معلوم ہوا کہ ”صراط مستقیم“ ایسا راستہ ہے جس میں غلو نہیں ہے وہ افراط و تفریط کے درمیان کا راستہ ہے۔ یہی وسطیہ

(اعتدال پسندی) کا حقیقی مفہوم ہے۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمارے لیے خط کھینچا

پھر فرمایا:

((هَذَا سَبِيلُ اللَّهِ، ثُمَّ خَطَّ خُطُوطًا عَنْ يَمِينِهِ وَعَنْ شِمَالِهِ، ثُمَّ قَالَ: هَذِهِ سُبُلٌ مُتَفَرِّقَةٌ عَلَى كُلِّ سَبِيلٍ مِنْهَا شَيْطَانٌ يَدْعُو إِلَيْهِ - ثُمَّ قَرَأَ: ﴿وَإِنَّ هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ﴾)) ①

”یہ اللہ کا راستہ ہے۔ پھر اس کے دائیں بائیں چند خطوط کھینچے اور فرمایا: یہ مختلف راستے ہیں اس کے ہر راستے پر شیطان ہے جو اپنی طرف بلاتا ہے۔ پھر آپ نے آیت تلاوت فرمائی: ﴿وَإِنَّ هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ﴾“
”صراط مستقیم“ افراط و تفریط کے درمیان وسط معنی کا مقتضی ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے کہا گیا کہ:

((أَيُّ الْأَدْيَانِ أَحَبُّ إِلَيَّ اللَّهُ؟ قَالَ: الْحَنِيفِيَّةُ السَّمْحَةُ.)) ②

”اللہ کے نزدیک کون سا دین سب سے بہترین ہے؟ آپ نے فرمایا: اسلام۔“

علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اہل سنت والجماعت کے بارے میں کہا: وہ وسط ہیں۔ اس لیے کہ وہ لوگ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کو مضبوطی سے پکڑے رہتے ہیں اور اس کو بھی مضبوطی سے پکڑے رہتے ہیں اور جس ایمان و یقین پر مہاجرین و انصار میں سے پہلے

① مسند احمد ۱/۴۲۵، ۴۶۵، سنن دارمی مقدمة، کتاب السنة، لابن ابی عاصم ۱/۱۳، ابن حبان

۱۸۰/۱-۱۸۱، مستدرک حاکم ۲/۳۱۸.

② مسند احمد (۲۱۰۷)، الادب المفرد للبخاری ص ۱۲۲، نمبر ۲۲۰، ۲۷۸، مسند عبد بن حمید

المنتخب ۱/۴۹۷.

کے لوگ قائم ہیں اور وہ لوگ جنہوں نے بھلائی کے ساتھ ان کی پیروی کی۔^①
 ان کے پاس نہ تو شدت ہے اور نہ ہی غلو اور نہ ہی کوئی ایسی علت بیان کرتے ہیں جس کی وجہ سے انقیاد و اتباع اور پیروی کرنے میں کوئی خلل واقع ہو۔
 علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے کہا: ”اقتصاد“ اور ”تقصیر“ میں فرق یہ ہے کہ اقتصاد افراط و تفریط کے درمیان میانہ روی کا نام ہے۔ اس کے دو کنارے ہیں اور دونوں کنارے اس کے ضد ہیں اور تقصیر حد سے تجاوز کرنا، لہذا مقصد میانہ روی کو اختیار کر کے مذکورہ دونوں کناروں سے اعراض کر جاتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالَّذِينَ إِذَا أَنْفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَلِكَ قَوَامًا﴾ (الفرقان: ۶۷)

”اور وہ لوگ جب خرچ کرتے ہیں تو اسراف سے کام نہیں لیتے نہ بخیلی سے بلکہ ان دونوں کے درمیان معتدل طریقے پر خرچ کرتے ہیں۔“

نیز فرمایا:

﴿وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُومًا مَّحْسُورًا﴾ (الاسراء: ۲۹)

”اور اپنا ہاتھ اپنی گردن سے بندھا ہوا مت رکھ اور نہ اسے بالکل ہی کھول دے کہ پھر ملامت کیا ہوا اور درماندہ بیٹھ جائے۔“

اور فرمایا:

﴿وَكُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا﴾
 ”اور کھاؤ پیا اور اسراف نہ کرو۔“

پورا دین اسلام افراط اور تفریط کے درمیان ہے بلکہ آپ غور کریں تو دیکھیں گے کہ

اسلام دوسرے ملل و مذاہب کے درمیان درمیانہ مذہب ہے جس میں نہ افراط ہے نہ تفريط۔ سنت اور بدعت کے درمیان معتدل طریقہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو بھی حکم دیا ہے اس میں شیطان کے دوراستے ہیں: یا تو وہ غلو کی طرف مائل کرے گا یا تفريط و تقصیر کی طرف لے جائیگا اور یاد رکھو یہ دونوں بہت بڑی آفت اور گمراہی کے راستے ہیں ان سے ہی شخص نجات پاسکتا ہے جو صدق دل سے رسول اللہ ﷺ کی پیروی کرے گا اور لوگوں کے آراء و اقوال کو ہمیشہ کے لیے ترک کر دے گا۔

یہ دونوں راستے مہلک مرض ہیں جو اکثر لوگوں میں سرایت کر گئے ہیں یہی وجہ ہے کہ سلف صالحین نے ان دونوں ہلاکت خیز راہوں سے سختی سے متنبہ کیا ہے۔ کبھی کبھی یہ دونوں خصلتیں کسی ایک شخص میں پائی بھی جاتی ہیں۔ مثلاً: کسی معاملے میں وہ شخص بڑی کوتاہی سے کام لیتا ہے جبکہ وہی شخص دوسرے معاملے میں غلو سے کام لیتا ہے اور ہدایت یافتہ وہی ہے جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت دے۔^①

اس کے برخلاف سلفی حضرات تشدد اور غلو، افراط و تفريط سے کافی دور رہتے ہیں۔ غلو کا معنی یہ ہے کسی شے میں مبالغہ کرنا اور حد سے تجاوز کرنا۔ اس میں تعمق کا معنی بھی پایا جاتا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ:

((قَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ ﷺ غَدَاةُ الْعَقَبَةِ وَهُوَ عَلَى رَاحِلَتِهِ: هَاتِ الْقُطْ لِي فَلَقَطْتُ لَهُ حَصِيَّاتٍ هُنَّ حَصَى الْخَذْفِ فَلَمَّا وَضَعْتُهُنَّ فِي يَدِهِ قَالَ: بِأَمْثَالِ هَؤُلَاءِ، وَإِيَّاكُمْ وَالْغُلُوَّ فِي الدِّينِ، فَإِنَّمَا أَهْلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ الْغُلُوَّ فِي الدِّينِ.))^②

”مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے کنکریاں مارنے کی صبح فرمایا، اس وقت آپ اپنی

① الروح: ص ۳۴۷۔

② مسند احمد ۳/۲۵۱، النسائی: کتاب الحج، باب التقاط الحصى، حدیث (۳۰۵۷)، ابن ماجہ کتاب المناسک، باب قدر حصى الرمی، حدیث (۳۰۲۹) وابن خزيمة ۴/۲۷۴، والحاکم (۱/۴۶۶)۔

اوٹنی پر سوار تھے آؤ اور میرے لیے کنکریاں چن لو، میں نے آپ کے لیے چھوٹی چھوٹی کنکریاں چنیں جب میں نے ان کو آپ کے ہاتھ میں رکھا تو آپ نے فرمایا: اسی طرح کنکریاں مارنا اور دین میں سختی کرنے سے بچتے رہنا کیونکہ تم سے پہلے کے لوگ دین میں غلو اور سختی کی وجہ سے ہلاک ہو گئے۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
 ((يَسِّرُوا وَلَا تُعَسِّرُوا وَبَشِّرُوا وَلَا تُنْفِرُوا إِنَّمَا بَعَثْتُ ميسرين))
 ولم تبعثوا معسرين ①

”آسانی کرو، اور سختی نہ کرو، بشارت دو، متنفر مت کرو، بے شک تم کو آسانی دینے کے لئے پیدا کیا گیا ہے نہ کہ سختی کے لئے۔“

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
 ((هَلَكَ الْمُتَنَطِّعُونَ، هَلَكَ الْمُتَنَطِّعُونَ، هَلَكَ الْمُتَنَطِّعُونَ، هَلَكَ الْمُتَنَطِّعُونَ))
 المتنطعون ②

”حد سے تجاوز کرنے والے ہلاک ہو گئے، حد سے تجاوز کرنے والے ہلاک ہو گئے، حد سے تجاوز کرنے والے ہلاک ہو گئے۔“

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ غلو بہت مہلک عمل ہے، اس سے بچنا ضروری ہے۔

چوتھی علامت

یہ لوگ اتفاق و اتحاد کو پسند کرتے ہیں اور حق پر ثابت قدم رہتے ہیں
 سلفی حضرات گروپ بندی ہرگز نہیں پسند کرتے ہیں بلکہ یہ ہمیشہ جماعت بندی اور وحدت پسندی کے حریص ہوتے ہیں۔ لیکن یہ بات ضرور واضح رہے کہ یہ لوگ وہ جماعت

① صحیح بخاری، کتاب العلم باب ما كان النبي ﷺ يتخولهم حديث (٦٩)، صحيح مسلم، كتاب الجهاد والسير، باب في الأمر بالتيسير وترك التنفير، حديث: ١٧٣٤.

② صحيح مسلم، كتاب العلم، باب هلك المتنطعون، حديث: ٢٦٧٠.

پسند کرتے ہیں جو رسول اللہ ﷺ کی سنت اور صحابہ کرام کے منہج پر قائم ہو۔ ابو مظفر سمعانی کہتے ہیں: اہل حدیث کے حق پر ہونے کی سب سے واضح دلیل یہ ہے کہ اگر آپ ان کی کتابوں کا شروع سے آخر تک مطالعہ کریں گے، خواہ وہ کتابیں قدیم ہوں یا جدید، ان کے لکھنے والوں کی جگہ اور شہر اور زمانہ مختلف ہے۔ آپس میں ملکی فاصلہ بھی واقع ہے، کوئی مشرق میں رہتا ہے تو کوئی مغرب میں، ان تمام اختلاف مکان و زمان کے باوجود ان کی کتابوں میں ہرگز اختلاف نہیں پائیں گے۔ مثلاً: مسائل عقیدہ ایک ہی جیسا ہوگا۔ انداز بیان میں اختلاف ہو سکتا ہے لیکن نفس مسئلہ ایک جیسا ہوگا۔ ان کا قول و فعل ایک جیسا ہوگا۔ ان میں آپ ذرا بھی اختلاف نہیں پاسکتے ہیں۔ ان کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ کو جمع کریں اور جس کو انھوں نے اپنے اسلاف سے نقل کیا ہے اس کو جمع کریں، جب سب کو ملائیں گے تو آپ کو محسوس ہوگا کہ سب ایک ہی جگہ سے جاری ہوئے ہیں۔ ان کے حق پر ہونے کی اس سے واضح دلیل اور کیا ہو سکتی ہے؟

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ الْقُرْآنَ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ
اِخْتِلَافًا كَثِيرًا﴾ (النساء: ۸۲)

”وہ لوگ قرآن میں غور و فکر کیوں نہیں کرتے ہیں اگر یہ اللہ کے علاوہ کسی دوسرے کی طرف سے ہوتا تو اس میں یہ لوگ بہت زیادہ اختلافات پاتے۔“

نیز فرمایا:

﴿وَاَعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ
عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَاءً فَالْفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَاصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ
اِخْوَانًا﴾ (آل عمران: ۱۰۳)

”تم سب کے سب اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو اور ٹولیوں ٹولیوں میں مت بٹ جاؤ تم اپنے اوپر اللہ کی نعمت کو یاد کرو، جب تم آپس میں دشمن تھے تو اس

نے تمہارے دلوں میں الفت و محبت میں ڈال دیا، پھر اس کی نعمت سے تم بھائی
بھائی ہو گئے۔“

اس کے برخلاف جب آپ بدعتی اور نفس پرست کو دیکھیں گے تو انھیں آپ ٹولیوں
اور جماعتوں میں بٹا ہوا پائیں گے۔ ان میں سے دو کا اعتقاد بھی ایک جیسا نہیں ہوگا۔ کچھ نہ
کچھ نئی چیز لاتے ہی رہتے ہیں۔ بلکہ یہ لوگ کفر تک پہنچ جاتے ہیں۔ بیٹا باپ کو کافر قرار
دے رہا ہے۔ آدمی اپنے بھائی کو کافر کہہ رہا ہے۔ پڑوسی اپنے پڑوسی کو کافر بنا رہا ہے غرضیکہ اسی
باہمی انتشار میں ان کی عمریں ختم ہو جاتی ہیں لیکن ان کی باتوں میں یکسانیت نہیں ہو پاتی ہے۔
آپ ان کو ضرور اکٹھا دیکھیں گے لیکن ان کے قلوب و ضمائر مختلف ہیں کیونکہ یہ نا سمجھ قوم ہے۔
کیا آپ نے معتزلہ کے بارے میں نہیں سنا۔ یہ لقب میں متحد ہیں، اس کے باوجود
بغداد کا معتزلی بصرہ کے معتزلی کو کافر بناتا ہے اور بصرہ کا معتزلی بغداد کے معتزلی کو کافر بناتا
ہے۔ ابوعلی جبائی کے اصحاب ان کے بیٹے ابو ہاشم کی تکفیر کرتے۔ اسی طرح ابو ہاشم کے
اصحاب اس کے پاس ابوعلی کی تکفیر کرتے ہیں۔

اس طرح ان کے جتنے بڑے بڑے حضرات ہیں آپ ان کو ایک دوسرے سے جدا ہی
دیکھیں گے۔ وحدت اور ہم آہنگی کبھی نہیں پائیں گے۔ ایک دوسرے کو کافر قرار دینا اور ایک
دوسرے سے براءت اختیار کرنا گویا ان کی عادت بن چکی ہے۔

یہی حال خوارج اور روافض کا ہے۔ اب آپ بتائیں کہ ان کے باطل ہونے پر اس
سے واضح دلیل اور کیا ہو سکتی ہے؟

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيعًا لَّسْتُ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ إِنَّمَا
أَمْرُهُمْ إِلَى اللَّهِ﴾ (الانعام: ۱۵۹)

”بے شک جنہوں نے اپنے دین کو الگ کر لیا اور گروہ گروہ بن گئے تمہارا ان
سے کوئی تعلق نہیں ہے بس ان کا معاملہ اللہ کے حوالہ ہے۔“

اس کے برعکس اہل حدیث میں جو باہمی یکجہتی اور رواداری، باہمی اتفاق و اتحاد پایا جاتا ہے اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ ان کے یہاں دین کا مرجع کتاب و سنت ہے۔ اسی کو انھوں نے بنیاد بنایا ہے۔ اسی لیے ان کے اندر اتفاق و اتحاد پایا جاتا ہے۔ اس کے برخلاف اہل بدعت نے دین معقولات اور آراء و نظریات سے لیا ہے۔ اسی لیے ان کے اندر افتراق و انتشار اور اختلاف پایا جاتا ہے۔ ثقہ راویوں کی روایت اور نقل میں اختلاف بہت کم ہوتا ہے اور اگر کبھی کسی لفظ یا کسی کلمہ میں اختلاف ہو بھی گیا تو اس سے دین کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا ہے۔ لیکن عقلی دلائل میں بہت کم یکسانیت ہوتی ہے بلکہ ہر ایک کی عقلی دلیل دوسرے کی عقلی دلیل سے مختلف ہوتی ہے یہ بہت واضح حقیقت ہے۔

احکام و مسائل میں صحابہ کرام میں بھی اختلاف ہو گیا تھا اور یہ اختلاف اس وجہ سے ہوا تھا کہ انھیں کتاب و سنت میں کوئی واضح نص نہیں ملی تھی مگر یہ اختلاف ان کے افتراق و انتشار کا سبب ہرگز نہیں بنا وہ ہمیشہ باہم متفق و متحد رہے۔

لیکن بعد میں جب نفس پرستی کا ماحول پیدا ہو گیا جو انھیں جہنم میں لے جانے کا سبب بھی بنا۔ وہیں سے عداوت و دشمنی کی فضا ہموار ہوئی اور وہیں سے لوگ ٹولیوں اور گروپوں میں بٹنا شروع ہو گئے۔ بھائی چارہ کا ماحول ختم ہونے لگا۔ الفت و محبت کی زنجیر ٹوٹنے لگی۔ اس سے اتنا ضرور معلوم ہوا کہ اختلاف و انتشار کا اصل سبب بعد کے نئے نئے مسائل بنے۔ جن مسائل کو شیطان خوبصورت بنا کر ان کے پیش کیا اور ان کے اولیاء نے ان کو خندہ پیشانی کے ساتھ قبول کر لیا نتیجہ یہ نکلا کہ آپس میں ٹولیوں میں بٹ گئے اور ایک دوسرے پر کفر کا فتویٰ لگانے لگے۔

کتنے ایسے نئے نئے مسائل پیدا ہوئے جن کا بظاہر کتاب و سنت میں کوئی حل نہیں مل سکا۔ امت میں اس میں غور و فکر کیا۔ رائیں مختلف ہو گئیں لیکن یہ اختلاف رائے ان کے باہمی اختلاف کا سبب نہیں بن سکا۔ اسے اسلامی مسئلہ کا نام دیا جاسکتا ہے کیونکہ سب کی نیتیں خالص تھیں۔ حق و صواب تک پہنچنے کے لیے سب کوششیں کر رہے تھے۔ ایسے موقع پر

اختلاف رائے ہونا ضروری ہے مگر یہ اختلاف رائے باہمی اختلافات کا سبب نہیں بنتا۔ اس کے برخلاف جب مسئلے میں اختلاف ہو اور وہ اختلاف افتراق و انتشار کا سبب بنے تو ایسے مسئلے کو اسلامی مسئلے کا نام نہیں دیا جاسکتا۔ بلکہ شیطانی مکرو فریب کہا جاسکتا ہے۔ اس سے اجتناب ہر ہوش و حواس رکھنے والے انسان کے لیے ضروری ہے کیونکہ جب ہم نے اسلام کو مضبوطی سے پکڑ لیا ہے تو اس نے یہ شرط لگائی ہے کہ ہم آپس میں بھائی بھائی بن جائیں۔ اگر بھائی بھائی نہیں بن سکتے تو پھر اسلام کہاں؟

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ اذْكُرُوا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَاءً فَالَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ

فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ اِخْوَانًا﴾ (آل عمران: ۱۰۳)

”تم اپنے آپ پر اللہ کی نعمت کو یاد کرو، جب تم آپس میں دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں میں الفت و محبت میں ڈال دیا، پھر اس کی نعمت سے تم بھائی بھائی ہو گئے۔“^①

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ”آپ متکلمین کو دیکھیں گے کہ ان میں سے اکثر ایک قول سے دوسرے قول کی طرف بھاگتے رہتے ہیں اور کبھی کسی قول میں یقینی بات بھی کہہ دیتے ہیں اور کبھی دوسرے کے خلاف جنگ بھی کر لیتے ہیں اور اس کے قائل کو کافر قرار دیتے ہیں۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ خود انھیں تحقیق نہیں ہوتی ہے اور یاد رکھئے ایمان تو وہ ہے جب قیصر نے کہا تھا جب اس نے ابوسفیان سے سوال کیا تھا کہ بتاؤ محمد کے ساتھی ایمان لانے کے بعد واپس بھی چلے جاتے ہیں؟ اس نے کہا: نہیں، قیصر نے کہا: ایمان اسی کا نام ہے جب اس کی حلاوت اور چاشنی دلوں میں گھر کر جاتی تو اس سے کوئی دوسرا کبھی ناراض نہیں ہوتا۔“^②

اسی لیے بعض سلف نے کہا تھا: ”جس نے دین کو بحث و مباحثہ اور جنگ و جدل کے

① الإلتصار لأهل الحديث ص ۱۶۵، ۱۶۶.

② عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ حدیث صحیح ثابت ہے بخاری وغیرہ میں دیکھ سکتے ہیں۔

لیے نشانہ بنایا تو اکثر ادھر ادھر بھٹکتا پھرے گا۔“

لیکن آپ اہل سنت کو کبھی ایسا نہیں پائیں گے کہ وہ اپنے قول و فعل اور اپنے عقیدے سے پھر گیا ہو وہ تو سب سے زیادہ صبر پسند ہوتے ہیں، خواہ کتنا زیادہ آزمائشوں سے گزرنا پڑے۔ بلکہ آزمائشوں سے گزرنا تو انبیاء علیہم السلام اور ان کے سچے پیروکاروں کا وتیرہ رہا ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ”کسی ایسے شخص پر رشک مت کرو جس کو اس راہ میں آزمائش نہ پہنچی ہو۔“ نیز وہ کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ مومن بندہ کو ضرور آزماتا ہے اگر اس نے صبر کر لیا تو اس کیلئے بلند درجات ہوں گے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿الَّذِينَ أَحْسَبَ النَّاسُ أَنْ يُتْرَكُوا أَنْ يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ ۖ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللَّهُ الَّذِينَ صَدَقُوا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكَاذِبِينَ ۝﴾ (العنکبوت: ۳۱ تا ۳۲)

”الم، کیا لوگوں نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ وہ چھوڑ دیے جائیں گے محض اس بات کے کہنے سے کہ ہم ایمان لے آئے ہیں اور انھیں آزمایا نہیں جائے گا، یقیناً ہم نے ان سے پہلے والوں کو بھی آزمایا ہے تاکہ اللہ جان لے کون سچے ہیں اور کون جھوٹے۔“

نیز فرمایا:

﴿وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ آيَةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا لِمَا صَبَرُوا وَكَانُوا بِآيَاتِنَا يُوقِنُونَ﴾ (السجده: ۲۴)

”اور جب انھوں نے صبر کیا تو ہم نے انھی میں سے ایسے پیشوا بنائے جو ہمارے حکم کی رہنمائی کرتے ہیں اور ہماری آیتوں پر یقین رکھتے ہیں۔“

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَالْعَصْرِ ۝ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ ۝ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝﴾ (العصر)

”اور قسم ہے زمانے کی، بے شک تمام انسان خسارے میں ہیں۔ مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور عمل صالح کیا اور انھوں نے حق کی وصیت کی اور صبر کی تلقین کی۔“

خلاصہ کلام یہ کہ اہل حدیث کے یہاں ثابت قدمی اور استحکام زیادہ پایا جاتا ہے۔ یہ ثابت قدمی اہل کلام اور اہل فلسفہ کے یہاں بالکل نہیں ہے۔ اہل فلسفہ اہل کلام سے زیادہ پریشان حال رہتے ہیں، اس لیے کہ اہل کلام کے پاس کبھی وہ حق ہوتا ہے جو اہل فلسفہ کے یہاں نہیں ہوتا، اسی لیے آپ حسن بصری کو دیکھیں گے کہ وہ ابن سیناء وغیرہ سے زیادہ ثابت قدم ہیں۔ اسی طرح آپ اہل فلسفہ اور اہل کلام کے یہاں بھی خوب اختلافات پائیں گے۔ اس کے باوجود ان دونوں میں سے ہر ایک یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ جو کہتا ہے وہی حق ہے۔ دوسروں کی بہ نسبت اہل حدیث کے یہاں زیادہ اتفاق و اتحاد پایا جاتا ہے اور جو جماعت بھی ان کے قریب ہوگی اس کے یہاں بھی اسی قدر اتفاق ہوگا اسی طرح آپ دیکھیں گے کہ ان کے یہاں اتنے اقوال و آراء ہوتے ہیں جن کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔^①

وہ اختلاف جو مذموم ہے اور کمزوری کا سبب بھی ہے وہ اہل حدیث کے پاس نہیں ہوتا ہے اور یاد رکھئے! اختلافات و انتشار سے بچنے کا صرف ایک ہی طریقہ ہے اور وہ یہ ہے کہ انسان اللہ اور اس کے رسول کی سچی اطاعت و فرمانبرداری شروع کر دے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ
وَاصْبِرُوا إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ﴾ (الانفال: ۴۶)

”تم اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور آپس میں تنازع مت کرو ورنہ کمزور ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور صبر کرو بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔“

لہذا سنت کی صحیح اتباع اور سلف صالح کے فہم کے مطابق اس کا صحیح فہم ہی اللہ اور اس

① نقض المنطق ص ۴۴، ۴۲۔

کے رسول ﷺ کی اطاعت ہے اور یہی طریقہ کار ہر قسم کے اختلافات سے نجات پانے کا بہترین ذریعہ اور راستہ ہے۔ عرباض بن ساریہ سے روایت ہے کہ ایک دن نماز صبح کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ہم لوگوں کو نصیحت کی وہ نصیحت ایسی دردناک تھی کہ آنکھیں اشک بار ہو گئیں، دل کانپ اٹھے، اتنے میں ایک آدمی نے کہا: اے اللہ کے رسول! کیا یہ آخری نصیحت تو نہیں ہے؟ آپ ہمیں کس چیز کا حکم دیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: میں تمہیں اللہ کا تقویٰ اختیار کرنے کی اور سمع و طاعت کی وصیت کرتا ہوں اگرچہ حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو، کیونکہ تم میں سے جو شخص زندہ رہے گا وہ بہت اختلافات دیکھے گا اور تم نئے نئے امور سے بچتے رہو۔ کیونکہ یہ گمراہی ہے، لہذا تم میں سے جو اس کو پالے وہ میری سنت کو لازم پکڑے اور خلفاء راشدین کی سنت کو لازم پکڑے اور اس کو دانتوں سے مضبوطی سے پکڑے رہے۔^①

ابن ماجہ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”میں نے تم کو روشنی میں چھوڑا ہے جس کی رات دن کے مانند ہے اس سے نہیں بھٹکے گا مگر وہ شخص جو ہلاک ہونا چاہتا ہے۔ تم میں سے جو زندہ رہے گا وہ بہت اختلافات دیکھے گا، لہذا تم میری سنت کو اور خلفاء راشدین کی سنت کو لازم پکڑو اور خوب مضبوطی سے پکڑے رہو اور اطاعت کو لازم پکڑو اگرچہ حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو۔“

رسول اللہ ﷺ کی یہ وصیت جوامع الکلم میں سے ہے۔ یہ دین کا اصل ہے اور یاد رکھئے کہ انسانی زندگی میں بہت سے تعلقات ہوتے ہیں۔ کبھی اس کا تعلق اس کے رب سے ہوتا ہے، کبھی سماج سے اور کبھی نفس سے، مذکورہ حدیث میں ان تمام تعلقات کا ذکر ہے۔ مثلاً: ((اوصیکم بتقوی اللہ)) میں رب کے ساتھ تعلق کا ذکر ہے اور ((والسمع والطاعة وإن عبد حبشی)) میں سماج کے ساتھ تعلق کا ذکر ہے اور تقویٰ اور تمسک بالہ نفس کے ساتھ تعلق کا ذکر ہے۔ حدیث میں ایک ایسے امر کے بارے میں خبر ہے جو

① ترمذی، کتاب العلم، باب ما جاء فی الأخذ بالسنة الخ، ابو داؤد، کتاب السنة، باب ما جاء فی لزوم السنة.

واقع ہوگا وہ امر کون سا ہے؟ آپ ﷺ نے خبر دیا کہ مسلمانوں میں بہت اختلاف پیدا ہوگا۔ ایسے موقع پر اس سے نجات کا کیا راستہ ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ((علیکم بسنتی و سنتی و سنتی الخلفاء الراشدین..... الخ.))

مذکورہ بالا بیانات سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی سچی اتباع اور صحابہ کرام کا نقش قدم اختیار کرتے ہوئے اپنے آپ کو اختلاف مذموم سے نجات دلایا جاسکتا ہے۔

پانچویں علامت

سلفی حضرات شرعی علم حاصل کر کے اور اس پر عمل کر کے

دین کی حفاظت کرتے ہیں

اہل حدیث کے نزدیک حقیقی علم سنن و آثار کی اتباع ہے۔ وہ آیات کریمہ اور احادیث نبویہ کو جمع کرتے ہیں، پھر اس میں غور و فکر کرتے ہیں۔ اسلاف کے اقوال اور ان کے آراء کو جمع کرتے ہیں۔ وہ ایسے اقوال ہرگز نہیں قبول کرتے ہیں جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال کے مخالف ہیں۔ علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے کہا: مشروع علم اور مشروع عبادت وہ ہے جو صحابہ کرام سے ثابت ہے۔ البتہ جو علم بعد والوں سے ملا ہے اسے اصل نہیں قرار دینا چاہیے۔ اگرچہ اس کا قائل معذور ہی کیوں نہ ہو، بلکہ اگر اس نے اجتہاد کیا ہے یا دوسرے کی بات کو لیا ہے تو اجر کا مستحق ہوگا۔“

لہذا جس نے کلام کی بنیاد کتاب و سنت اور آثار صحابہ پر رکھا اس نے نبوی راہ کو پالیا۔ اسی طرح جس نے ارادہ عبادت، عمل اور اصول و فروع کے متعلق سماع کی بنیاد ایمان و سنت اور رسول اللہ ﷺ کی ہدایت پر رکھا اس نے نبوت کا راستہ پالیا۔ یہی ائمہ کرام کا بھی طریقہ تھا۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اصول سنت کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں: ”یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے راستے کو مضبوطی سے پکڑنے کا نام ہے اور رسول اللہ ﷺ، صحابہ کرام اور تابعین عظام

حاشیہ سے منقول تفسیر کی کتابیں لکھیں اور انھیں سے ثابت حدیث کی کتابیں بھی لکھیں اور یہی اعتبار کے قابل بھی ہیں۔ حتیٰ کہ آپ نے خلیفہ وقت متوکل کے پاس خط میں کہا: میں کتاب، سنت رسول ﷺ، صحابہ کرام اور تابعین عظام میں جو کچھ ہے اس کے بارے میں بات کرنا پسند کرتا ہوں اس کے علاوہ نہیں۔ آپ کے باب میں سنت پر اعتماد کیا۔ اسی طرح صحابہ کرام اور تابعین عظام کے اقوال پر بھی اعتماد کیا۔ اسی طرح آپ نے طالب علموں کے بارے میں کہا کہ: وہ باتیں ضبط تحریر میں لائیں جو رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہیں، صحابہ کرام اور تابعین سے منقول ہیں۔ اور ایک روایت میں ہے کہ تبع تابعین کے بارے میں تمہیں اختیار ہے۔^①

اس میں کوئی شک نہیں کہ سلف صالحین کے اقوال کی معرفت متاخرین کے اقوال کی معرفت سے زیادہ نفع بخش ہے۔^②

آپ جب غور کریں گے تو محسوس کریں گے کہ امت محمدیہ کا ہر فرقہ اپنے بارے میں یہی خیال کرتا ہے کہ وہ کتاب و سنت پر قائم ہے، لیکن ان ٹولیوں میں دیکھا جائے گا کہ کون سنت رسول اللہ ﷺ، صحابہ کرام کے منہج پر ثابت قدم ہے۔ اس لیے کہ یہی ناجی فرقہ ہے اور یہی مومنوں کا راستہ ہے۔

امام شافعی نے ”الرسالة القديمة“ میں صحابہ کرام کا ذکر کرنے کے بعد کہا ہے اور وہ لوگ علم میں ہم سے بلند ہیں۔ اسی طرح اجتہاد، ورع، اور عقل میں بھی ہم سے بہت بلند ہیں۔ ان کے اقوال و آراء، ہمارے اقوال و آراء سے بہت عمدہ ہیں۔ واللہ اعلم^③

امام اوزاعی نے کہا: صحابہ کرام سے جو کچھ ثابت ہے وہ علم ہے اس کے علاوہ علم نہیں ہے۔^④

① مجموع الفتاویٰ: ۱/۳۶۲، ۳۶۴۔

② ابن تیمیہ نے اس کو مجموع الفتاویٰ میں ثابت کیا ہے: ۱۳/۲۳، ۲۷۔

③ المدخل الى السنن الكبرى ص ۱۱۰۔ ④ جامع بيان العلم وفضله ۲/۲۹۔

امام زہری تابعین کے کلام کو لکھتے تھے۔ صالح بن کیسان اس پر ان کی مخالفت کرتے تھے، پھر اس کے چھوڑنے پر کافی شرمندہ ہوئے۔^① یہی طریقہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا تھا۔ ابن مبارک کہتے ہیں کہ میں نے ابوحنیفہ کو کہتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ ﷺ سے ثابت شدہ حدیث سر آنکھوں پر، صحابہ کرام کے اقوال میں اختیار کریں گے، البتہ تابعین کے اقوال میں مزاحمت کریں گے۔^②

امام مالک نے کہا: میں نے مؤطا میں رسول اللہ ﷺ کی حدیث مبارکہ، صحابہ و تابعین کے اقوال و آراء کو ذکر کیا ہے کہیں کہیں اپنی رائے کو بھی ذکر کر دیا ہے۔ اس کے علاوہ میں نے کچھ نہیں ذکر کیا۔^③

امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ علم کے کچھ طبقات ہیں:

۱: علم کتاب و سنت کا نام ہے شرط یہ ہے کہ سنت ثابت ہو۔

۲: اجماع اس شرط کے ساتھ کہ کتاب و سنت پر وہ مسئلہ نہ ہو تو اجماع کو دیکھیں گے۔

۳: کسی صحابی کا قول ہو اور اس قول کی کسی دوسرے صحابی نے مخالفت نہ کی ہو۔

۴: صحابہ کرام کے اختلافات۔

۵: قیاس۔

کتاب و سنت کی موجودگی میں کسی دوسرے کی طرف نظر نہیں کیا جائے گا بلکہ علم کو اعلیٰ سے حاصل کیا جائے گا۔^④

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے کہا: اگر کسی مسئلہ میں رسول اللہ ﷺ کی حدیث موجود ہے تو اس کی موجودگی میں کسی دوسرے قول کو نہیں لیا جائے گا، خواہ صحابی ہو یا تابعی۔ اسی طرح اگر کسی مسئلہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مختلف اقوال ہیں تو انہیں میں کسی قول کو

① تنقید العلم للخطیب البغدادی ص ۱۰۶، ۱۰۷، جامع بیان العلم وفضله ۱/۷۷، ۷۸۔

② اخبار ابی حنیفہ للصری ص ۱۰، ایقاظ ہم اولی الأبصار ص ۷۰۔

③ ترتیب لمدارك ۱/۱۹۳۔ ④ المدخل الى السنن الكبرى ص ۱۱۰۔

اختیار کیا جائے گا لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال کو چھوڑ کر کسی دوسرے کے قول کو ہرگز نہیں لیا جائے گا اگر اس مسئلہ میں رسول اللہ ﷺ یا صحابہ کرام کا کوئی قول نہیں ہے تو تابعین کے اقوال کو لیا جائے گا۔^①

میں کیا کہتا ہوں کہ ائمہ کرام کی بات اس بارے میں ایک ہے۔ اب جو شخص اس منہج سے نکل گیا وہ مومنوں کے راستہ سے نکل گیا۔ واللہ اعلم

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے کہا: جس نے قرآن یا حدیث کی تفسیر کی اور صحابہ کرام اور تابعین سے جو تفسیر ثابت ہے اس کو چھوڑ کر کوئی دوسری تفسیر کی تو اس نے اللہ پر بہتان باندھا۔ وہ ملحد ہے۔ اللہ کے کلام میں تحریف کرنے والا ہے، پھر اس نے زندیق اور ملحد کے لیے دروازہ کھول دیا ہے اور وہ مکمل باطل ہے۔^②

کسی کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ کسی آیت یا حدیث کا وہ معنی بیان کرے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بیان کردہ معنی کے خلاف ہو۔

ابن رجب کہتے ہیں: ائمہ سلف امام شافعی، احمد، اسحاق اور ابو نعیمہ کے زمانے تک کے کلام کو لکھنا ضروری ہے تاکہ انسان بعد والے فتنوں سے محفوظ رہ سکے کیونکہ بعد میں عجیب و غریب فتنے پیدا ہوں گے۔^③

چونکہ کتاب و سنت کا فہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فہم کی روشنی میں ضروری ہے، اسی لیے آپ اہل حدیث کو دیکھیں گے کہ قرآن کی تفسیر اور حدیث کے معنی و مفہوم بیان کرنے میں محض لغت، رائے اور عقل کا استعمال نہیں کرتے ہیں بلکہ احادیث میں دیکھتے ہیں سلف کے اقوال کو ان کی کتابوں سے جمع کرتے ہیں اور اسی پر اپنی فقہ و اجتہاد کی بنیاد رکھتے ہیں۔

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے کہا: ایمان کے باب میں مرجعہ کتاب و سنت، اقوال صحابہ و تابعین کے بیان سے منحرف ہو گئے ہیں۔ انھوں نے اپنی عقل کی بنیاد پر ایمان کی تعریف کی،

① المسودة ص ۲۷۶.

③ بیان فضل علم السلف، ص ۲۹.

② مجموع الفتاویٰ ۱۳/۲۴۳.

اور یہی طریقہ اہل بدعت کا ہے۔ اسی لیے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ زیادہ تر لوگ قیاس اور تاویل کی وجہ سے غلطی کرتے ہیں۔ اسی طرح آپ معتزلہ، مرجیہ اور رافضہ جیسے بدعتیوں کو دیکھیں گے کہ وہ قرآن کی تفسیر اپنی عقل و رائے سے کرتے ہیں۔ یہ لوگ نہ احادیث پر اعتماد کرتے ہیں اور نہ ہی اقوال صحابہ و تابعین، اور ائمہ کرام پر اعتماد کرتے ہیں، نہ کتب تفسیر و کتب احادیث اور آثار سلف پر بھروسہ کرتے ہیں بلکہ لغت ادب اور اہل الکلام کی کتابوں پر کلی اعتماد کرتے ہیں، یہی طریقہ کار ملحدوں کا بھی ہے۔

یہ لوگ انبیاء کرام کے نصوص سے اعتراض کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ علم کا فائدہ نہیں دیتی ہے۔^①

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے کہا ہے ”تم کسی ایسے مسئلہ میں بات مت کرو جس کا کوئی امام نہ ہو اور یاد رکھو فہم قرآن و احادیث اور آثار سلف کو چھوڑ کر محض لغت و عقل پر اعتماد کرنا اس زمانے میں مستشرقین کا طریقہ ہے۔ اگر انھیں کسی قول وغیرہ کی ضرورت پڑی تو جاحظ کی کتابوں سے نقل کر لیا یا پھر انانی، العقد الفرید سے نقل کر لیا اور اگر نقل کرنا مشکل ہو گیا تو کہتے ہیں، یہی عقل کا تقاضا ہے۔“

ایک مسلمان جو رسول اللہ ﷺ کا سچا متبع ہے وہ فہم قرآن و سنت کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فہم کے ساتھ مقید کر دیتا ہے ان سے نکلنے کی کوشش نہیں کرتا۔ اگر کہیں کسی مسئلہ میں اجتہاد کی ضرورت محسوس ہوئی تو سلف کے اقوال کو دیکھتا ہے اگر سلف سے کوئی قول مل گیا تو لے لیتا ہے ورنہ اس مسئلہ کو ترک کر دیتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ ہر قسم کی بھلائی سلف صالحین کی پیروی میں ہے اور ہر قسم کی شربعد کی بدعتوں میں ہے۔

ابن حجر کہتے ہیں کہ امام اوزاعی نے کہا علم وہ ہے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت ہو ورنہ علم نہیں ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ لوگ برابر خیر میں رہیں گے جب تک علم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے بڑوں سے لیتے رہیں گے اور جہاں انھوں نے علم اصاغر سے لینا

شروع کیا وہیں ان میں اختلاف پیدا ہو گیا اور وہ ہلاک ہو گئے۔

ابو عبیدہ کہتے ہیں کہ صحابہ کرام اور کبار تابعین سے جو کچھ ثابت ہے وہی علم ہے اور جو کچھ لوگوں نے بعد میں ایجاد کیا ہے وہ انتہائی مذموم ہے۔

سلف صالحین علم اور رائے میں فرق کرتے تھے۔ وہ لوگ سنت کو علم کہتے تھے، اس کے علاوہ سب رائے ہے۔ احمد بن حنبل کہتے ہیں کہ علم رسول اللہ ﷺ سے لیا جائے گا، پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے رہا تابعین کو ان کے بارے میں اختیار ہے۔

ابن مبارک کہتے ہیں: سنت معتمد علیہ ہے اور اگر رائے کو لینا چاہتے ہو تو وہ رائے لو جو خبر کی تفسیر کرتی ہو۔ حاصل کلام یہ کہ اگر رائے کی بنیاد کتاب و سنت ہے تب تو محمود ہے ورنہ مذموم ہے۔

مذکورہ بالا سطور کی بنیاد پر چند امور قابل غور ہیں:

۱: سلفی حضرات دین میں عقل و رائے کا استعمال نہیں کرتے ہیں:

علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ:

((لو كان الدين بالرأي؛ لكان أسفل الخف أولى بالمسح من

أعلاه، وقد رأيت رسول الله ﷺ يمسح على ظاهر خفيه.))^①

”اگر دین رائے و عقل پر ہوتا تو موزہ پر مسح کرنا نیچے افضل ہوتا نہ کہ اوپر۔ حالانکہ میں

نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ اپنے موزوں کے اوپر مسح کرتے تھے۔“

ابو عبد اللہ محمد بن ابراہیم بوشنجی رحمہ اللہ نے کہا: تمام اہل علم پر واجب ہے کہ اتباع کو لازم

پکڑیں اور جن اصول پر قرآن نازل ہوا ہے اور جن پر سنت وارد ہوئی ہے، انھیں مقصد

بنائیں نہ کہ عقل و رائے کو اصول کا مقصد بنائیں۔^②

ابو مظفر سمعانی نے کہا: اہل حق نے کتاب و سنت کو اپنے سامنے رکھا اور انہی دونوں سے دین

① ابو داؤد، کتاب الطہارۃ، باب کیف المسح، حدیث: ۱۶۲۔

② ذم الکلام للہروی بواسطة صون المنطق والکلام، ص ۶۹۔

حاصل کیا اور عقل و رائے کو کتاب و سنت پر پیش کیا اگر وہ دونوں کے موافق ہے تو اسے لے لیا اور اللہ کا شکر ادا کیا اور اگر مخالف دیکھا تو اسے چھوڑ دیا اور کتاب و سنت کو لازم پکڑ لیا۔ کیونکہ کتاب و سنت صرف حق کی راہنمائی کرتی ہیں، اور رائے میں حق و باطل دونوں کا امکان ہوتا ہے۔^①

نیز انھوں نے یہ بھی کہا: ”اہل سنت صرف انہی چیزوں کو لیتے ہیں جن کو کتاب و سنت کہتی ہے۔ واضح اور صحیح دلائل سے حجت پکڑتے ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کی صفات اور دوسرے دینی امور میں رائے اور عقل کو ہرگز داخل نہیں کرتے۔ اسی پر انھوں نے اپنے اسلاف اور ائمہ کرام کو پایا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ۝ وَدَاعِيًا إِلَى اللَّهِ بِآذَنِهِ وَسِرَاجًا مُنِيرًا ۝﴾ (الاحزاب: ۴۵ تا ۴۶)

”اے نبی! بے شک ہم نے تم کو گواہ اور خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے اللہ کی طرف اس کے حکم سے دعوت دینے والا اور روشن چراغ بنا کر بھیجا ہے۔“

نیز فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ﴾ (المائدہ: ۶۷)

”اے رسول! جو تمہاری طرف تمہارے رب کی جانب سے نازل کی گئی ہے تم اس کی تبلیغ کرو اگر تم نے ایسا نہیں کیا تو تم نے اس کے پیغام کی تبلیغ نہیں کی۔“

رسول اللہ ﷺ نے خطبہ حجتہ الوداع کے موقع پر مختلف مقامات میں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں فرمایا: ”الاہل بلغت“^② بھلا بتاؤ کیا میں نے پہنچا دیا ہے؟ یہ ان امور

① الانتصار لأهل الحديث لأبي المظفر السمعاني بواسطة صون المنطق والكلام ص ۱۶۶، ۱۶۷.

② رسول اللہ ﷺ کی جانب سے یہ لفظ ثابت ہے۔ صحیح بخاری، کتاب الإحکام حدیث: ۷۱۹۲، صحیح مسلم، کتاب الکسوف، حدیث: ۹۰۱، خطبہ یوم النحر، صحیح بخاری، کتاب الحج (۱۷۴۱)، صحیح مسلم کتاب الحج (۱۶۷۹).

میں تھا کہ جو آپ پر نازل ہوا اور جس کی تبلیغ کا حکم دیا گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے دین کے تمام امور چھوٹے ہوں یا بڑے، سب کو بہت واضح انداز میں بتا دیا ہے۔ آپ نے تبلیغ دین میں کبھی تاخیر نہیں کی اور نہ ہی سستی سے کام لیا۔

سمعی نے یہ بھی کہا کہ ”ہمیں اتباع اور سنت رسول اللہ ﷺ کو مضبوطی سے پکڑنے کا حکم دیا گیا ہے، اسی طرح دین و شریعت نے ہمارے لیے جن امور کو مشروع قرار دیا ہے انھیں لازم پکڑنے کا حکم دیا گیا ہے اور واضح رہے کہ ان امور تک پہنچنے کا صرف ایک ہی ذریعہ ہے اور وہ ہے سنت رسول اللہ ﷺ! جس کو امت کے انتہائی ثقہ راویوں نے روایت کر کے ہم تک پہنچایا ہے۔ اب ہمارا فرض ہے کہ ان حدیثوں کو سنیں پڑھیں اور اس پر عمل کریں۔ اس کے برعکس عقل پر اعتماد کرنا، سمع کی بنیاد اس کو بنانا، شرع میں مذموم ہے اور اس سے منع کیا گیا ہے۔ اب ہم مختصر یہ بیان کریں گے کہ شریعت نے کس قدر عقل استعمال کرنے کی اجازت دی ہے۔“^①

سمعی کے شاگرد رشید علامہ اصہبانی نے کہا: ”سنت لوگوں کے لیے دینی امور کو واضح کرتی ہے، لہذا ہمارے لیے اس کی اتباع ضروری ہے، اس لیے کہ شریعت اللہ تعالیٰ کی جانب سے آئی ہے نہ کہ اس کی بنیاد انسانی عقل و رائے ہے۔ رسول اللہ ﷺ اپنی امت کے لیے سنت کو مکمل طور پر واضح کر دیا ہے اور جس نے اس کی مخالفت کی وہ گمراہ ہو گیا۔“^②

۲: اہل حدیث کی پہچان یہ ہے کہ یہ لوگ اہل علم کی تعظیم کرتے ہیں اور ان کے حقوق کی رعایت کرتے ہیں:

ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو کہتے ہوئے سنا ہے:

((مَنْ سَلَكَ طَرِيقًا يَبْتَغِي فِيهِ عِلْمًا سَلَكَ اللَّهُ بِهِ طَرِيقًا إِلَى الْجَنَّةِ، وَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ لَتَضَعُ أَجْنِحَتَهَا رِضَاءً لَطَالِبِ الْعِلْمِ،

وَإِنَّ الْعَالَمَ لَيَسْتَغْفِرُ لَهُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ
حَتَّى الْحَيَّاتَانِ فِي الْمَاءِ، وَفَضْلُ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِ
الْقَمَرِ عَلَى سَائِرِ الْكَوَاكِبِ، إِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْأَنْبِيَاءِ، إِنَّ
الْأَنْبِيَاءَ لَمْ يُوَرِّثُوا دِينَارًا وَلَا دِرْهَمًا إِنَّمَا وَرَّثُوا الْعِلْمَ فَمَنْ أَخَذَ
بِهِ أَخَذَ بِحَظٍّ وَافِرٍ ۝۱۱۰

”جو شخص ایسا راستہ اختیار کرتا ہے جس میں علم تلاش کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو جنت کی راہ چلائے گا، فرشتے طالب علم کی خوشی میں اپنے پروں کو بچھا دیتے ہیں۔ پھر اس عالم کے لیے آسمان و زمین کی تمام چیزیں مغفرت کی دعا کرتی ہیں۔ یہاں تک کہ پانی میں مچھلیاں بھی اور عالم کی فضیلت عابد پر ایسے ہے جیسے چاند کی فضیلت سارے ستاروں پر۔ بے شک علماء انبیاء کے وارث ہیں۔ انبیاء علیہم السلام نے دینار و درہم نہیں چھوڑا ہے بے شک انھوں نے علم کو چھوڑا ہے، لہذا جس نے علم سیکھا اس نے بہت زیادہ حصہ سیکھا۔“

ابن حبان رحمہ اللہ نے کہا: یہ حدیث واضح طور پر یہ بات بیان کرتی ہے کہ جن علماء کی فضیلت اس میں بیان کی گئی ہے یہ وہی علماء ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے علم کو جانتے ہیں۔ کیا تم دیکھتے نہیں کہ آپ ﷺ فرماتے ہیں: ”العلماء ورثة الانبياء“ اور انبیاء نے صرف علم دیا ہے اور رسول اللہ ﷺ کا علم آپ کی سنت ہے۔ اب جس نے اس کو نہیں سیکھا وہ انبیاء کا وارث نہیں ہے۔ ①

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿وَإِذَا جَاءَهُمْ أَمْرٌ مِّنَ الْأَمْنِ أَوْ الْخَوْفِ أَدَّعَوْا بِهِ وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى
الرَّسُولِ وَالْأُولَى الْأَمْرُ مِنْهُمْ لَعَلَّهُ الَّذِينَ يَسْتَنْبِطُونَهُ مِنْهُمْ

① یہ حدیث حسن ہے۔

② الإحسان بتقریب صحیح ابن حبان ۱/۲۹۵، رقم: ۸۸۰.

وَلَوْ لَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ لَا تَبَعْتُمُ الشَّيْطَانَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿٥﴾

(النساء: ۸۳)

”اور جب انھیں امن یا خوف کی کوئی خبر ملے تو اس کو انھوں نے مشہور کرنا شروع کر دیا، حالانکہ اگر یہ لوگ اسے رسول کے اور اپنے میں سے ایسی باتوں کی تہہ تک پہنچنے والوں کے حوالے کر دیتے تو اس کی حقیقت وہ لوگ معلوم کر لیتے جو نتیجہ اخذ کرتے ہیں اور اگر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت تمہارے اوپر نہ ہوتی تو چند لوگوں کو چھوڑ کر تم سب شیطان کے پیروکار بن جاتے۔“

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ مسائل کی معلومات کے لیے علماء کی طرف رجوع کیا جائے گا نہ کہ اہل رائے کی طرف، کیونکہ اہل رائے اہل استنباط میں سے نہیں ہیں۔

علامہ عبد الرحمن بن ناصر سعدی رحمہ اللہ کہتے ہیں: بندہ کو چاہیے کہ جب اس کے پاس کوئی اہم واقعہ پیش آئے جس کا تعلق امن و امان اور مسلمانوں کی خوشی سے ہو یا کوئی خوف کا معاملہ آئے تو اس پر صبر سے کام لے اور اس کو عام کرنے میں جلدی نہ کرے۔ بلکہ اس کو رسول اللہ ﷺ کی طرف لوٹا دے یا اہل علم کی طرف لوٹا دے جو معاملات کو اچھی طرح سمجھتے ہیں اور اگر دیکھیں کہ اس کو عام کرنے میں مسلمانوں کی مصلحت ہے تو کر سکتے ہیں اور اگر دیکھیں کہ مسلمانوں کی مصلحت نہیں ہے یا اگر ہے بھی تو نقصان مصلحت سے زیادہ ہے تو اس وقت اس کو عام نہ کریں۔ اسی لیے فرمایا: ﴿لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنْبِطُونَهُ﴾ نیز اس آیت میں کسی بھی معاملہ کو میں جلدی کرنے سے روکا گیا ہے۔ پھر کہا: ﴿وَلَوْ لَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ﴾ اس میں اللہ کی توفیق و تائید شامل حال ہے اور تمہیں ایسی تعلیم مل رہی ہے جس کو تم نہیں جانتے تھے۔ ﴿لَا تَبَعْتُمُ الشَّيْطَانَ إِلَّا قَلِيلًا﴾ اس لیے کہ انسان طبعی اعتبار سے ظالم ہے جاہل ہے۔ اس کا نفس اس کو برائی کی طرف آمادہ کرے گا، لیکن جب بندہ اپنے رب کی طرف رجوع ہوا تو شیطان رجیم سے محفوظ ہو گیا۔ ❶

دینی امور میں علماء کی طرف رجوع نہ کرنے پر ایک تو ان کا حق ضائع ہوتا ہے اور پھر اس کے علاوہ بہت سے نقصانات ہیں۔ مثلاً امت پر ذلت و رسوائی طاری ہوتی ہے جیسے کہ حدیث ہے ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب تم عینہ کی تجارت کرنے لگو اور بیلوں کے دم پکڑنے لگو گے اور زراعت و کھیتی کو پسند کرو گے اور جہاد کو ترک کرو گے تو اس وقت اللہ تعالیٰ تم پر ذلت رسوائی کو مسلط کر دے گا، اس ذلت کو تم سے اس وقت تک دور نہیں کرے گا جب تک تم اپنے دین کی طرف پلٹ نہ آؤ۔^①

ظاہر بات ہے کہ جب علماء کرام کی طرف رجوع نہیں کریں گے جن علماء کے پاس کتاب و سنت کا علم ہے تو انھیں دینی معلومات نہیں حاصل ہو سکتی۔ بعد میں یہ ہوگا کہ جاہل لوگوں کو اپنا سردار بنائیں گے۔ ان سے بگاڑ کے سوا اور کیا حاصل ہوگا! دین تو وہ ہے جو حدیث جبریل میں مذکور ہے، یعنی اسلام، ایمان، احسان اور قیامت کی علامتوں کا بیان ہو۔ اسی حدیث میں ہے کہ جب جبریل چلے گئے تو رسول اللہ ﷺ نے عمر رضی اللہ عنہ سے کہا: اے عمر تمہیں معلوم ہے یہ کون تھے؟ انھوں نے جواب دیا: اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ جبریل تھے وہ تمہارے پاس اس لیے آئے تھے تاکہ تمہیں تمہارے دین کی تعلیم دیں۔^②

اسی طرح علماء کی صحبت نہ اختیار کرنے سے مومنوں کے صحیح راستے کا علم نہیں ہو سکتا۔ جب صحیح راستے کا علم نہیں ہوگا تو بدعت اور بدعتی اپنی راہیں اس کے لیے کھول دیں گے اور وہ اسی میں ملوث ہو جائے گا، جیسا کہ آج کل دیکھا جا رہا ہے۔ شیعہ، خوارج، معتزلہ اور صوفیوں کا یہی حال ہے۔ یہ لوگ خود گمراہ ہیں اور دوسروں کو گمراہ کرتے جا رہے ہیں۔

① مسند احمد، و ابوداؤد کتاب البیع حدیث نمبر: (۳۴۶۲) (عینہ) اس بیع کو کہتے ہیں کہ آدمی ایک چیز مقرر قیمت پر ایک مقرر وقت تک کے لیے فروخت کر لے، جب یہ مقرر وقت مکمل ہو جائے تو خریدار سے وہی چیز کم قیمت پر خرید لے تاکہ زیادہ رقم اس کے ذمہ باقی رہ جائے۔ عینہ اس کا نام اس لیے رکھا گیا کہ فروخت کردہ وہی چیز اسی حالت میں حاصل ہو جائے اور اصل مال خریدار سے لوٹ کر فروخت کنندہ کے پاس پھر پہنچ جائے۔

② صحیح مسلم حدیث: ۸۔

علامہ شاطبی فرماتے ہیں کہ ایک بدعتی نے علم کلام کی فضیلت بیان کرتے ہوئے کہا کہ شافعی اور ابوحنیفہ کا علم حیض و نفاس سے آگے نہیں بڑھتا ہے یہ من مخرنین کی باتیں ہیں۔“
قاتلہم اللہ . ❶

اہل سنت والجماعت کے نزدیک اصلاح کا طریقہ

مخلوق میں تغیر اور تبدیلی اللہ تعالیٰ کی سنت ہے۔ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: تم میں سے جو زندہ رہے گا وہ بہت اختلافات دیکھے گا ایسے موقع پر تم میری سنت اور خلفاء راشدین کی سنت کو لازم پکڑو اور اس کو مضبوطی سے پکڑے رہو اور اطاعت کو بھی لازم پکڑو اگرچہ حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو۔ ❷

اس حدیث میں استدلال یہ ہے کہ تم میں سے جو زندہ رہے گا وہ بہت زیادہ اختلافات دیکھے گا اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ ﷺ کی وفات کے بعد اختلافات پیدا ہوں گے۔ اس معنی کے صحیح ہونے پر سالم کی روایت بھی دلالت کرتی ہے۔

وہ کہتے ہیں کہ میں نے ام درداء سے سنا وہ کہہ رہی تھیں کہ:

((دَخَلَ عَلَيَّ أَبُو الدَّرْدَاءِ وَهُوَ مُغَضَّبٌ، فَقُلْتُ: مَا أَغْضَبَكَ؟ فَقَالَ: وَاللَّهِ مَا أَعْرِفُ مِنْ أُمَّةٍ مُحَمَّدٍ ﷺ شَيْئًا إِلَّا أَنَّهُمْ يُصَلُّونَ جَمِيعًا.)) ❸

”میرے پاس ابو درداء غصہ کی حالت میں تشریف لائے۔ میں نے کہا: آپ کو کس نے غصہ میں ڈال دیا ہے؟ تو ارشاد فرمایا: اللہ کی قسم! میں امت محمد ﷺ کے متعلق اتنا جانتا ہوں کہ وہ صرف اکٹھا نماز پڑھتے ہیں۔“

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ابو درداء کا کہنے کا مقصد یہ ہے کہ تمام اعمال میں نقص اور تغیر پیدا ہو گیا ہے، سوائے نماز کے کہ اس میں لوگ اکٹھا نماز پڑھتے ہیں۔ یہ امر نسبی ہے

❶ الاعتصام: ۲/۲۳۹۔ اس کی تخریج پہلے گزر چکی ہے۔

❷ صحیح بخاری، کتاب الإذاک، فضل صلاة الفجر فی جماعة، حدیث: ۶۵۰۔

کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں لوگوں کی حالت سب سے اچھی تھی۔ پھر ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے زمانے میں بعد کے زمانے سے بہتر حالت تھی۔ ابودرداء نے یہ بات اپنی آخری عمر میں کہی تھی۔ یہ خلافت عثمان کے آخر کا زمانہ ہے۔ اب آپ بتائیں کہ جب ابودرداء کے دور کا یہ حال ہے تو بعد کے لوگوں سے لے کر آج تک کا کیا حال ہے۔ آج حالات سب سے بدتر ہیں۔ ان حالات کے پیش نظر اہل سنت والجماعت کے نزدیک اصلاح و سدھار کے لیے پانچ ضابطے اور اصول ہیں اور وہ مندرجہ ذیل ہیں:

پہلا اصول.....: یہ ہے کہ انھیں سب سے پہلے اللہ کی عبادت کی طرف بلایا جائے، کیونکہ یہی طریقہ تمام انبیاء و رسل کا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا أَنْ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا
الطَّاغُوتَ فَمِنْهُمْ مَنْ هَدَى اللَّهُ وَمِنْهُمْ مَنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلَلَةُ
فَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكْذِبِينَ ٥٠﴾

(النحل: ٣)

”اور ہم نے ہر قوم میں پیغمبر بھیجا یہ کہ تم اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے بچو، ان میں سے بعض ایسے ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دے دی اور بعض ایسے ہیں کہ ان پر ضلالت ثابت ہو چکی، پس تم لوگ زمین میں چلو اور دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا انجام کیسا ہوا؟“

نوح علیہ السلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿لَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ فَقَالَ يَتَقَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ
إِلَهِ غَيْرِهِ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ٥٠﴾ (الاعراف: ٥٩)

”ہم نے نوح کو ان کی قوم کے پاس بھیجا تو اس نے کہا اے میری قوم! تم سب اللہ کی عبادت کرو، اس کے علاوہ تمہارا کوئی معبود نہیں ہے بے شک میں تمہارے اوپر بہت بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔“

ہود علیہ السلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَالِیٰ عَادِ اٰخَاهُمْ هُوْدًا قَالَ یَقُوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرِہٖۤ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ﴾ (الاعراف: ۶۵)

”اور عاد کی طرف ان کے بھائی ہود کو بھیجا، انھوں نے کہا: اے میری قوم! تم اللہ کی عبادت کرو اس کے علاوہ تمہارا کوئی معبود نہیں ہے کیا تم ڈرتے نہیں۔“

صالح علیہ السلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَالِیٰ ثَمُوْدَ اٰخَاهُمْ صٰلِحًا قَالَ یَقُوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرِہٖۤ اَفَلَا تَدْرُوْہَا تَاْكُلْ فِیۡ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمْسُوْہَا بِسُوْءٍ فَاِخْذْ کُمْ عَذَابُ الْیَمِّۗ﴾ (الاعراف: ۷۳)

”اور ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو، انھوں نے کہا: اے میری قوم! تم اللہ کی عبادت کرو اس کے علاوہ تمہارا کوئی معبود نہیں ہے۔ تحقیق تمہارے پاس تمہارے رب کی جانب سے واضح دلیل آچکی ہے یہ اللہ کی اوٹنی ہے تمہارے لیے بطور نشانی ہے تم اس کو چھوڑ دو اللہ کی زمین میں کھائے پیے، اس کو تم کچھ تکلیف نہ پہنچانا، ورنہ تم کو دردناک عذاب آ پکڑے گا۔“

شعیب علیہ السلام کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالِیٰ مَدِیْنَ اٰخَاهُمْ شُعَیْبًا قَالَ یَقُوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرِہٖۤ اَفَلَا تَدْرُوْہَا تَاْكُلْ فِیۡ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمْسُوْہَا بِسُوْءٍ فَاِخْذْ کُمْ عَذَابُ الْیَمِّۗ﴾ (الاعراف: ۸۵)

”اور مدین کی جانب ان کے بھائی شعیب کو (بھیجا) انھوں نے کہا اے میری قوم! تم اللہ کی عبادت کرو کیونکہ اس کے علاوہ تمہارا کوئی معبود نہیں ہے۔“

تمہارے پاس تمہارے رب کی جانب سے واضح دلیل آچکی ہے تم ٹاپ تول میں پورا پورا دو۔ لوگوں کو ان کے اشیاء میں کمی مت کرو اور تم زمین میں اس کی اصلاح کے بعد فساد مت پھیلاؤ یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم مومن ہو۔“

ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِبْرَاهِيمَ إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاتَّقُوهُ ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ﴾ (العنکبوت: ۱۶)

”اور ابراہیم کو (یاد کرو) جب اس نے اپنی قوم سے کہا: تم لوگ اللہ کی عبادت کرو اور اسی سے ڈرو، یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم جان سکتے۔“

یہی طریقہ کار رسول اللہ ﷺ نے بھی انجام دیا تھا۔ جب آپ نے معاذ کو یمن کی طرف بھیجا تھا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے معاذ بن جبل کو یمن کی طرف بھیجا تو ان سے فرمایا:

((إِنَّكَ تَقْدِمُ عَلَى قَوْمٍ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ، فَلْيَكُنْ أَوَّلَ مَا تَدْعُوهُمْ إِلَى أَنْ يُوحِّدُوا اللَّهَ تَعَالَى، فَإِذَا عَرَفُوا ذَلِكَ فَأَخْبِرْهُمْ أَنَّ اللَّهَ قَدْ فَرَضَ عَلَيْهِمْ خَمْسَ صَلَوَاتٍ فِي يَوْمِهِمْ وَلَيْلَتِهِمْ، فَإِذَا صَلَّوْا فَأَخْبِرْهُمْ أَنَّ اللَّهَ افْتَرَضَ عَلَيْهِمْ زَكَاةً فِي أَمْوَالِهِمْ، تُؤْخَذُ مِنْ غَنِيِّهِمْ فَتُرَدُّ عَلَى فَقِيرِهِمْ، فَإِذَا أَقْرَأُوا بِذَلِكَ فَخُذْ مِنْهُمْ وَتَوَقَّ كَرَائِمَ أَمْوَالِ النَّاسِ .)) ❶

”تم اہل کتاب کی ایک قوم کے پاس جاؤ گے، لہذا سب سے پہلے تم انہیں اس بات کی دعوت دو کہ وہ صرف اللہ کی عبادت کریں۔ اگر وہ لوگ اس کو سمجھ جائیں تو انہیں بتلاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر دن و رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔

❶ صحیح بخاری، کتاب التوحید حدیث (۷۳۷۲)، صحیح مسلم کتاب الإیمان، حدیث: ۱۹۔

جب وہ نماز پڑھنے لگیں تو انھیں بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے مال میں ان پر زکوٰۃ کو فرض کیا ہے، ان کے مالداروں سے لیا جائے گا اور ان کے فقیروں پر خرچ کیا جائے گا جب وہ اس کا اقرار کر لیں تو ان سے لے لو اور عمدہ مال لینے سے بچو۔“

اب جو لوگ اصلاح کی دعوت دیتے ہیں اور اپنی اصلاحی دعوت کو سیاسی اور اقتصادی وغیرہ امور تک محدود کر دیتے ہیں تو یقیناً انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کی اور ان کا یہ عمل انہی کی طرف لوٹا دیا جائے گا کیونکہ بہتر یہ تھا کہ وہ پہلے توحید کی دعوت دیتے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ اور دیگر انبیاء کرام کا عمل تھا۔

اہل حدیث اللہ تعالیٰ کے وعدہ پر پورا یقین رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر بندے صحیح طریقے سے اللہ کی عبادت کرنے لگیں تو اللہ تعالیٰ زمین میں انھیں خلیفہ بنادے گا۔ ان کے لیے ان کے دین کو مضبوط کر دے گا اور ان کے خوف کو امن و سکون سے بدل دے گا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ﴾

(النور: ۵۵)

”اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے ان لوگوں سے جو تم میں سے ایمان لائے اور عمل صالح کیا، اللہ تعالیٰ انھیں زمین میں خلیفہ بنائے گا جیسا کہ ان سے پہلے لوگوں کو خلیفہ بنایا تھا اور ان کے لیے ان کے اس دین کو مضبوط بنادے گا جس کو ان کے لیے پسند کر لیا ہے اور ان کے خوف کے بعد ان کو امن و راحت میں بدل دے گا۔ وہ لوگ میری عبادت کرتے ہیں اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں بناتے

ہیں۔ اس کے بعد جس نے کفر کیا تو یہی لوگ فاسق ہیں۔“
 دوسرا اصول.....: یہ ہے کہ اصلاح فرد سے شروع کی جائے نہ کہ جماعت سے، بلکہ
 بہتر یہ ہے کہ ہر انسان اپنے آپ سے شروع کرے۔
 ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ﴾ (الشعراء: ۲۱۴)

”اور آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرائیے۔“

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((تَصَدَّقُوا! فَقَالَ رَجُلٌ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، عِنْدِي دِينَارٌ. قَالَ:
 تَصَدَّقْ بِهِ عَلَى نَفْسِكَ. قَالَ: عِنْدِي آخَرُ. قَالَ: تَصَدَّقْ بِهِ
 عَلَى زَوْجَتِكَ. قَالَ: عِنْدِي آخَرُ. قَالَ: تَصَدَّقْ بِهِ عَلَى وَلَدِكَ
 قَالَ: عِنْدِي آخَرُ. قَالَ: تَصَدَّقْ بِهِ عَلَى خَادِمِكَ قَالَ: عِنْدِي
 آخَرُ. قَالَ: أَنْتَ أَبْصَرُ.)) ❶

”تم لوگ صدقہ کرو، ایک آدمی نے کہا: اے اللہ کے رسول! میرے پاس ایک
 دینار ہے۔ آپ نے فرمایا: اسے اپنے آپ پر خرچ کرو، اس نے کہا: میرے پاس
 دوسرا بھی ہے، آپ نے فرمایا: اسے اپنی بیوی پر خرچ کرو، اس نے کہا: میرے
 پاس دوسرا بھی ہے: آپ نے فرمایا: اسے اپنے بچے پر خرچ کرو، میرے پاس اس
 کے علاوہ بھی ہے۔ آپ نے فرمایا: اسے اپنے خادم پر خرچ کرو، پھر اس نے کہا:
 میرے پاس دوسرا ہے۔ آپ نے فرمایا: اب تو زیادہ جانتا ہے۔“

اب آپ خود غور کریں کہ جب صدقہ کے بارے میں یہ حکم ہے کہ پہلے اپنے سے
 شروع کرو تو اصلاح کے معاملے میں کیا ہونا چاہیے؟ ظاہر بات ہے کہ پہلے خود اپنے نفس
 سے شروع کرے۔ اس کے بعد فرد سے، اس کے بعد خاندان سے، اسی طرح اصلاح کا

❶ سنن نسائی، کتاب الزکاة، حدیث نمبر (۲۵۳۵)، ابوداؤد، کتاب الزکوۃ حدیث: ۱۶۹۱.

کام کرتا جائے۔

تیسرا اصول..... یہ ہے کہ قول و عمل سے پہلے علم ہونا بہت ضروری ہے۔ اسی لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح بخاری میں باب باندھا ہے: باب العلم قبل القول والعمل "اللہ تعالیٰ کا قول ہے: ﴿فَاعْلَمُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ﴾ (محمد: ۱۹) "پس جان لو کہ اللہ کے علاوہ کوئی دوسرا معبود نہیں ہے۔" یہاں بھی اللہ تعالیٰ نے علم سے شروع کیا ہے۔ اسی لیے علماء انبیاء کے وارث ہیں۔ انھوں نے علم کو چھوڑا ہے، لہذا جس نے علم حاصل کیا اس نے وافر حصہ حاصل کیا اور جو شخص طلب علم کے لیے اپنے گھر سے نکلتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے راستے کو آسان بنا دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَقَالُوا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ أَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِي أَصْحَابِ السَّعِيرِ﴾

(الملک: ۱۰)

”وہ لوگ کہیں گے: کاش! ہم نہ سنتے یا سمجھتے تو جہنم والوں میں سے نہ ہوتے۔“ بہر حال قول و عمل سے پہلے علم ہونا بہت ضروری ہے تاکہ کوئی بات کہے تو دلیل کے ساتھ کہے۔ اب اگر وہ کوئی راہ اختیار کرتا ہے تو اس کو پہلے یہ دیکھنا چاہیے کہ وہ راہ کتاب و سنت کے خلاف تو نہیں ہے۔ ایسا نہ ہو کہ منبر پر چڑھ کر حاکم وقت کے خلاف بولنا شروع کر دے۔ اس کے خیال میں یہ اصلاح ہے حالانکہ یہ رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات کے خلاف ہے۔

عیاض بن غنم سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((من أراد أن ينصح لذي سلطان، فلا يبدأ علانية، ولكن يأخذ بيده، فيخلوا به، فإن قبل منه فذاك، وإلا كان قد أدى الذي عليه.))^①

”جو شخص سلطان کو نصیحت کرنا چاہتا ہے تو اس کو علانیہ نہیں شروع کرنا چاہیے بلکہ

① مسند احمد، ۴۰۳/۳، کتاب السنہ، ص ۷۳۷/۲.

اس کو تنہائی میں لے جائے اور وہاں نصیحت کرے اگر اس نے قبول کر لیا تو بہتر ہے ورنہ اس نے اپنی ذمہ داری ادا کر دی۔“

چوتھا اصول..... یہ ہے کہ اس کا علم سلف صالحین کے منہج کے موافق ہو۔

معاویہ بن ابی سفیان سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے درمیان کھڑے ہوئے تو فرمایا:

((أَلَا إِنَّ مِنْ قَبْلِكُمْ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ اقْتَرَفُوا عَلَى ثِنْتَيْنِ وَسَبْعِينَ مِلَّةً، وَإِنَّ هَذِهِ الْمِلَّةَ سَتَفْتَرِقُ عَلَى ثَلَاثٍ وَسَبْعِينَ، ثِنْتَانِ وَسَبْعُونَ فِي النَّارِ، وَوَاحِدَةٌ فِي الْجَنَّةِ وَهِيَ الْجَمَاعَةُ.)) ❶

”خبردار! تم سے پہلے اہل کتاب بہتر فرقوں میں بٹ گئے تھے اور یہ امت تہتر فرقوں میں بٹے گی، بہتر جہنمی ہوں گے اور ایک جنتی ہوگا اور وہ جماعت ہے۔“
لہذا جو علم کا متلاشی ہو اسے چاہیے کہ وہ مومنوں کا راستہ اختیار کرے۔ بدعتیوں کا راستہ ہرگز نہ اختیار کرے۔

یہی اصلاح کے اصول و ضوابط ہیں اب جس نے ان کی مخالفت کی وہ فساد کرنے والوں میں شمار ہوگا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ قَالُوا إِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُونَ ۚ
أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُونَ وَلَكِنْ لَا يَشْعُرُونَ﴾ (البقرہ: ۱۱۱ تا ۱۲۱)

”اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد مت کرو تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو اصلاح کرتے ہیں۔ خبردار یہی فساد کرنے والے ہیں لیکن انھیں شعور نہیں۔“

❶ مسند احمد ۲/۱۰۲، ابو داؤد کتاب السنۃ، حدیث: ۴۵۹۲، والآجری الشریعة الطبعۃ

المحققۃ ۱۳۲/۱.

پانچواں اصول..... یہ ہے کہ وہ اپنی دعوت میں ایسی صفات سے متصف ہو جائے جن کو قرآنی آیات، احادیث نبویہ اور سلفی آثار نے واضح کیا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ هَذِهِ سَبِيلِي أَدْعُو إِلَى اللَّهِ عَلَى بَصِيرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي وَسُبْحَانَ اللَّهِ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ﴾ (یوسف: ۱۰۸)

”تم کہہ دو یہی میرا راستہ ہے میں اللہ کی طرف پورے بصیرت کے ساتھ بلاتا ہوں میں اور وہ جنھوں نے میری اتباع کی اللہ کی ذات پاک ہے اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔“

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ادْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحُكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ﴾ (النحل: ۱۲۵)

”تم اللہ کے راستے کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ بلاؤ اور ان سے اچھے انداز سے بحث و مباحثہ کرو بے شک تمہارا رب خوب جانتا ہے اس شخص کو اس کی راہ سے گمراہ ہو گیا اور وہ ہدایت یافتہ کو بھی اچھی طرح جانتا ہے۔“

نیز فرمایا:

﴿يٰبَنِيَّ اَقِمِ الصَّلَاةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوفِ وَاَنْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاَصْبِرْ عَلٰى مَا اَصَابَكَ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُورِ﴾ (لقمان: ۱۷)

”اے میرے بیٹے نماز قائم کرو اور بھلائی کا حکم دو اور برائی سے روکو اور جو برائی بھی تمہیں لاحق ہو اس پر صبر کرو بے شک یہ بڑے تاکید کی کاموں میں سے ہے۔“

سعید بن ابی بردہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے معاذ اور ابوموسیٰ کو یمن کی

طرف بھیجا تو آپ نے فرمایا:

((يَسِّرًا وَلَا تُعَسِّرًا، وَبَشِّرًا وَلَا تُنْفِرًا، وَتَطَاوَعَهَا وَلَا تَخْتَلِفًا.)) (متفق علیہ)

”تم دونوں آسانی کرنا، سختی مت کرنا۔ بشارت دینا، تنفر نہ کرنا، اطاعت کرنا، اختلاف نہیں کرنا۔“

مذکورہ بالا نصوص کی روشنی میں داعی کی صفات یہ ہیں:

۱: جس چیز کی طرف دعوت دے رہا ہے اس کی مکمل جانکاری ہو۔

۲: دعوت میں نرمی کا اسلوب ہو۔ اللہ تعالیٰ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں کہتا ہے:

﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ﴾

(آل عمران: ۱۵۹)

”اللہ کی رحمت کی وجہ سے تم ان کے لیے نرم ہو گئے ہو لیکن اگر تم سخت دل ہوتے تو وہ تمہارے ارد گرد سے بھاگ جاتے، لہذا تم انہیں معاف کر دو، ان کے لیے مغفرت طلب کرو، معاملات میں ان سے مشورہ لو جب پختہ ارادہ ہو جائے تو اللہ پر بھروسہ کرو بے شک اللہ تعالیٰ بھروسہ کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔“

۳: دعوت میں حلم و بردباری ہو، نہ جلدی کرو اور نہ ہی غصہ کرو بلکہ غصہ کے وقت اس کو پی جاؤ۔

۴: دعوت کے لیے صبر ضروری ہے کیونکہ اس راہ میں نوع بنوع مشکلات آئیں گی، لہذا ان مشکلات کو صبر و استقامت کے ساتھ طے کرنا چاہئے۔

یہ وہ مذکورہ صفات ہیں جن کی رعایت داعی کے لیے بہت ضروری ہیں۔

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے کہا ہے: سنت کا حکم دینا، بدعت سے روکنا، بھلائی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا یہ سب سے افضل اعمال میں سے ہے۔ لہذا ضروری ہے کہ اس کے ذریعہ

سے اللہ کی رضا کا طالب ہو اور یہ صورتحال کے مطابق ہو۔ واللہ اعلم بالصواب

خاتمہ کلام

میں اس کتاب کو چند اہم نصیحتوں پر ختم کرتا ہوں! جو کہ درج ذیل ہیں:

دین سیکھنے کا اہتمام کیجیے اور سنت نبوی کو لازم پکڑے رہیے۔ ابو عالیہ کہتے ہیں: دین کو سیکھئے جب دین سیکھ لو تو اس کو مت چھوڑو، صراط مستقیم کو لازم پکڑو کیونکہ یہی اسلام ہے۔ دائیں بائیں جا کر اس راستہ کو نہ بدلو، اپنے پیارے نبی محمد ﷺ کی سنت پر قائم رہو اور جان لو کہ اسی پر صحابہ کرام بھی قائم تھے۔ نفسانی خواہشات اور نفس پرستی سے بچتے رہو کیونکہ یہ لوگوں کے درمیان عداوت و دشمنی پیدا کرتا ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ نے کہا: جس نے قرآن سیکھا اس کی قدر و منزلت بڑھ گئی، جس نے فقہ میں کلام کیا اس کی قدر بڑھ گئی، جس نے حدیث لکھی اس کی محبت پختہ ہو گئی اور جس نے اپنے نفس کی حفاظت نہیں کی اس کا علم اس کو کچھ فائدہ نہیں دے سکے گا اور جس نے حساب میں غور و فکر کیا اس کی رائے پختہ ہو گئی۔

ابن حبان کہتے ہیں: ہر قسم کی سلامتی اور ساری کرامت و فضیلت سنت نبوی کو مضبوطی سے پکڑنے میں ہے۔ اس کا چراغ کبھی بجھ نہیں سکتا۔ اس کے دلائل کبھی مٹ نہیں سکتے۔ اب جس نے اس کو مضبوطی سے پکڑ لیا وہ محفوظ ہو گیا اور جس نے مخالفت کی وہ ذلیل و رسوا ہو کر رہے گا۔ کیونکہ یہی سنت مضبوط قلعہ ہے اس کی فضیلت واضح ہو چکی ہے اور اس کی رسی بھی کافی مضبوط ہے۔ جس نے اس کو مضبوطی سے تھام لیا وہ قیادت کرے گا اور جو اس کے خلاف چلے گا وہ ہلاک ہوگا۔ اسی پر میں اپنی اس کتاب کو ختم کرتا ہوں۔

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ بِنِعْمَتِهِ تَتِمَّ الصَّالِحَاتُ

وَسُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ أَسْتَغْفِرُكَ
وَأَتُوبُ إِلَيْكَ.

وَصَلِّ اللّٰهُمَّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰی
 اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰی آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ، وَبَارِكْ اللّٰهُمَّ
 عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰی اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰی
 آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ.

www.KitaboSunnat.com



ہماری دیگر کتب

ڈاکٹر علی محمد محمد الصلابی حفظہ اللہ

- ۱۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ
۲۔ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ
۳۔ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ
۴۔ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ
۵۔ سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہ
۶۔ سیدنا سعاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

دیگر کتب

- ۷۔ الصادق الامین
۸۔ علامہ ابن باز رحمہ اللہ
۹۔ توبہ و تقویٰ
۱۰۔ تحفہ وقت
۱۱۔ دنیا کا خاتمہ (4 کٹر)
۱۲۔ شیطانی وسوسے
۱۳۔ منہاج السنہ
۱۴۔ حسن معاشرت سے شوہر کی اصلاح
۱۵۔ نجات یافتہ کون
۱۶۔ اسلام میں اختلاف کے اصول و آداب
۱۷۔ سیلنگ اینڈ سیلز مینجمنٹ
۱۸۔ عقیدہ ایمان اور منہج اسلام
۱۹۔ روشنی اور اندھیرا
۲۰۔ غم کا علاج
۲۱۔ شرعی دم کے ذریعے علاج
۲۲۔ بابل سے بطحاء تک (سیرت ابراہیم علیہ السلام)
۲۳۔ خیر القرون
۲۴۔ سلفی خطبات
۲۵۔ اولیاء حق و باطل
۲۶۔ صحیح دعائیں اور اذکار (شیخ البانی رحمہ اللہ)
۲۷۔ بدعات کا انسائیکلو پیڈیا
۲۸۔ شرح عقیدہ واسطیہ (اُردو ترجمہ)
۲۹۔ ایمان کا راستہ



السُّلَفِيَّةُ

حقيقتها، أصولها، موقفها من المذاهب شبهة حولها

فتاوى محمد ناصر الدين الباني

جمعها وشرحها

فتاوى عمر عبدالمسلم

المترجم

فتاوى إسماعيل الغفاري

الفرقان ترست

خان گڑھ ضلع مظفر گڑھ، گل والا فون: 066-2611270

مکتبۃ الكتاب

حق سٹریٹ، اردو بازار لاہور فون: 0321-4210145